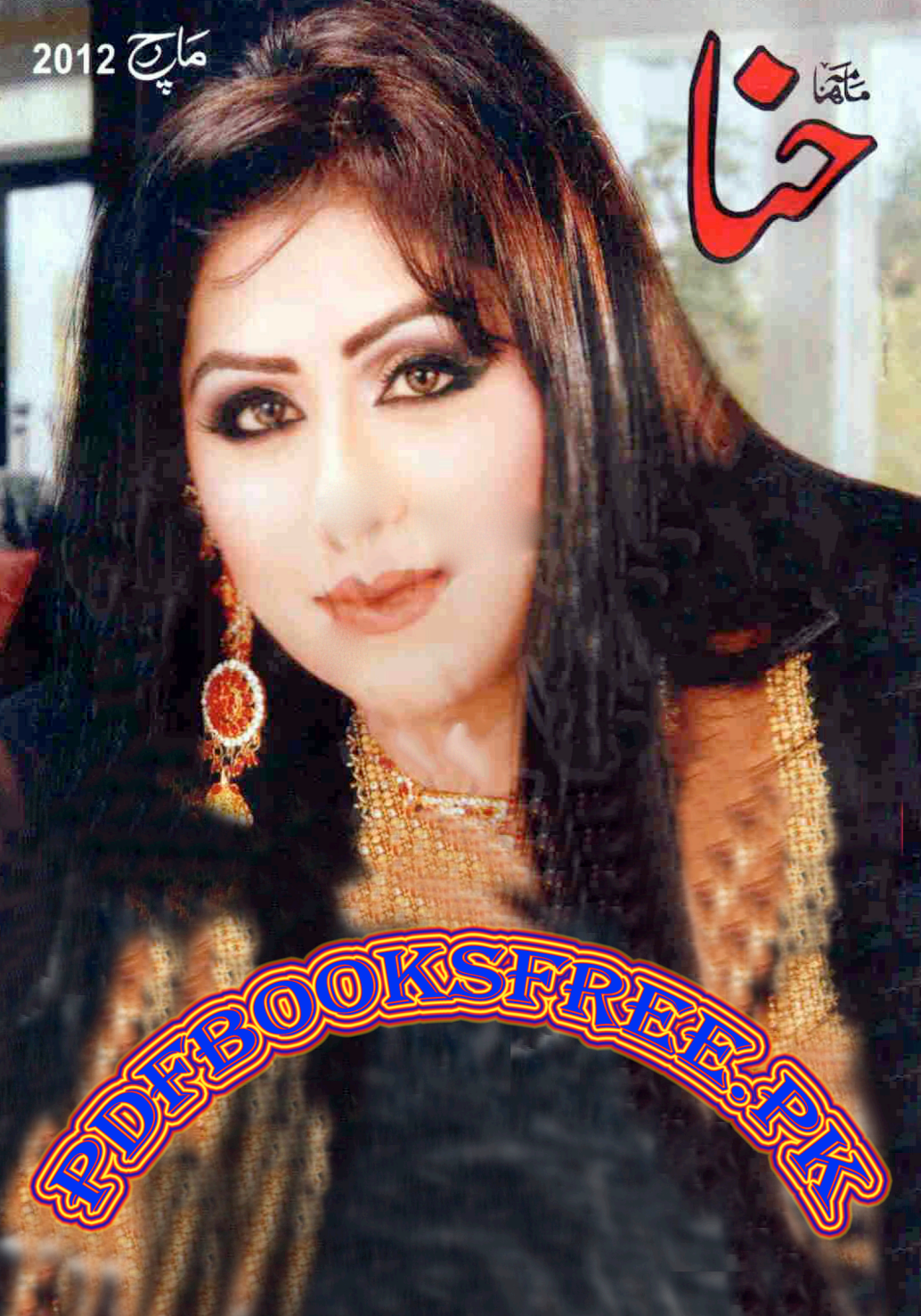

ماہنامہ
حنا
مارچ 2012
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — تنویر پھول — 7
نعت — عبید رضا — 7
پیارے نبی کی پیاری باتیں — سید اختر ناز — 8

انشاء نامہ

سوئیٹزرلینڈ میں اکاونٹ — ابن انشاء — 14

انٹرویو

شہزادرائے سے ملاقات — کاشف گوریجہ — 18

سلسلے وار ناول

وہ ستارہ صبح اُمید کا — فوزیہ غزل — 22
تم آخری جزیرہ ہو — اُم مریم — 154

مکمل ناول

ستم گزیدہ — سدرہ سحر عمران — 52
کوئی رازداں ٹھہرا — عنیقہ ملک — 92

ناولٹ

تمہاری راہ طلب میں — ہما عامر — 128

افسانے

اعتبار کا موسم — شائستہ ساجد — 45
آئینوں کے درمیاں سندس جبیں — 179
ہیں کواکب کچھ — نازیہ ضیاء — 192
وہ ایک لمحہ — فلک ارم ذاکر — 203
پھول کھلنے کا موسم — ساجدہ تاج — 214
دو کوڑی کی — تحسین اختر — 222

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جاسکتی ہے۔

مستقل سلسلے

ستاروں کے آئینے میں — دُرِ شجر — 226
حاصل مطالعہ — فرزانہ سلیم — 231
بیاض — تسنیم طاہر — 235
رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 239
میری ڈائری سے — صائمہ محمود — 243
حنا کی محفل — عین غین — 247
خبرنامہ — عبداللہ — 251
حنا کا دسترخوان — ثمینہ احتشام — 253
کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق — 255

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس، monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! حنا کا شمارہ مارچ 2012ء پیش خدمت ہے۔

پاکستان کے موجودہ سیاسی، معاشی اور انتظامی حالات دیکھ کر لگتا ہے کہ ملک میں حکومت نام کی کسی شے کا وجود نہیں ہے، انہی حالات کو دیکھ کر بعض بدخواہ پاکستان کو "ناکام ریاست" قرار دے رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں پاکستان "ناکام ریاست" ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ "ناکام حکومت" کی واضح مثال ہے، پاکستان میں اصل مسئلہ گورنس کا ہے، چاہے وہ انتظامی گورنس ہو یا معاشی گورنس یا سماجی گورنس میں میں کوئی شک نہیں کہ گورنس کے معاملے میں موجودہ حکومت قیام پاکستان سے لے کر اب تک کی سب سے ناکام حکومت ہے، حالانکہ پاکستان قدرتی اور افرادی وسائل سے مالا مال ملک ہے، مگر آج تک ان وسائل سے صحیح طریقے سے فیضیاب نہیں ہوا جا سکا، پانی ہو یا تیل، کوئلہ یا تانبا آج تک کسی بھی حکومت نے ان شعبوں میں ترقی کے لئے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر وہ قوم کے سامنے فخر کر سکیں، جبکہ ریاست ان کی نااہلی کے باوجود چل رہی ہے اور انشاءاللہ چلتی رہے گی۔

ملک میں وسائل کی کمی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ان وسائل کو صحیح طریقے سے استعمال نہ کرنا مسئلہ ہے، جس دن ہم نے اپنے وسائل کو صحیح اور منصفانہ طریقے سے استعمال کرنا شروع کر دیا، انشاءاللہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا، مگر اس کے لئے سب سے پہلے اچھی اور ایماندار حکومت ضروری ہے۔

اس شمارے میں:۔ گلوکار شہزاد رائے سے ملاقات، سدرہ سحر عمران اور عتیقہ ملک کے مکمل ناول، ہما عامر کا ناولٹ، شائستہ ساجد، سندس جبیں، ناجیہ ضیاء، فلک ارم ذاکر اور ساجدہ تاج کے افسانے، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد

تنویر پھول

خدا کی معرفت ہے بالیقیں قرآن کا حاصل
کہا "لاتقنطو" یہ رحمت رحمٰن کا حاصل

بڑا فیاض ہے وہ، فیض پہنچاتا ہے بندوں کو
وجود رحمتہ اللعالمینؐ فیضان کا حاصل

نہ وہ بچہ کسی کا ہے، نہ اس کا کوئی بچہ ہے
احد ہے وہ، صمد ہے وہ، یہی ایمان کا حاصل

نہ اس کا کوئی ہمسر ہے، نہ اس کا کوئی ثانی ہے
یقیناً سورۂ اخلاص ہے ایقان کا حاصل

رحیم اللہ، وہ رحمٰن، یہ آغاز قرآں کا
یہی نکتہ ہے پیہم دل کے اطمینان کا حاصل

شب تار الست انساں، وہ تیرا "بلیٰ" کہنا
سمجھ عرفان خالق ہے اسی پیمان کا حاصل

کہا باغ سخن میں پھول نے اس کو نہ بھولو تم
خدا کی حمد اور نعت نبیؐ دیوان کا حاصل

نعت

عبید رضا

میں مدینے چلا، میں مدینے چلا
پھر کرم ہو گیا میں مدینے چلا

کیف سا چھا گیا میں مدینے چلا
جھومتا جھومتا میں مدینے چلا

اے شجر اے ہجر تم بھی شمس و قمر
دیکھو دیکھو ذرا میں مدینے چلا

وہ احد کی زمیں جس کے اندر مکیں
میرے حمزہ پیا میں مدینے چلا

اشک تھمتے نہیں پاؤں جمتے نہیں
لڑکھڑاتا ہوا میں مدینے چلا

میرے آقا کا در ہو گا پیش نظر
میرے دل کی صدا میں مدینے چلا

کیا کرے گا اِدھر باندھ رخت سفر
چل عبید رضا میں مدینے چلا

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے نبی کی پیاری باتیں

سیدا اختر ناز

اہل وعیال کے لئے دوڑ دھوپ کرنا کار ثواب

حضرت کعبہ بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس کی توانائی، چستی اور سرگرمی دیکھی تو عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش اس کی یہ سرگرمی اللہ کی راہ میں ہوتی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر ریاکاری اور نام ونمود کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے تو وہ شیطان کے لئے ہے۔''

ملازمین سے حسن سلوک

حضرت معرور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مقام ربذہ میں ملاقات ہوئی، وہ اور ان کا غلام ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔

''کہ کیا بات ہے، آپ کے اور غلام کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اس سلسلے میں اس کو ماں کی غیرت دلائی، یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''ابوذر! کیا تم نے اس کو ماں کی غیرت دلائی ہے؟ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے، تمہارے ماتحت (لوگ) تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے، لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو، اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے، ماتحتوں سے وہ کام نہ لو جو ان پر بوجھ بن جائے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔'' (بخاری)

قیامت کے دن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی۔''

بندہ عرض کرے گا۔

''اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت کرتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟'' (بیمار ہونے کے عیب سے پاک ہیں)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہ کی، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں

نے تم سے کھانا مانگا، تم نے مجھے نہیں کھلایا؟''

بندہ عرض کرے گا۔

''اے میرے رب! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں نے تم سے پانی مانگا، تم نے مجھے پانی نہیں پلایا۔''

بندہ عرض کرے گا۔

''اے میرے رب! میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''میرے فلاں بندے نے تم سے پانی مانگا تھا، تم نے اس کو نہیں پلایا، اگر تم اس کو پانی پلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے۔'' (مسلم)

اسلام اور ایمان کیا ہے

سیدنا ابوہریرہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن لوگوں میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور بولا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کسے کہتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایمان یہ ہے کہ تم یقین کرے دل سے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور یقین کرے قیامت میں زندہ ہونے پر۔''

پھر وہ شخص بولا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسلام کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ جل جلالہ کو پوجے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور قائم کرے تو فرض نماز کو اور دے تو زکوٰۃ کو جس قدر فرض ہے اور روزے رکھے رمضان کے۔''

پھر وہ شخص بولا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احسان کسے کہتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تو عبادت کرے اللہ کی جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھتا (یعنی توجہ کا یہ درجہ نہ ہو سکے) تو اتنا تو ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

پھر وہ شخص بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب ہوگی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس سے پوچھتے ہو قیامت کو، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، لیکن اس کی نشانیاں میں تجھ سے بیان کرتا ہوں کہ جب لونڈی اپنے مالک کو جنے تو یہ قیامت کی نشانی ہے اور جب ننگے بدن، ننگے پاؤں پھرنے والے لوگ سردار بنیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے اور جب بکریاں یا بھیڑیں چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے، قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو کوئی نہیں جانتا سوا اللہ تعالیٰ کے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ:۔ ''اللہ ہی جانتا ہے قیامت کو اور وہی اتارتا ہے پانی کو اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رحم میں ہے (یعنی نر یا مادہ) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس ملک میں مرے گا، اللہ ہی جاننے والا اور خبردار ہے۔" (لقمان:۳۴)

پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو پھر واپس لے آؤ۔"

لوگ اس کو لینے چلے لیکن وہاں کچھ نہ پایا (یعنی اس شخص کا نشان بھی نہ ملا)

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تم کو دین کی باتیں سکھلانے آئے تھے۔"

لوگوں سے لڑنا

سیدنا عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے حکم ہوا ہے لوگوں سے لڑنے کا یہاں تک کہ وہ گواہی دیں، اس بات کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بے شک محمد اس ..... رسولؐ ہیں اور نماز قائم کریں اور زکواۃ دیں پھر جب یہ کریں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیا مگر حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔" (مسلم)

کافر کو لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل

سیدنا مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر میں ایک کافر سے بھڑوں، وہ مجھ سے لڑے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ ڈالے پھر مجھ سے بچ کر ایک درخت کی آڑ لے لے اور کہنے لگے۔ "میں تابع ہو گیا اللہ کا تو کیا میں اس کو قتل کر دوں جب وہ یہ بات کہہ چکے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو مت قتل کر۔"

میں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس نے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر ایسا کہنے لگا تو کیا میں اس کو قتل کر دوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو قتل مت کر، (اگرچہ تجھ کو اس سے صدمہ پہنچا اور زخم لگا) اگر تو اس کو قتل کرے تو اس کا حال تیرا سا ہوگا، قتل سے پہلے اور تیرا حال اسکا سا ہوگا جب تک اس نے یہ کلمہ نہیں کہا تھا۔"

سیدنا اسامہ بن زید کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا، ہم صبح کو حرقات سے لڑے جو جہینہ میں سے ہے، پھر میں نے ایک شخص کو پایا۔

اس نے لا الہ الا اللہ کہا، میں نے برچھی سے اس کو مار دیا، اس کے بعد میرے دل میں وہم ہوا کہ (لا الہ الا اللہ کہنے پر مارنا درست نہ تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا اس نے لا الہ اللہ کہا تھا اور تو نے اس کو مار ڈالا؟"

میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے ہتھیار سے ڈر کر کہا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تا کہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس کے دل نے یہ کلمہ کہا تھا یا نہیں؟ (مطلب یہ ہے کہ دل کا حال تجھے کہاں سے معلوم ہوا؟)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار یہی

فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا (تو اسلام لانے کے بعد ایسے گناہ میں مبتلا نہ ہوتا کیونکہ اسلام لانے سے کفر کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکوں کی ایک قوم پر بھیجا اور وہ دونوں ملے (یعنی آمنا سامنا ہوا میدان جنگ میں) تو مشرکوں میں ایک شخص تھا، وہ جس مسلمان پر چاہتا اس پر حملہ کرتا اور مار دیتا، آخر ایک مسلمان نے اس کو غفلت (کی حالت میں) دیکھا اور لوگوں نے ہم سے کہا (کہ) وہ مسلمان سیدنا اسامہ بن زید تھے، پھر جب انہوں نے تلوار اس پر سیدھی کی تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ لیکن انہوں نے اسے مار ڈالا۔

اس کے بعد قاصد خوش خبری لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے حال پوچھا، اس نے سب حال بیان کیا، یہاں تک کہ اس شخص کا بھی حال کہا (یعنی سیدنا اسامہ بن زید کا)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا اور پوچھا۔

"تم نے کیوں اس کو مارا؟"

سیدنا اسامہؓ نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیف دی، فلاں فلاں کو مارا اور کئی آدمیوں کا نام لیا، پھر میں اس پر غالب ہوا، جب اس نے تلوار کو دیکھا تو لا الہ الا اللہ کہنے لگا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم نے اس کو قتل کر دیا؟"

انہوں نے کہا۔

"ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟"

انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا اور یہی کہتے رہے۔

"تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟"

ایمان لانے والا جنتی ہے

سیدنا عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر جائے اور اس کو اس بات کا یقین ہو کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ جل جلالہ کے تو وہ جنت میں جائے گا۔"

کلمہ کا اقرار

سیدنا ابوہریرہ (یا سیدنا سعید سے روایت ہے (یہ اعمشؒ کو جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں، شک ہے کہ جب غزوہ تبوک کا وقت آیا (تبوک ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے) تو لوگوں کو سخت بھوک لگی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اجازت دیتے تو ہم اپنے اونٹوں کو، جن پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانی لاتے ہیں کاٹ ڈالتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا کاٹو۔"

اتنے میں سیدنا عمرؓ آئے اور انہوں نے کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر ایسا کریں گے تو سواریاں کم ہو جائیں گی (اس کے بجائے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کو بلا بھیجئے اور کہیے کہ اپنا اپنا بچا ہوا توشہ لے کر آئیں، پھر اللہ سے دعا کیجئے توشہ میں برکت دے، شاید اس میں اللہ کوئی راستہ نکال دے (یعنی برکت اور بہتری عطا فرمائے)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا۔"

پھر ایک دستر خوان منگوایا اور اس کو بچھا دیا اور سب کا بچا ہوا توشہ منگوایا، کوئی مٹھی بھر جوار لایا اور کوئی مٹھی بھر کھجور لایا، کوئی روٹی کا ٹکڑا، یہاں تک کہ سب مل کر تھوڑا سا دستر خوان پر اکٹھا ہوا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کے لئے دعا کی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے برتنوں میں توشہ بھرو۔"

تو سب ہی لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا، جس کو نہ بھرا ہو۔

پھر سب نے کھانا شروع کیا اور سیر ہو گئے، اس پر بھی کچھ بچ رہا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں، جو شخص ان دونوں باتوں پر یقین کر کے اللہ سے ملے، وہ جنت سے محروم نہ ہوگا۔"

کلمہ پڑھنے والا جنتی ہے

سیدنا ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ اور آدمیوں میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ بھی تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے (اور باہر تشریف لے گئے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے پاس آنے میں دیر لگائی تو ہم کو ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکیلا پا کر حملہ نہ کر ڈالیں، ہم گھبرا گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے، سب سے پہلے میں گھبرایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا اور بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچا۔

(بنی نجار انصار کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا) اس کے چاروں طرف دروازہ کو دیکھتا ہوا پھر کہ دروازہ پاؤں تو اندر جاؤں (کیونکہ گمان ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اندر تشریف لے گئے ہوں) دروازہ ملا ہی نہیں، (شاید اس باغ میں دروازہ ہی نہ ہوگا یا اگر ہوا تو سیدنا ابوہریرہ کو گھبراہٹ میں نظر نہ آیا ہوگا) دیکھا کہ باہر کنوئیں میں سے ایک نالی باغ کے اندر جاتی ہے، میں لومڑی کی طرح سمٹ کر اس نالی کے اندر گھسا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تو ابوہریرہ ہے؟"

میں نے عرض کیا۔

"جی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تیرا کیا حال ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں میں تشریف رکھتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر چلے آئے اور آنے میں دیر لگائی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم سے جدا دیکھ کر نہ ستائیں، ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے میں گھبرا کر اٹھا اور باغ کے پاس آیا (دروازہ ملا) تو اس طرح سمٹ کر گھس آیا اور سب لوگ میرے پیچھے آتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے ابوہریرہ!" اور مجھے اپنے جوتے (نشانی کے لئے) دیئے (تاکہ لوگ میری بات کو سچ سمجھیں) اور فرمایا۔

"میری یہ دونوں جوتیاں لے جا اور کوئی تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور وہ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اس بات پر دل سے یقین رکھتا ہو تو اس کو یہ سنا کر خوش کر دے کہ اس کے لئے جنت ہے۔"

(سیدنا ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں جوتیاں لے کر چلا) تو سب سے پہلے میں سیدنا عمر فاروقؓ سے ملا، انہوں نے پوچھا۔

"اے ابوہریرہ یہ جوتیاں کیسی ہیں؟"

میں نے کہا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوتیاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دے کر مجھے بھیجا ہے کہ میں جس سے ملوں اور وہ لاالہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہو، دل سے یقین کر کے، تو اس کو جنت کی خوشخبری دوں۔"

یہ سن کر سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک ہاتھ میری چھاتی کے بیچ میں مارا تو میں کولہوں کے بل گرا، پھر کہا۔

"اے ابوہریرہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹ جا۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹ کر چلا گیا اور رونے والا ہی تھا کہ میرے ساتھ پیچھے سے سیدنا عمر فاروقؓ بھی آ پہنچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے ابوہریرہ! تجھے کیا ہوا؟"

میں نے کہا۔

"میں عمرؓ سے ملا اور جو پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دے کر بھیجا تھا پہنچایا تو انہوں نے میری چھاتی کے بیچ میں مارا کہ میں سرین کے بل گر پڑا اور کہا کہ لوٹ جا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمرؓ سے کہا۔

"تو نے ایسا کیوں کیا؟"

انہوں نے عرض کیا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ابوہریرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جوتیاں دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص ملے اور وہ گواہی دیتا ہو لاالہ الا اللہ کی دل سے یقین رکھ کر تو اسے جنت کی خوشخبری دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہاں۔"

سیدنا عمر نے کہا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ایسا نہ کیجئے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس پر تکیہ کر بیٹھیں گے، ان کو عمل کرنے دیجئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا ان کو عمل کرنے دو۔"

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوئٹزر لینڈ میں اکاؤنٹ

ابن انشاء

جناب فاروق پراچہ نے امروز کے گزشتہ سنڈے ایڈیشن میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو سوئٹزر لینڈ کے بینکوں میں اپنا روپیہ رکھتے ہیں، پیشتر کہ وہ اس سلسلے میں ہمارا نام لیں ہم خود ہی اقرار کیے لیتے ہیں کہ ہاں ہمارا اکاؤنٹ سوئٹزر لینڈ کے ایک بہت بڑے بینک کے خفیہ کھاتے میں ہے یا کم از کم رہا ہے۔

ایک چیز ہے اقوام متحدہ اور ایک ہے اس کا ذیلی ادارہ یونیسکو تعلیم ادب، کلچر ہر معاملے میں اس کی ٹانگ ہے اور چونکہ ان معاملوں میں ہماری بھی ٹانگ ہے، لہٰذا ہمیں بھی ہمارا اور یونیسکو کا سنجوگ ہو جاتا ہے، 1967ء میں اس سنجوگ کے تحت ہم برطانیہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ وغیرہ ہوتے ہوئے ایک سہانی دوپہر سوئٹزر لینڈ پہنچے، یعنی جنیوا، ہمارا توازن ادائیگی یونیسکو کی جز رسی کی وجہ سے ہمیشہ ناموافق رہتا تھا، جنیوا پہنچنے پر بھی ہماری خواہش تو یہی تھی کہ کہیں چارپائی اور بستر اٹھنی روز کرایہ پر مل جائے جیسے لاہور اور کراچی کے ریلوے اسٹیشنوں کے سامنے کے برآمدوں اور حجروں میں مل جاتے ہیں اور جن میں مسافر کو اپنی چارپائی تک پہنچنے کے لئے دوسرے مسافر کی چارپائی پر سے پھلانگ کر جانا پڑتا ہے، کیونکہ چارپائیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا مسافروں کی باہمی محبت اور اخوت اور خیر سگالی میں رخنہ اندازی کرنا ہے، لیکن پتہ چلا کہ جنیوا میں اس قسم کا رواج نہیں، بہرحال تلاش بسیار کے بعد پی آئی اے کے دفتر کے عین سامنے ایک ہوٹل مل گیا، جو اپنی آسائش اور ساز و سامان میں ہمارے شہروں کے ان ہوٹلوں سے لگاؤ رکھتا تھا، جن کے بالا خانوں میں لوگوں کی قسمت بنانے بگاڑنے والے منجم، جفار اور پامسٹ اور کھٹمنڈو پلیٹ تیر بہدف حکیم رہتے ہیں، اس کا نام تھا، ہوٹل سان سروے، یہیں ہمیں محسن صاحب ملے جو ہماری طرح کام کے بہانے یورپ کی سیر کا حق ادا کر رہے تھے، ایک سے دو بھلے، ہم اکٹھے باہر جانے لگے، سیر کو، کھانا کھانے کے لئے، لیکن یہ ہم نے دیکھا کہ وہ کھانا ہمارے ساتھ نہیں کھاتے تھے، یا تو کہتے تھے کھا کے آیا ہوں یا جواب دیتے تھے کہ جا کر کھاؤں گا۔

کھانے کے معاملے میں ہم نے مدت سے ترک حیوانات کر رکھا تھا، بیف یعنی بڑا گوش ہم سے کھایا نہیں جاتا، برلن میں ایک روز بیف اسٹیک لے لیا تھا، کھانے اور پچانے کی منزل ہی نہیں آئی، ہماری چھری سے کٹا تک نہیں، ہمارا خیال ہے اصلی بیف نہیں تھا۔

نائیلون وغیرہ کا بنا ہوا تھا، خیر ہم نے چوم کر چھوڑ دیا اور اِدھر اُدھر سے آلو کھا لیے، لندن میں ہم لیمب یعنی بھیڑ کے بچے کا گوشت رغبت سے کھاتے تھے، حلال حرام کی بحث کراچی سے آنے والے اخباروں میں پڑھی تو اس سے بھی گئے معرمی کے متعلق ہم نے سنا تھا کہ گوشت نہ کھاتا تھا، پھل پھول پر بسر اوقات کرتا تھا، ایک روز کسی نے اسے بھونا ہوا تیتر بھیجا، بجائے اس کے کہ چپکے سے کھا لیتے، فلسفہ چھانٹنا شروع کر دیا کہ

جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے وغیرہ ہم ہوتے تو کہتے کہ لا بھئی ایک پلیٹ اور بھی لا، پھل پھول تو اتنے سستے نہیں تھے کہ ہم معرمی بن جاتے، تیتر بھی عام نہیں ملتا، ہاں مرغ کھا لیتے تھے، بھنا ہوا مرغ بلکہ یوں کہیے کہ بھنے ہوئے مرغ کی ایک ٹانگ، یہ کبھی پانچ روپے میں آتی تھی، کبھی سات روپے میں، بون کی کمی ہوئی اسٹو میں ایک بار ڈھائی مارک کی بھی مل گئی تھی لیکن پھر اس کا نرخ بالا ہی ہوتا گیا۔

جنیوا میں پہلے روز ہم نے ساڑھے پانچ کی لی، دوسرے روز ساڑھے چھ روپے کی یہ بات نہیں کہ اس دوران میں بجٹ آ گیا تھا، بلکہ ایک دکان سے دوسری دکان میں فرق ہو جاتا ہے۔

ہمیں یہ تیسرا روز تھا کہ قریب شام پیٹ نے ہمیں مجبور کیا کہ کھول بٹوا، کھلا ہمیں کھانا خدا کے نام پر، ہم نے پچکارا کہ میاں! ٹھہرو بے صبر نہ ہو، کیا کھائے گا؟ سینڈوچ کھلائیں، پنیر کے سینڈوچ بڑے اچھے ہوتے ہیں، انڈے کے سینڈوچ کا بھی انتظام ہو سکتا ہے، پیٹ کی وہی رٹ..... مرغ کی ایک ٹانگ۔

آخر ہم جی کڑا کر کے ایک ریستوران میں گھس گئے، یہ دیکھ کر کہ سستا ہوگا اور کہا۔

''کھانا کھانا مانگتا ہم۔''

بیرا بہت مودب اور قاعدے کا تھا، ایک کمرے میں ہمیں لے گیا اور بولا۔

''کیا پئیں گے آپ؟''

ہم نے کہا۔

''سوپ ووپ نہیں چاہیے، ہمارے ہاں اس کا رواج نہیں۔''

''کوئی اشتہا انگیز چیز حاضر کروں؟''

ہم نے کہا۔

''ہماری بھوک میں مزید اضافے کی گنجائش نہیں، ہم پہلے ہی بھوک سے مرے جا رہے ہیں، مرغ لاؤ فوراً یعنی مرغ کی ایک ٹانگ۔''

بیرے نے صرف ایک چھری اور کانٹا ہماری میز پر رہنے دیا، باقی اٹھا لئے تھوڑی دیر بعد آیا ایک چولہا قسم کی چیز لایا، جس کے اندر موم بتی جل رہی تھی ہوٹلوں میں کھانا گرم رکھنے کے لئے اس قسم کے چولہے ہوتے ہیں، ہمارا ماتھا ٹھنکا۔

وہ تو اندر گیا ہم نے بٹوا نکال کر رقم گنی، پہلے وہ پانی کا پیالہ لایا جس میں لیموں کی قاش پڑی تھی۔

ہم نے اسے ایک طرف کھسکا دیا۔

پھر وہ سلاد کا پیالہ لایا، ہم نے اسے سونگھا اور ایک طرف کھسکا دیا۔

آخر میں وہ جرم ضعیفی کی سزا یعنی مرغ کا پارچہ لایا، پلیٹ کو چولہے پر رکھا، اس پارچے میں سے آدھا نہایت ادب سے کاٹا اور ہماری پلیٹ میں رکھا۔

ہم نے کہا۔

''مرسی یعنی شکریہ، اب جاؤ، ہم خود کھا لیں گے۔''

کھانا کھایا اور کافی دیر، بل آیا ساڑھے بارہ فرانک کا، اس پر پندرہ فیصدی سروس چارج، سوا چودہ سے کچھ زیادہ اب کیا پون فرانک ٹپ بھی نہ دیتے۔

ایک روز میاں محسن سے کفایت شعوری کی خوبیوں پر بات چھڑ گئی، ہم نے بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسراف کی جی کھول کر برائی کی اور کہا۔

''دیکھیے لندن میں ہم نے اپنے الاؤنس میں سے بچا کر یہ سوٹ خریدا ہے، بارہ پونڈ کا۔''

وہ کچھ متاثر نہ ہوئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے کہا۔
"یہ چھتری بھی وہیں خریدی تھی، تین پونڈ میں۔"
ان پر پھر بھی خاص اثر نہ ہوا۔
ہم نے نائیلون کی دو قمیصیں، جرابوں کے دو جوڑے اور لاتعداد..... یعنی چھ سات ٹائیاں خریدی تھیں، وہ بھی دکھائیں، کیونکہ ہم اس وقت داد طلبی کے موڈ میں تھے، اس کا کما حقہ ردعمل نہ ہوا تو ہم نے سوٹ کیس کھول کر چینی مٹی کی پلیٹ نکالی اور کہا۔
"ڈلفٹ کی ہے، یعنی ہالینڈ کی، یہ دیکھو اس پر پن چکی بھی بنی ہوئی ہے۔"
بڑی مشکل سے بولے۔
"ہاں ٹھیک ہے۔"
اب ہم نے انہیں پن چکی کا ایک ماڈل دکھایا، یہ بھی ہم نے لندن سے بڑے چاؤ سے خریدا تھا، آرٹ کا البم، پرانی تصویروں کے البم، پرانے میگزین اور شاعری کی کچھ کتابیں بھی دکھائیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔
آخر میں لب کشا ہوئے ہم سے مخاطب ہو کر۔
"کیمرہ کون سا لیا آپ نے؟"
ہم نے کہا۔
"کیمرہ وغیرہ پسند نہیں، تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ ہمارے مذہب میں تصویر کشی حرام ہے، ماہ رخوں کے لئے ہم نے شاعری سیکھ رکھی ہے، اس سے کام نکل جاتا ہے۔"
بولے۔
"ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی ویژن، ٹرانسسٹر؟"
ہم نے بتایا کہ ہمارا ایک پرانے وضعدار گھرانے سے تعلق ہے، گانے بجانے کے آلات ہمارے شوق کے دائرے سے خارج ہیں، 1949ء میں ایک سیکنڈ ہینڈ مرفی ریڈیو لیا تھا، بڑی خوش اسلوبی سے کام دے رہا ہے۔"
اس پر وہ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے بولے۔
"ٹیلی ویژن تو میں نے بک کروا دیا ہے، یہ ٹیپ ریکارڈ ہے۔"
"اور یہ کیا ہے؟" ہم نے پوچھا۔
بولے۔
"یہ الیکٹرک ٹوسٹر ہے۔"
ہم نے کہا۔
"الیکٹرک ٹوسٹر کی بات نہیں، یہ جو اس کے پاس ہے۔"
بولے۔
"یہ پریشر ککر ہے۔"
ہم نے کہا۔
"ان چیزوں کی بجائے فریج لے لیتے تو اچھا تھا، گرمیوں میں کام آتا ہے، پانی ٹھنڈا رہتا ہے۔"
بولے۔
"ہاں لیا ہے فریج، کمپنی نے سیدھا بھجوا دیا ہے۔"
"اور کیا کیا لیا ہے؟" ہمارا مورال کچھ گرنے لگا تھا۔
بولے۔
"اور کچھ نہیں لیا، ہاں فیٹ کار کے پیسے لندن میں جمع کرا دیے ہیں، اگلی سے جہاز میں بار ہو گی۔"
ہم نے کہا۔
"تم نے پون چکی کے نمونے نہیں خریدے کیا؟ ہالینڈ کی خاص چیز ہے۔"
بولے۔
"فلپس کا کارخانہ بھی تو ہالینڈ ہی میں ہے،

نیچے جو ڈبہ رکھا ہے اس میں فلپس کا ریڈیو ہے۔"
تب ہم نے پوچھا۔
"کھاتے کیا تھے آپ؟"
بولے۔
"ڈبل روٹی کھاتا تھا، ایک ڈبل روٹی، ایک ڈبہ پنیر کا مجھ اکیلی جان کو دو تین دن کے لئے کافی تھا۔"
"رہتے تو ہوٹل میں ہو گے؟"
"یہ کمرہ لینے کی عیاشی میں نہیں کرتا تھا، لندن کے مضافات میں ایک کمرہ لے کر ہم تین آدمی رہتے تھے، اپنی اپنی چارپائی کے پیسے دیتے تھے، اب یہاں سنگل کمرہ لینا پڑا ہے، کہو تو تمہارے ساتھ آ جاؤں، آدھا آدھا دونوں دے دیں گے۔"
ہم نے کہا۔
"تمہیں تکلیف ہو گی، ہم رات کو خراٹے لیتے ہیں، ورنہ انکار نہ تھا۔"
اب ہم نے عزم بالجزم کر لیا کہ گزشتہ، راصلواۃ اب ہم بھی کفایت کریں گے، جنیوا آنے پر ہمیں جو گذارملا، اس میں سے سو فرانک ہم نے پہلے ہی روز سوئٹزر لینڈ کے ایک مشہور بینک میں جمع کروا دیے اور طے کیا کہ اب ان کو نہیں نکالیں گے۔"
سوئیٹزر لینڈ کے بینک اپنی راز داری کے لئے مشہور ہیں، دنیا کے بڑے بڑے حکمران اور سیاستدان اور ملک التجاران بینکوں میں پیسے جمع کرا دیتے ہیں کہ کل فلاں تخت کا تختہ ہوا تو سوئٹزر لینڈ میں جا رہیں گے اور بقیہ عمر یاد خدا میں بسر کریں گے۔
ہم نے بھی یہ پیسے جمع کراتے وقت مینجر بینک ہذا سے کہا کہ "موسیو! اس رقم کا کسی کی کانوں کان پتہ نہ چلے، ہمارے ملک کا قانون بہت سخت ہے، کوئی شخص باہر روپیہ نہیں رکھ سکتا۔"
اس نے کہا۔
"اطمینان رکھیے، ہم کسی کو نہیں بتاتے آپ کے ملک کے اور بھی بہت سے رؤسا اور سیاستدانوں اور سابق وزیروں کے اکاؤنٹ ہمارے یہاں ہیں، بعضے تو دوسرے ملکوں میں تجارتی سودے کر کے اپنا کمیشن سیدھا یہاں جمع کرا دیتے ہیں۔"
ہم نے کہا۔
"تم لوگوں کا اصول راز داری ہے، اس لئے سب کا نام تو نہیں پوچھتے، چند ایک کے بتا دو، ہم اپنے کالم میں تو شاید لکھ دیں ویسے کسی کو نہیں بتائیں گے۔"
لیکن وہ شخص تیار نہ ہوا، اصل میں ہم بڑی ہوشیاری سے اور ترکیب سے اس کا امتحان لے رہے تھے کسی کا نام وہ ہمیں بتا دیتا تو اس کا امکان تھا کہ ہمارا نام بھی کسی کو بتا دے گا۔
ہم نے خفیہ اکاؤنٹ پر نمبر لے لیا اور حساب کرنا شروع کیا کہ خاصی شرح سود ہے، دس سال میں ہماری یہ رقم دگنی ہو جائے گی، یعنی دو سو فرانک اور پچاس سال میں تو یہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی، ہم نے حساب پھیلانا چاہا، لیکن ہم سے نہ ہوا، اتنا لمبا حساب تو کمپیوٹر ہی کر سکتا ہے۔
افسوس کہ یہ پھول دو دن بہار جانفزا دکھلا کر مرجھا گئے، ہم نے تین چار دن کے بعد وہ پیسے نکلوا لئے، بس کچھ ایسی ہی بات تھی، ہوٹل کا بل دینا پڑ گیا۔
اور اس کے علاوہ ہم نے سوچا کہ ملک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا بھی تو ٹھیک نہیں ہمارا اپنا ملک ہے، ہم جب حب الوطنی نہیں دکھائیں گے تو اور کون دکھائے گا؟

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزاد رائے سے ملاقات

کاشف گوریجہ

معروف گلوکار شہزاد رائے موسیقی کے زریعے نوجوان نسل میں ایک انقلابی تبدیلی لائے اُن کا مقبول عام گانا،

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

کے بول اور میوزک کو اتنی پزیرائی ملی کہ ہر خاص و عام کی زبان پر ہے اس نغمے نے نوجوانوں میں ایک جذبہ جگا دیا ۔شہزاد رائے کی میوزک کے علاوہ سماجی خدمات بھی قابل رشک ہیں جہاں وہ بامقصد موسیقی کی روش اپنا کر نوجوانوں میں مقام حاصل کر رہے ہیں وہاں خدمت خلق کو شیوا بنا کر بے سہارا لوگوں کی دعائیں بھی حاصل کر رہے ہیں ۔

موسیقی ہو یا سماجہ سیوا اُن کی پرفامنس کو ملکی و غیر ملکی سطح پر سراہا گیا۔حکومت پاکستان کی جانب سے اُن کو تمغۂ امتیاز، اور ستارہ ایثار سے نوازا گیا۔ستارہ ایثار لینے والے وہ واحد کم سن پاکستانی ہیں۔گذشتہ دنوں ہماری ایک ملاقات کا اتفاق ہوا جس میں اُن کے ساتھ کچھ سوال جواب ہوئے قارئین کی دلچسپی کے لیئے ماہنامہ حنا کے صفحات حاضر خدمت ہیں۔

س: کہیے کیسے مزاج ہیں؟

ج: (نہایت عاجزی سے) جی اللہ کا شکر ہے۔

س: شہزاد رائے صاحب اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو عزت شہرت آپ کو ملی اُس کے لیے آپ کی کسی نے مدد کی یا۔۔

ج: مجھے اپنی جگہ بنانے اور یہ مقام حاص کرنے میں سخت محنت کرنا پڑی بالآخر محنت رنگ لائی اور آج میں آپ کے سامنے ہوں۔اس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کروں کم ہے۔

س: آپ کی گائیکی کی ابتداء رومانوی گانوں سے ہوئی۔ وجہ شہرت گانا کون سا تھا۔

ج: میرے بہت سے گانے ہیں جو کہ مشہور و کامیاب ہوے۔مگر جن گانوں کو میں وجہ شہرت سمجھتا ہوں اُن میں قابل ذکر گانے،

(گنگناتے ہوئے) تیرا کنگنا جب کھنکے، تیری پائل جب بولے، اور

تیرا مکھڑا حسین جادو کر گیا، تیرے جیسی ملی کوئی نہ

س: آج کل آپ کا نغمہ،، اُٹھ باندھ کمر کیا کرتا ہے، پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نوجوانوں مے بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟

ج: اس کی وجہ اس گیت کی شاعری ہے جو کہ نوجوانوں مے ہمت پیدا کرتی ہے اور اللہ پر یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ کمر کس لو اور میدان میں آجاو اور پھر دیکھو کے خدا کی رحمت کیسے نازل ہوتی ہے اور انقلاب کیسے آتا ہے۔

س: عمران خان کے جلسے میں آپ کی پرفارمنس بھی قابل ذکر ہیں، اور سیاست کے بارے میں آپ کا کیا خیال

ہے؟

ج: سیاست میں کوئی خاص دلچسپی نہیں نہ ہی میرا کوئی تعلق سیاست سے ہے

عمران خان صاحب کی بہت عزت کرتا ہوں اور اسی لیے اُن کے لاہور مینار پاکستان والے جلسے میں پرفام کیا۔

اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ خان صاحب بھی معاشرے میں پھیلی ہوئی کرپشن کے خلاف ہے ہیں اور

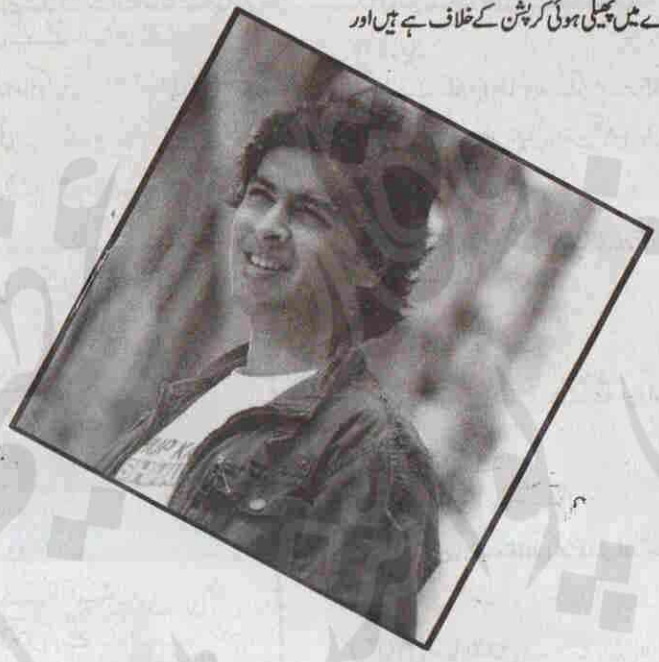

تبدیلی چاہتے ہیں۔

س: آپ کی گائیکی کی ابتداء رومانوی تھی مگر آجکل آپ کی موسیقی میں انقلابی رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔اس کی کوئی خاص وجہ؟

ج: جب میں نے باقاعدہ گلوکاری کا آغاز کیا تب میں ٹین ایجر تھا۔اُس وقت سوچ کا انداز چنچل تھا۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی سوچ میں پختگی آجاتی ہے۔

انسان اپنے ماحول کے مطابق اپنی سوچوں کو ڈھال لیتا ہے اور حقیت پسند ہو جاتا ہے جبکہ پہلے اس کی سوچ قدرے افسانوی ہوتی ہے۔اسی لیے میرے گانوں میں اب فرق محسوس ہوتا ہے۔

س: آپ کے میوزک کی طرف سے بدلتے ہوئے رُجحان کی وجہ سے کیا آپ رومانوی گائیکی ختم کر دیں گے؟

ج: (مسکراتے ہوئے) نہیں ایسا نہیں ہے۔رومانوی گائیکی ختم نہیں کی بلکہ نوجوانوں کا ایک وسیع حلقہ میرا رومانٹک میوزک پسند کرتا ہے۔

میری کوشش ہے کہ عنقریب اپنے پرستاروں کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رومانٹک موسیقی پر ایک البم ریلیز کروں۔

س: آپ کی شخصیت کا ایک اہم باب سماجی خدمات بھی ہیں ہمیں کچھ بتائیں گے زندگی ٹرسٹ کے بارے میں؟

ج: (نہایت سنجیدگی کے ساتھ) بحیثیت انسان ہمیں انسانیت کی خدمت کرنا چاہیے اور میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی تخلیق یوں ہی بے مقصد نہیں کی۔

بلکہ ہمیں انسانیت کی خدمت کو مقصد بنا کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اس کے لیے کتاب الٰہی بہترین گائیڈ ہے۔ جو قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہے اور ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کتاب الٰہی کو تھام کر اپنی ڈیوٹی پر لگ جائیں خود اللہ کے کام کریں پھر دیکھیں کے اللہ ہمارے کام کیسے آسان کرتا ہے۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب ..... ☆

خمار گندم ..... ☆

دنیا گول ہے ..... ☆

آوارہ گرد کی ڈائری ..... ☆

ابن بطوطہ کے تعاقب میں ..... ☆

چلتے ہو تو چین کو چلئے ..... ☆

نگری نگری پھرا مسافر ..... ☆

خط انشا جی کے ..... ☆

بستی کے اک کوچے میں ..... ☆

چاند نگر ..... ☆

دل وحشی ..... ☆

آپ سے کیا پردہ ..... ☆

س: زندگی ٹرسٹ کو بنانے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: بہت دل دُکھتا تھا جب باہر اردگرد کے ماحول میں چھوٹے بچوں کو مزدوری کرتے اور بھیک مانگتے دیکھتا ہوں۔ دل چاہتا تھا کہ ان کے لیے ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کروں جہاں ان کو تعلیم و تربیت کے ساتھ کچھ مالی امداد بھی ملتی رہیں۔ یہی سوچ کر سن 2002 میں زندگی ٹرسٹ کا آغاز کیا۔

زندگی ٹرسٹ کے زیر اہتمام اللہ کے کرم سے 35 یونٹس کام کر رہے ہیں۔ جہاں بچوں کو مفت تعلیمی سہولیات اور وظائف دیئے جاتے ہیں۔

جن میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد 3000 سے تجاوز کر چکی ہے۔

س: آپ کی پسندیدہ شخصیت؟

ج: میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ کی ذات پاک ہے۔

س: آپکو کھانے میں کیا پسند ہے؟

ج: سادہ غذائیں پسند کرتا ہوں جو متوزن اور صحت بخش ہوں۔

س: کیا کبھی غصہ آیا؟؟؟

ج: کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ غصہ نہ آئے ہاں اگر کبھی غصہ آ جائے تو خاموش ہو جاتا ہوں۔

س: ایک اور موسیقی کے بارے میں سوال کہ آپ کو موسیقی میں بین الاقوامی سطح پر سراہا گیا؟

ج: ہاں مجھے، ایم۔ ٹی۔ وی ایوارڈ اور پیٹریشا فیلوشپ ایوارڈ سے نوازا گیا۔

س: آپ کی سماجی خدمات پر حکومت پاکستان کی طرف سے کیا رسپانس ملا؟

ج: حکومت پاکستان کی جانب سے 2004 میں تمغہ امتیاز دیا گیا۔ اور 2006 میں ستارہ ایثار ملا۔

س: کیا یہ سچ ہے کہ تمغہ امتیاز لینے والے آپ پہلے کم سن پاکستانی ہیں؟

ج: ہاں جی یہ سچ ہے تمغہ امتیاز لینے والا پہلا کم سن پاکستانی ہونے کا اعزاز بھی میرے پاس ہے۔

س: ستارہ ایثار آپ کو کب ملا؟؟؟

ج: ستارہ ایثار مجھے 2005 میں آنے والے بدترین زلزلے سے متاثرین کی بحالی کی خدمات پر 2006 میں ملا۔

س: کچھ سوال ملکی حالات سے متعلق کہ آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

ج: ہمارا ملک جن حالات سے گزر رہا ہے وہ نہایت تشویش ناک ہیں بس پوری قوم کو باہمی اتفاق کی ضرورت ہے۔ کہ وہ ایک جھنڈے تلے اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ڈٹ جائیں انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کی پاکستان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلے اور انشاء اللہ ایسا ہوگا ضرور۔

س: پاکستانی ہونے پر کیسا محسوس ہوتا ہے؟

ج: پاکستانی ہونے پر فخر ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ پاکستان دنیا میں قابل فخر مقام حاصل کرے (آمین)

☆☆☆

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ستارہ سحر امید کا

فوزیہ غزل

چودھویں قسط کا خلاصہ

سعدیہ صبا سے شہریار کے سخت رویے کا شکوہ کرتی ہے تو صبا اسے سمجھا بجھا کر شہریار کو کچھ وقت دینے کا مشورہ دیتی ہے تاکہ وہ دونوں بہتر طور پر اپنے تعلق کو جانچ سکیں، اپنے جذبات کو جانچ سکیں۔

اریبہ پنچایت میں جاتی ہے تو بنا ثبوت کے اس کی کوئی نہیں سنتا بلکہ فریق کی حمایت کرتے ہوئے ایسے انگوٹھی بطور ضمانت رکھنے کا کہا جاتا ہے تو اریبہ کی مخدوش حالت وصدمہ کے پیش نظر جویریہ یہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کر بیٹھتی ہے۔

کیتھرین، ماریا کو لے کر شاپنگ پہ نکلتی ہے تو ماریا ایک ایک کر کے اپنی زندگی کے پوشیدہ گوشے کھول دیتی ہے۔

جبکہ سعدیہ کے بدتمیزانہ انداز رویہ سے زچ آ کر شہریار خود کو مزید ڈی گریڈ ہونے سے بچانے کے لئے گریز پا ہونے لگتا ہے اور یہ اجنبیت سعدیہ کی برتھ ڈے پہ مزید بڑھ جاتی ہے جس سے سعدیہ شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی ہے۔

جویریہ اور اریبہ آنے والے وقت سے پریشان اللہ کے حضور اپنی مصیبت و آزمائش سے نجات کی دعا کرتی ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیئے

پندرھویں قسط

کچھ ٹوٹے خواب، کچھ آنکھوں کے عذاب
کچھ درد زندگی میں، کچھ چبھن سانسوں میں
کچھ زہر لہجے میں، کچھ آگ باتوں میں
کچھ تڑپتے سسکتے لمحات
کچھ ناسازگار تبدیلیاں، کچھ ناگزیر حالات
کچھ کرب آہوں کے، کچھ ناسور یادوں کے
کچھ بیتے ہوئے گوشے ماضی کے، حال کے، مستقبل کے بھی
کچھ معاملے باقی جفا کے، وفا کے، دل کے بھی
پیروں کو پکڑتی زمیں کہیں
نظر سے لپٹتی روح یقیں کہیں
کچھ اذیت سوچوں میں، کچھ زخم ہاتھوں میں
کچھ کڑھنا دن بھر، کچھ جلنا راتوں میں
کچھ سلسلے تنہائی کے جو ختم نہیں ہوتے
کچھ فاصلے درد کے جو کم نہیں ہوتے
کیا تھے ہم، کیا بنا دیا ہم کو
زندگی بتا تو نے بھلا کیا دیا ہم کو

تشویش حد سے سوا تھی اور لمحے تھے کہ بھربھری ریت کی مانند ہاتھ سے سرکتے جا رہے تھے اس کی جلتی آنکھوں کے کنارے سرخ اور پلکیں نم تھیں، چہرے پر اس تفکر اور وحشت و جود اتنا نڈھال جیسے صف ماتم پہ بیٹھی ہو اور تھا بھی ایسا معاملہ کہ روح پر عذاب اترا ہوا تھا جاں ایسی مشکل میں کہ جیسے جسم سے ساری ہمت کسی نے پل میں نکال دی تھی کیسے قیامت خیز لمحات تھے جن کی وحشت اور تھکن مزید بڑھتی جا رہی تھی۔

''ایسا کیوں ہو رہا تھا زندگی کیوں اتنے نشتر چبھو رہی تھی اور وقت کڑا تھا تو ان کے ہی آنگن میں کیوں رک گیا تھا۔'' سوالات تھے جو سر اٹھائے کھڑے تھے اس کی ان ویران نگاہوں میں جو مسلسل دروازے پر لگی تھیں، وہ ضبط کی کوشش کر رہی تھی مگر آنسو چہرے کو مسلسل بھگو رہے تھے اور گھر میں ایسا سناٹا تھا کہ زندگی کی ہلکی سی رمق بھی ناپید لگتی تھی، اذیت سی اذیت تھی، ربیعہ نے ماں کو دباتے ہوئے اریبہ کو دیکھا جس کا چہرہ تر تھا، وہ اک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

یہ وہ بہن تھی جس نے اپنے بہن بھائی ماں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بہت خیال رکھا تھا، ان کی زندگی ان کے مستقبل کی فکر اسے ہلکان کیے رکھتی تھی اور وہ اپنے گھر کے لئے اچھے سے اچھا سوچتی تھی اور آج اس لمحے اس کے حوصلے کیسے شکستہ ہو رہے تھے۔

اس کی آنکھوں سے گرتے خاموش نمکین قطرے ربیعہ کو بے طرح ڈسٹرب کر رہے تھے وہ ماں کے اوپر کمبل اچھی طرح اوڑھاتی اریبہ کے پاس آئی تھی۔

''آپی! پلیز حوصلہ مت ہاریں، آپ تو ہمارے لئے ہمت کا نشان ہیں اگر آپ نے بھی خود کو

شکستہ سمجھ لیا تو ہمیں حوصلہ کون دے گا، صورتحال سے کون نمٹے گا۔'' اس نے عجیب نیم جاں سی کیفیت میں ربیعہ کو دیکھا تھا جو اس کی طرف تشویش سے دیکھتی اپنے ہاتھوں کی پوروں سے اس کا بھیگا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

''آپ کو پتا ہے آپ کی یہ آنکھیں کسی کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ کسی کے خواب چھپے ہیں یہاں کسی کا دل ہے ان کی قید میں اور آپ بار بار رو کر ان پر اور خود پر کتنا ظلم کر رہی ہیں اگر وہاج بھائی کو پتا چل گیا تو وہ آپ سے ناراض ہوں گے۔'' ربیعہ نے چھیڑتے ہوئے اسے بہلانے کی کوشش کی تھی مگر گرم سیال مادہ اس کی پلکوں کے بند توڑتا تیزی سے چہرے کو بھگوتا چلا گیا۔

''آپی! پلیز سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ کیوں اتنا ڈپریس ہو رہی ہیں۔''

کتنا مشکل ہوتا ہے اس وقت کسی کو حوصلہ دینا جب اپنے حوصلے پست ہو رہے ہوں۔

''ٹھیک کیا خاک ہونا ہے آج کا دن ہے ہمارے پاس صرف آج شام تک پھر سب ختم۔'' وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

''اللہ ہمارے ساتھ ہے ناں تو ہمارا کوئی برا نہیں کر سکتا۔'' ربیعہ نے تسلی دی۔

''اللہ تو سب کے ساتھ ہے مگر انسان خود بھی اپنے حالات بگاڑنے پر تلا ہو تو اللہ بھی کیا کیا سنوارے۔'' اس کا اشارہ جویریہ کا وعدہ کر لینے والی بات پر تھا جو سمجھتے ہوئے ربیعہ بولی۔

''جویریہ یقیناً بیوقوف نہیں ہے کچھ جائزہ لیا ہوگا صورتحال کا اس نے کچھ لمحے کیا ہوگا تو اتنا بڑا قدم اٹھالیا، آپ اطمینان رکھیں وہ یقیناً کچھ بندوبست کر کے آئے گی۔''

''بارہ بج رہے ہیں دوپہر کے اور وہ صبح کی نماز پڑھ کے گئی تھی کب آئے گی اور تم کیوں اسے چھوڑ کے آ گئیں ساتھ ہی لے کر آتیں اللہ جانے کیا چاند چڑھانے گئی ہے۔'' حالات کی تلخی اس کے لہجے میں سما گئی جیسے۔

''اور اتنا آسان ہی تو ہے جیسے اتنے روپے لے آنا، دس روپے تو کوئی ادھار مانگنے پر بھی نہیں دیتا، اسے کہاں سے دس ہزار روپے ملیں گے، نہ امی اس دن اپنے پاگل پن میں وہ حساب کتاب والی نوٹ بک جلاتیں نہ ہم اتنی مصیبت میں گرفتار ہوتے، پتا نہیں یہ سارے مصائب اللہ نے ہمارے لئے کیوں چن کے رکھے تھے، دکھ کا یہ سارا پنڈورا بکس ہمارے گھر میں کیوں کھلنا تھا، یہ سارے عذاب ہمارے نام کیوں منتقل ہونے تھے۔'' وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولی تو ربیعہ کی نگاہیں دھندلی ہونے لگیں، اضمحلال اور تھکن جیسے اس کے حواسوں پر بھی سوار ہو رہی تھی۔

''اپنے کس لئے ہوتے ہیں دکھ درد کا احساس بانٹنے کو، اللہ رشتے عطا کرتا ہے تو کیوں اپنائیت دینے کو مگر اس وقت ہے کوئی رشتہ میسر ہمیں، ہے کوئی اپنا ہمارے پاس، ابو زندہ تھے سب ملتے تھے، امی ٹھیک تھیں ہر کوئی آتا جاتا تھا مطلب برآوری کو، اور اب کون آتا ہے ان کی خیریت پوچھنے یا ہمیں دیکھنے، ہم کیا اسی وقت اپنی تھیں جب ہمارا گھر خوشحال تھا اب کیا ہم سے سب کے رشتے ٹوٹ گئے ہر کوئی ہم سے بیگانہ اور ہم سب کے لئے اجنبی ہیں، مصیبت کی اس گھڑی میں ہم کتنے اکیلے ہیں، کوئی ہمارا نہیں اور ہم کسی کے نہیں۔'' کتنا درد بول رہا تھا اس کے لہجے میں ربیعہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بہنے والے آنسوؤں کی رفتار میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔

''زندگی کے ماہ و سال کس طرح گزرے تھے اپنائیت، چاہت، رشتے، احساس کی ڈور میں گندھے، بے حد کومل نازک خوابوں کے رنگ چنتے بچپن سے نوجوانی تک اتنے آرام و آسائش میں پرورش ہوئی کہ ہر لمحہ زندگی عزیز لگتا تھا پھر کس کی نظر کھا گئی خوشیوں کو، کیسی آندھی اٹھی تھی جس نے لمحوں میں سب تہس نہس کر دیا تھا اور سگے رشتوں کا بدلنا، اپنائیت کا سراب ہونا کس قدر کٹھن ہوتا ہے یہ لاتعلقی و بیگانگی کا زمانہ جو خود کو بھی بے شناخت و لاتعلق بنا دیتا ہے مگر ہم یہ بھی جھیل گئے، پھر چالاکی، لالچ، خود غرضی اور بے ایمانی دینا تباہ کرنے لگی تو کیسے جھیلیں اب تو تضحیک سے سانسیں بھی اجیرن ہو رہی ہیں اب کیسے کہیں یا رب تو ہی بتا کس تو جیہہ سے دل کو بہلائیں۔'' آنسو روانی سے اریبہ کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور لہجہ ہزاروں شکووں و شکایتوں سے بھرا ہوا تھا، ربیعہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''آپی پلیز بس کریں بھلے کوئی رشتہ کوئی تعلق اس غریبی و بے کسی میں میسر نہیں ہم بہنیں تو آپس میں وابستہ ہیں ناں یہی ایک دوسری کا حوصلہ ہیں۔'' ربیعہ اس سے لپٹ کر سسک پڑی۔

''رشتے، شناخت اور تعلق جب اہمیت کھو بیٹھتے ہیں تو غم کتنے ذاتی ہو جاتے ہیں دکھ کیسے گھر کا فرد بن کر دلوں میں رہنے لگتے ہیں۔'' اس کی آواز میں ارتعاش تھا وہ دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی، ربیعہ نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا، وہ دونوں دکھ کے بھنور میں ڈوب رہی تھیں کہ گھر کا داخلی دروازہ کھلا تھا اور جویریہ بند ہوتے اندر آنے لگی، ان دونوں نے دروازہ کھلنے اور لگنے کی آواز پہ چونک کر دیکھا تھا جویریہ کے قدم تھکے تھکے اور وجود نڈھال تھا وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اندرونی رہائشی حصے کی جانب بڑھی تھی اور اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی اریبہ اور ربیعہ کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا ہوئے تھے، وہ دونوں یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

ویلنگٹن کا موسم ویسے بے حد سرد رہتا تھا، برف آلود اور گہرا ابر چھانے کے باعث اس وقت تو قلفی جم رہی تھی مگر ماریا جوزف کو جیسے موسم کی اس خنکی اور ٹھنڈک کا کوئی احساس نہ تھا، وہ کیتھرین کو کچن میں مصروف چھوڑ کر باہر آ چکی تھی جہاں بھیگی یخ بستہ ہوا کے جھونکے بوجھل سانسیں لے رہے تھے، درختوں اور پودوں کے پھولوں، پتوں پہ سنو فال کے قطرے لپٹ کر نیچے گرتے تو ماحول میں عجیب اک بھیگی بھیگی سی خوشبو بس جاتی تھی تو ٹھٹھرتی سانسیں مسکرانے لگتیں۔

''اے سٹوپڈ گرل! اتنے نمناک اور برف آلود موسم میں کیوں اپنی قلفی جمانے پر تلی ہو اندر آ جاؤ اور گرما گرم بلیک ٹی کا لطف اٹھاؤ۔'' کیتھرین نے اپنے چھوٹے سے کاٹیج کے کھلے دروازے سے اسے بلایا۔

''سردی واقعی بہت زیادہ ہے جسم سن ہو گیا ہے۔'' وہ آتشدان کے سامنے بیٹھ کر خود کو گرمی پہنچانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''ایسے میں کام پہ جانا، آنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، مگر زندہ رہنے کو سب کرنا پڑتا ہے۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں بھی کوئی کام کر لوں کوئی چھوٹی موٹی جاب۔'' ماریا نے کہا۔

''تم پہلے پوری طرح زندگی کو محسوس تو کر لو اور ویسے بھی تم کوئی بہت زیادہ عمر کی نہیں ہو گئیں، چاہو تو اپنی اسٹڈیز ریکور کر لو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر رہے گا۔''

''اسٹڈیز پیریڈ میں پھر انوالو ہونا اتنا مشکل نہیں رہا میرے لئے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔

''اتنا مشکل بھی نہیں انسان چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے اور اس کے لئے سب سے اہم بات ناکامی کے خوف سے بچنا ہے کیونکہ یہ خوف زندگی کو اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے ناکامی آ بھی جائے تو اس کا سامنا ہمیشہ حوصلہ سے کریں تاکہ مثبت رویے پروان چڑھیں اور منفی صورتحال سے نبٹنے کا موقع ملے۔'' کیتھی کا لہجہ والفاظ حوصلہ افزا تھے۔

''میرے لئے تو یہ مواقع بچپن سے ناپید تھے میں بچپن سے ایک غیر محفوظ اور غیر مستحکم زندگی گزارنے کے باعث ناکامی کے ڈپریشن میں مبتلا ہوں۔'' وہ یاسیت سے بولی۔

''کیا تم بچپن کے اس ڈپریشن کو شیئر کر سکتی ہو۔'' کیتھی نے استفسارانہ انداز میں دیکھا تو وہ اک گہرا سانس لیتی بولی۔

''بچپن کے دن خوشیوں سے بھرپور اور فکروں سے آزاد ہوتے ہیں، بچے دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد اپنی ننھی ننھی خوشیوں سے بھرپور دنیا میں مگن رہتے ہیں لیکن یہ خوشیاں ہر بچے کا مقدر نہیں ہوتیں کچھ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں جن کا بچپن بھی کھو جاتا ہے پتا نہیں بچپنے سے ہی کیسی تنہائی میرے اندر بسی تھی کہ میں چھوٹی تھی تب بھی عام بچوں سے الگ تھلگ رہتی، افسردہ چپ اور زندگی سے بیزار تم مجھے ''ڈپریسڈ چائلڈ'' کہہ سکتی ہو۔'' وہ کیتھرین کو دیکھتی ہوئی بولی پھر ایکدم سے استفسارانہ انداز میں کہا۔

''تمہاری سائنس کیا کہتی ہے کہ وہ اثرات جو بچپن میں بچے کے ذہن پر مرتب ہو جائیں ان کی نوعیت کم زیادہ ہوتی ہے دیرپا رہتی ہے۔''

''اب سے کچھ عرصہ قبل ماہرین طب یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ بچے بھی بڑوں کی مانند افسردگی یا ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں اور بچپن میں ہونے والے ڈپریشن کے بڑے ہونے پر بہت ہی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، لیکن ان کی نوعیت کا اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ معصوم بچے ڈپریشن کا شکار کیوں ہوتے ہیں؟''

''یہ میں بتاتی ہوں کیونکہ میں ڈپریشن کا وہ خیز خود پہ سہہ چکی ہوں، وہ عمر جب پرشفقت والدین اور پرسکون ماحول بچے کی شخصیت کو سنوارنے میں مدد دیتے ہیں مجھے اس عمر میں میرے والدین نے خود سے جدا کر کے ایک آیا کی سپردگی میں دے دیا، جانتی ہو میری عمر اس وقت کیا تھی صرف سات سال اور سات سال کی عمر میں محسوس ہونے والی بے توجہی نے مجھے تنہا افسردہ اور دباؤ میں رکھنا شروع کر دیا، میں اپنے ماں باپ سے ٹائم مانگا کرتی تھی ان کے ساتھ کھیلنے کو، ہنسنے بولنے کو، اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں شیئر کرنے کو، مجھے ان کے ساتھ سونا اچھا لگتا تھا مگر وہ مجھے چوبیس گھنٹوں میں صرف گھر سے نکلتے یا جاتے سے چند لمحوں کو ملا کرتے تھے اور پھر پورا وقت میں بوڑھی لیڈی ایلون کے پاس رہتی جیسے ننھی پری دیونی کے قبضے میں رہتی ہے، مجھے لیڈی ایلون اس وقت کیسی دیونی سے کم نہیں لگتی تھی کیونکہ وہ مجھے اپنے پاس رکھ کے میرے والدین سے دوری کا سبب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن جاتی۔'' اس کی آنکھیں اور لہجہ نام ہو رہا تھا بولتے ہوئے۔

''میری تعلیم، پرورش اور دیکھ بھال پر ایک خطیر رقم خرچ ہو رہی تھی اچھے مہنگے کپڑے، بہترین درسگاہیں اور صاف ستھرا ماحول مگر مجھے یہ سب نہیں چاہیے تھا مجھے اپنے والدین کا وقت چاہیے تھا جو مجھے دینے کے بجائے وہ بہت سارے روپے کمانے پر صرف کر رہے تھے جبکہ میں انہیں بتانا چاہتی تھی کہ معاشی دوڑ یا کیریئر ہی زندگی کا مقصد نہیں ہوتا اور زندگی صرف مقصد دولت کے حصول کے لئے گزارنے والی چیز نہیں بلکہ خوشیوں اور بھلائی کی تخلیق کاری کے لئے ہماری روزمرہ زندگی میں خوبصورت اور اعلیٰ مقاصد کے ساتھ گھریلو زندگی میں خوشگوار سکون و اطمینان ہونا بھی ضروری ہے، مگر ان کے پاس میرے لئے اتنا ٹائم نہ ہوتا تھا جس میں اپنے تاثرات انہیں بتاؤں اور پھر میں پیرنٹس کی شفقت و توجہ میں کمی کے باعث ڈپریسڈ رہنے لگی، اک احساس کمتری کے ساتھ پروان چڑھنے لگی، وہ کمپلیکس جو بہ ظاہر مجھے اوور کانفیڈنس ظاہر کرتا تھا مگر میرے اندر منفی نظریات کو جگہ دے رہا تھا میں جارحانہ مزاج اپنانے کے ساتھ اپنے اندر اک مسلسل اضطراب، بے چینی پاتی جو مجھے ہر سرگرمی سے بے زار رکھتا تھا، چرچ سے جانا آنا کم ہوتے ہوتے ختم ہونے لگا تعلیمی معاملات بے ترتیب ہونے لگے کیونکہ میں اب بچپن کو چھوڑ کر نوعمری کے نوخیز دور میں داخل ہو گئی تھی یہ میری عمر، نظریات محسوسات کا سب سے ہیجان خیز دور تھا اور اسی دور میں والدین کی توجہ، چاہت اور شفقت کی ہر چیز سے بڑھ کر ضرورت ہوتی ہے اور وہی مجھے میسر نہ تھی، کیونکہ مجھے اسٹڈیز کے لئے ویلنگٹن رہنا پڑا اور وہ انگلینڈ ہوتے تھے جہاں سے مجھے صرف سال میں ایک مرتبہ سالانہ چھٹیوں کے موقع پہ ملا کرتے تھے چند دن میرے ساتھ گزارتے اور اپنی جیبوں سے بھاری رقوم کا کیش تھماتے پھر اسی دنیا میں واپس لوٹ جاتے، کیونکہ ان کا وقت اور وسائل بہت قیمتی تھے، جنہیں میرے ساتھ رہ کر ضائع نہیں کر سکتے تھے اور روپے کبھی بھی چاہت و پدرانہ شفقت کا نعم البدل نہیں ہوتے، وہ تشنگی جو میں پورا سال محسوس کرتی محض سال کے ایک ہفتہ ساتھ رہنے سے بجھ نہ پاتی۔''

وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں چہرہ سرخ کیے نچلا لب دانتوں میں دبانے لگی۔

''پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب میرے چرچ سے رکنیت ختم کرنے کو بہانہ کر اپنے اپنے مفاد کی خاطر وہ Seprate ہو گئے اور سیپریشن کا فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے لمحہ بھر کو بھی میرے مستقبل میری زندگی، میرے اسٹڈیز کیریئر، میرے اخراجات کا نہ سوچا، جس بے دردی اور بے حسی سے انہوں نے مجھے اپنی زندگیوں سے بے دخل کر دیا تھا، اتنی بے دلی اور بے حسی سے تو کوئی گھر کا کوڑا کباڑ بھی نہیں پھینکتا وہ بھی لوگ اس جگہ پہ دیکھ کر پھینکتے ہیں یہاں پہلے سے گند جمع ہو، جبکہ میری زندگی میں تو سوائے ان کے کوئی رشتہ نہ تھا، کوئی بہن نے بھائی، کزنز، ددھیال ننھیال میں تو پہلے ہی درست تھی اپنائیت کے معاملے میں اور انہوں نے مجھے پیدا کرنے والے ماں باپ نے بالکل خالی کر دیا اک واحد رشتہ اکلوتا تعلق چھین کر۔'' آنسو قطرہ در قطرہ اس کی آنکھوں سے گرتے رخسار بھگونے لگے جنہیں بیدردی سے رگڑتے ہوئے خود پہ قابو پاتی وہ بولی۔

''میں ایک ان چاہی بچی تھی نا میں سو انہیں چھوڑتے ہوئے تکلیف بھی نہ ہوئی زندگی میں جیسے بہت کچھ بغیر چاہے چلا آتا ہے میں بھی چلی آئی تھی مگر یہ سب میرا قصور تو نہ تھا یہ تو مجھے پیدا

کرنے والے ماں باپ یا دنیا میں بھیجنے والے خدا کی مرضی تھی پھر دوسروں کی مرضی میرا قصور بن کر مجھے ناکام، ڈپریسڈ کیوں کرتی گئی۔'' وہ اب اور شدت سے رو رہی تھی اور اس کے سونے جیسے بال رخساروں کو چھو کر آنسوؤں سے بھیگتے چہرے پر چپک رہے تھے۔

کیتھی نے اک ہمدردانہ نگاہ اس پہ ڈالی اور اپنے شانے سے اس کا سر ٹکا کے آنسو پونچھنے لگی اور یہ ہمدردانہ لمس اس کی سمندر آنکھوں کو کچھ اور طغیانی پہ لے گیا وہ باقاعدہ ہچکیاں لے رہی تھی۔

☆☆☆

ڈھانپ لئے زرد رت نے جب شجر سارے
یاد آئے مجھے تیرے ساتھ کے منظر سارے
تڑپا پھر بے طرح سے اداس دل
اٹھتے رہے آپس میں سوچ کر پر سارے
آہٹ سے تیری شناسا نہ ہوئے رستے
وا رہا ہر دریچہ ، کھلے رہے در سارے

توجہ کے وصف کیا بدلے تھے سارے مناظر جیسے دھندلے دکھائی دے رہے تھے، وہ محبت، وہ اپنائیت، وہ توجہ، وہ دوستی سوچتی تو جیسے سارا کچھ خواب کا زمانہ لگتا اور موجودہ اجنبیت، انجانا پن، انداز بیگانگی سب سے تلخ حقیقت جس کے پردے پر کھڑا مضبوط جسامت والا وجیہہ شخص ذرا سی توجہ، معمولی التفات کسی دلی وابستگی کا ہلکا سا شائبہ تک نہ رکھتا تھا اور یہ اجنبی گریز پا انداز اپنی زندگی کے خاص دن جھیلنا بالکل آسان نہ تھا، سعیہ خان کے لئے۔

کہ شروع سے لے کر اب تک کب نظر انداز ہوئی تھی وہ اور وہ بھی شہریار سے جو اس کے بنا کسی موقع، کسی دن، کیسی سیلیبریشن کو منانا نہ تھا اسے ہمیشہ سرپرائزنگ گفٹ دیتا تھا برتھ ڈے پر۔

کتنی یادیں تھیں اس کے ساتھ برتھ ڈے کے حوالہ سے اور یہ یادیں اس کے بیڈ پر بکھری پڑی تھیں، کئی تصویریں، کتنے وش کارڈز اور کتنے خوبصورت، اچھوتے، دلربا الفاظ سے بھرے Messagis۔

''محبت بلاشبہ ناپید تھی مگر دوستی کزن شپ یہ ریلیشن تو ہے ہمارے درمیان اسی کے ناطے تم ذرا وش کر دیتے تو کیا تھا، میں کیا دو حروف کے قابل بھی نہ تھی تمہارے نزدیک کہ تم اتنے بیگانہ ہو گئے محض رشتے سے انکار کو تم نے انا کا مسئلہ بنا لیا شاید اور مجھے برتھ ڈے وش نہ کی، تم اس انداز اس تیور کے تو نہ تھے پھر.....''

دل حیران تھا دکھ سا دکھ تھا اس کے اندر، وہ بے چینی سے رات بھر چکر کاٹتی رہی تھی، اپنے کمرے میں بار بار چونک کر موبائل کو دیکھتی شاید وہ میسج کر دے، مگر وہ اپنے کمرے کی لائٹ آف کر کے آرام سے سو چکا تھا اور صبح سویرے جاگنگ ٹریک سے واپسی کے بعد اپنا ناشتہ کیے آفس چلا گیا وہ ٹیرس پہ کھڑی اسے جاتے دیکھتی رہی اپنے کمرے میں آ کر بکھری بکھری سی بیٹھ گئی اور پھر ذرا سا ہاتھ بڑھا کر گزشتہ لمحات کو سامنے بکھیر لیا خوبصورت شاعری سے مزین وش کارڈز، ہنستی مسکراتی زندگی سے بھرپور تصاویر، کیا یہ سب تمہارے دل سے محو ہو چکا ہے۔'' اس نے ایک تصویر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہنستے شہریار کو دیکھا تھا اور پلکیں خوامخواہ بھیگنے لگیں۔

کمرے کا ماحول عجیب سا ہو گیا تھا، وہ اس کی خوبصورت تصویر پر نظریں جمائے کھڑی تھی اور گھٹن سی پھیل رہی تھی اردگرد، دل میں عجب سا درد تھا کیوں، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی۔

محض اک برتھ ڈے ہی تو وش نہ کی تھی، شہریار نے پہلی دفعہ ہی تو نظر انداز کیا تھا اسے اور وہ کئی دنوں سے کر رہی تھی۔

''اسے کیا محسوس ہوا ہو گا وہ کتنا بے چین رہا ہو گا، اسے تو اپنا سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا، تو کیا یہ میرے عمل کا کوئی ردعمل تھا، کیا وہ میرے انکار کے جواب میں جوابی گریز برت رہا ہے۔''

پہلی بار اسے اپنی غلطی کچھ کچھ محسوس ہوئی، اس نے تو سوچا تھا مقابل خاصا ڈرا، سہما، احسانوں تلے دبا اک بے ہمت اور نڈھال انسان تھا، مگر نہیں وہ اسے سمجھنے کا جتنا دعویٰ کرتی تھی سب غلط تھا حقیقت تو یہ تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھی تھی اور اب یہ صورت حال جس میں وہ گرفتار تھی اس بے چینی کو وہ کیا نام دیتی جبکہ اپنے تعلق یا رشتہ کے حوالہ سے کوئی Soft cornar نہ تھا اس کے دل میں شہریار کو قبولنے کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہ تھی دل میں، نہ اس نے خود کو محبت سمجھا تھا نہ محبوب، پھر یہ سب کس لئے؟ یہ فاصلے جواب پیدا ہو رہے تھے سب دانستہ تھے پھر وہ بے سکون کیوں تھی؟

''شاید میں کبھی اس طرح نظر انداز نہیں ہوئی شہریار مجھے کبھی یوں اجنبی ہو کر ملا ہی نہیں، محبتوں، توجہ میں پلی بڑھی ہوں تو محبت و توجہ سمیٹنے کی متقاضی رہتی ہوں اسی لئے یہ ذرا سی بے التفاتی اتنا چبھ گئی ہے۔''

اس نے خود ہی توجیہہ پیش کی، مگر اس توجیہہ کو اس کے اپنے دل نے فوراً رد کر دیا تھا، سوچ انسان پر بہت سے غیر متوقع در کھول دیتی ہے اپنے غرور و من مانی میں اپنے ڈھیٹ پن سے جلتے ہوئے بہت کچھ جو نظر آتے بھی دکھائی نہیں دے رہا ہوتا وہ سب سوچ رہی تھی تو اپنا خراب رویہ بھی یاد آ رہا تھا اور خود کو قصوروار سمجھنا چاہتی تھی نہ کہلوانا، خواہ وہ اپنا دل کیوں نہ کہے اس نے دل کو آنکھیں دکھا کر بے حس بننے کی بہت کوشش کی، دماغ کو اِدھر اُدھر کی سوچوں میں الجھانا چاہا مگر ذہن تھا کہ پلٹ پلٹ کر اسی شخص کو سوچ رہا تھا جس کو اپنی سوچ کے زاویوں پر اتارنے سے بھی منکر تھی وہ۔

''کیا میں واقعی مجبوری کا رشتہ تھی جس کا وہ پاس رکھ رہا تھا، دنیا دکھاوا ہی سہی مگر اب اس کا یہ رویہ.....؟''

''یہ سرد مہر انداز اور بے اعتنائی کا خول یہ حقیقت ہے یا وہ حقیقت تھی جو پہلے نظر آتی تھی؟''

''اپنی مرضی سے زندگی گزارنا، ایسے شخص کے ساتھ جو مجبوراً احسانمند نہ ہو سر اٹھا کے مضبوطی کے ساتھ اپنے آپشنز سہ فہرست رکھے نہ کہ دوسروں کا خیال کرتے کرتے خود اپنی پرواہ سے بھی بے خبر رہے، صرف اتنا چاہا تھا میں نے اور یہ تو ہر انسان کا حق ہے کہ شریک سفر کے متعلق اپنے تحفظات رکھے پھر میں اتنا غلط کہاں تھی جو تم یوں چڑ رہے ہو گریز برت کے دکھ دے رہے ہو

کیوں؟ شہریار تم مجھ پر تجربات کرنے لگے ہو شاید مگر میں خود کو تمہاری تجربہ گاہ بننے نہیں دوں گی، مجھے یہ امتحان قبول نہیں۔'' خود کو مضبوط بنانے کے باوجود اس کا اندر مضبوط نہیں ہو رہا تھا، وہ بہت تھکے ماندے انداز میں تصویر رکھتے ہوئے اٹھی تو دروازہ ناک ہوا۔

''سعدیہ بی بی! آپ کو بڑی بیگم یاد فرما رہی ہیں ڈائننگ ٹیبل پر۔'' ملازمہ نے کہا تو وہ اسے آنے کا کہہ کر تیزی سے سب کچھ سمیٹتی دراز میں رکھنے لگی، سعدیہ ڈائننگ ٹیبل کے آگے کرسی گھسیٹتی ہوئی بیٹھی تو شائستہ نے کہا۔

''سونو بیٹی آج ذرا آفس آنا وہاں سے بوتیک چلیں گے اور تم اچھا قیمتی سا ڈریس میچنگ جیولری، جوتی وغیرہ لے لینا شام کو تمہاری برتھ ڈے پارٹی کا ارینجمنٹ ہے نا ہوٹل میں اور تم سے کہا تھا اپنی فرینڈز کو انوائیٹ کر لینا۔''

''اتنے شوشا کی کیا ضرورت ہے مما، آپ نے وش کیا گفٹ دیا سب ہو گیا اب وہاں کیا کرنا ہے۔'' وہ کچھ آہستگی سے بولی۔

''یہ شوشا ہی تو ہماری کلاس کا سٹائل ہے ان فیکٹ کچھ بزنس سے ریلیٹڈ لوگ بلانے ہیں نئی ڈیلنگز کرنا ہیں سب اسی پارٹی میں نپٹ جائے گا اینی ویز تم آفس آنا اور اپنی ڈریسنگ وغیرہ کمپلیٹ کر لینا۔'' شائستہ نے کہا۔

''مما اتنے نئے سوٹ پہلے پڑے ہیں جو میں نے ایک بار بھی نہیں پہنے انہی میں سے کسی سے کام چلا لوں گی۔''

''کم آن سعدیہ کتنی دفعہ کہا ہے تم سے یہ مڈل کلاس عورتوں والی باتیں مت کیا کرو، ہمارے پاس کیا کمی ہے ایک سوٹ نیا لینا ہے تمہیں۔''

''مما! حدیث نبویؐ ہے کہ دنیا میں اسی قدر ساز و سامان جمع کرو جس کی تمہیں روزمرہ ضرورت ہے فالتو کپڑے، بستر، جگہ سامان اصراف اور وہاں ہے اور آخرت میں اس کا حساب دینا پڑے گا۔''

''شٹ اپ سعدیہ میں تم سے کوئی اسلامی درس سننے نہیں بیٹھی، جس قدر تم سے کہا گیا ہے بس اتنا کرو۔'' شائستہ ایکدم سے سخت ہو کر بولیں تو سعدیہ آف موڈ لئے چہرہ جھکا گئی۔

☆☆☆

جویریہ نے برآمدے کا جالی دار دروازہ کھولا اور سامنے کمرے میں چلی آئی یہاں ربیعہ اور اریبہ صوفے پر بیٹھی ہوئی اسی کو دیکھ رہی تھیں بہت سی الجھنوں کے سائے چہرے پر لئے، اس نے چادر اٹھا کر ایک بھاری شاپنگ بیگ نیچے رکھا اور بولی۔

''ربیعہ اس میں کچھ ضروری سودا سلف ہے گھر کا اسے رکھو اور ایک لفافے میں روٹیاں، پکوڑے چٹنی ہے، وہ پلیٹوں میں نکال لاؤ، دودھ کا ڈبہ ہے تھوڑی چائے بھی بنا لو سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' ربیعہ اور اریبہ نے اس کی بات پر ایک دوسری کو دیکھا اور اک عجب بے نام سی کیفیت نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔

''کہاں سے آ رہی تھی وہ، کیا کر کے آ رہی تھی اور کیسے یہ سب لے آئی تھی جبکہ گھر سے نکلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس کے پاس ایک روپیہ تک نہ تھا پھر.....؟''

''ربیعہ جلدی کرو بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' جویریہ نے منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے آواز لگائی، تو ربیعہ اٹھ کر پلیٹیں نکالنے لگی۔

''امی ابھی تک سوئی ہیں انہیں اٹھانا تھا اور یہ شہباز کدھر ہے؟'' جویریہ نے گھر پہ چھایا سناٹا محسوس کیا۔

''امی کو اٹھا کے سنبھالتا، بہلاتا کون، اتنا تنگ کرتی ہیں اور شہباز تو اب سارا دن غائب رہتا ہے جانے کہاں پھرتا رہتا ہے۔'' ربیعہ بولتے ہوئے پلیٹوں میں پکوڑے چٹنی رکھنے کے ساتھ روٹیاں بھی نکال رہی تھی پھر برنر کھولتے ہوئے ماچس جلائی اور دودھ میں تھوڑا سا پانی مکس کر کے پتیلی اوپر رکھ دی۔

''تم چینی پتی ڈال دو ہلکی آنچ پہ پک جائے گی اور آؤ کھانا کھالو، آپی آپ بھی آجائیں۔'' اس نے خاموش بیٹھی اریبہ کو مخاطب کیا، جس کا چہرہ الجھنوں میں گھرا تھا اور پریشانیوں کے سائے لئے ویران آنکھیں، وہ جویریہ سے جو پوچھنا چاہ رہی تھی پوچھ نہیں پا رہی تھی اور جویریہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی اسی لئے گہرا سانس لیتی بولی۔

''آپ فکر مت کریں میری زندگی میں صالح ماں باپ کا خون ڈور رہا ہے میں کوئی برا کام کر کے نہیں آئی یہ حق حلال کی محنت سے لائی ہوں البتہ اس محنت کی تفصیل کھانے کے بعد بتاؤنگی۔'' اس کی آواز قدرے بھرائی لگی اریبہ کو تاہم وہ اس پر یقین کر گئی کیونکہ اسے معلوم تھا جویریہ جھوٹ نہیں بولتی۔

وہ تینوں مکمل طور پر کھانے میں مگن تھیں، پیٹ کا دوزخ بہت دنوں بعد بھر رہا تھا ایندھن سے پھر چائے پی چکنے کے بعد جویریہ، اریبہ کی سمت متوجہ ہوی جانتی تھی کہ اس کے اور ربیعہ کے ذہن میں بہت سے سوالات اٹھ رہے ہیں سو تسلی تو کرانا تھی۔

''میں دوسری کالونی تک گئی تھی وہاں ایک بنگلے میں کام ملا ہے مہینے کا تین ہزار طے ہوا ہے اور میں نے ہزار ایڈوانس لے کر تھوڑا گھر کا سامان لیا ہے۔''

''کام کیا ہے جو کرنا ہے۔'' اریبہ مشکل بول پائی۔

''جھاڑو، پونچھا، صفائی ستھرائی اور دھلائی صبح آٹھ بجے سے دوپہر دو بجے تک ڈیوٹی۔'' جویریہ نظریں چرائے بولی، اریبہ ایکدم سے سکتے میں آگئی تھی۔

''یہ ماسیوں والا کام کرو گی دوسروں کا گند صاف کرنا، کیوں حامی بھری تم نے اس کام کی بنا پوچھے، بتاتے۔'' اریبہ لہجے میں طیش اور کچھ بے بسی کا انداز لئے بولی۔

''اپنے گھر اور دوسرے گھر میں فرق ہوتا ہے اپنا کام ذلت نہیں دیتا، دوسرے کا کام ذلالت وکمینگی کے ساتھ نوکرانی کا لقب دیتا ہے، نیچ بنا دیتا اور پھر تم تمہاری عمر کیا ہے پڑھ رہی ہو کیوں خود کو برباد کرنے کا ارادہ ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''برباد تو ہو رہے ہیں، بھوکے مرنے سے بہتر ہے یہ کام کم از کم ہاتھ تو نہیں پھیلانا پڑے گا، کسی کی آس تو نہیں رہے گی۔'' جویریہ زیادہ تلخ ہوئی۔

''تم ہر کام اپنے ذہن کے مطابق نہ کیا کرو، پہلے سے زیادہ مشکل میں پڑ جاتی ہو جیسے اس دن بنا پوچھے بنا سوچے سمجھے دس ہزار کا وعدہ کر لیا اور آج وعدہ پورا کرنا ہے تو آ کر یہ کام کا مژدہ سنا رہی ہو، ان کے دس ہزار کا کیا کرو گی۔'' ربیعہ نے کہا۔

''یہ کام بھی ہو جائے گا، شام کو دینے ہیں ناں روپے تو بس شام کو بس دے دونگی۔'' وہ بہت پرسکون انداز میں بولی۔

''مگر کہاں سے اور کیسے، کچھ پتا تو چلے ہمیں بھی تم کیا معرکہ مار کے آئی ہو ان روپوں کے سلسلے میں۔'' اریبہ نے چڑ کر کہا تھا، اس کے افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے جویریہ نے اک طویل سانس لی تھی۔

''میں اپنی حد تک جو کر سکتی تھی اس گھر کو، آپ کی عزت کو بچانے کے لئے کر آئی ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر اٹھی تھی چند قدم چلی اور پھر دوسری طرف چہرے کا رخ کیے بولی۔

''اپنے سونے کے ٹاپس میں نے فروخت کر دیے ہیں۔'' اس کی بات اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ دونوں سناٹے کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں، کتنی دیر بعد حواس سنبھلے تو اریبہ اسے جھنجھوڑتی ہوئی پورے غصے اور جھنجھلاہٹ میں بولی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا، جبکہ تمہیں معلوم تھا وہ ٹاپس ابو نے کتنے چاؤ سے تمہارے لئے میٹرک میں اے ون گریڈ لانے پر بنوا کر دیے تھے، ان کے سوا تمہارے پاس اور تھا ہی کیا اور تم وہ بھی بیچ آئیں۔''

''ریبا آپی میں بھی بہت ایموشنل ہوئی تھی یہ سب یاد کرتے سوچتے ہوئے مگر جس مقام پہ وقت نے ہمیں لا کھڑا کیا تھا وہاں میرے پاس دو ہی آپشن تھے یا تو میں مرے ہوئے لوگوں کے چاؤ سنبھالے رکھوں یا زندہ لوگوں کو پریشانیوں، شرمندگیوں کے طوفان میں مرتے دیکھوں اور اس میں، میں نے وہی راستہ چنا جو بہتر تھا اس گھر کے لئے، کیونکہ آپ کی طرح میں بھی اپنے گھر کی فکروں، پریشانیوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتی تھی۔'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا آرزدہ تھا اریبہ پلکیں جھپکے بنا اسے دیکھتی رہ گئی۔

''کل کتنے میں بکے وہ ٹاپس۔'' ربیعہ نے پوچھا۔

''پندرہ ہزار سے کچھ روپے اوپر ہیں۔'' وہ تھکے ہارے انداز میں بولی۔

''یہ سب ماحول، یہ حالات بدلنا اس کے اختیار میں نہ تھا وہ اپنے حالات ومقدر سے شاکی ذہنی وروحانی طور پر تکلیف اٹھا رہی تھی مگر تکلیف کسی خون آشام درندے کے مانند ان کی گردنوں میں پنجے گاڑے آہستہ آہستہ خون پی رہی تھی، وہ پورے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے اس گھر کا اچھا سوچتی تھی مگر برے سے برا ہوتا تھا اور ایسا ہمیشہ ان کے ساتھ ہی کیوں ہوتا تھا؟'' اس کی ساکت آنکھوں میں آہستگی سے پانی جمع ہو رہا تھا جویریہ نے اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کی محسوسات میں سمجھتی ہوں آپ کی سوچ اور چاہت غلط تھی نہ میرا یہ قدم، اہم حقیقت تو وہ مصیبت ہے جس سے آج ہر صورت نکلنا تھا اور اگر میں یہ نہ کرتی تو کہاں سے دیتے روپے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کون ہماری بے بسی و ذلالت کا بوجھ اٹھاتا۔'' آخر میں اس کی آواز بھرا کے کانپ گئی۔
اریبہ نے بے ساختہ اسے گلے سے لگالیا اور دونوں دکھ کے احساس میں ڈوبی رونے لگیں۔

سلسلہ در سلسلہ عذابوں کا موسم
سانس سانس پہ قائم عتابوں کا موسم
درد بیٹھ گیا ہے رگوں میں مار کے کنڈلی
ٹھہر گیا ہے جاں میں یادوں کا موسم
روح ہے کہ دشت میں بھٹکائے پھرتی ہے
جو بن دکھا رہا ہے سرابوں کا موسم
اب الفاظ کھل کر برسنے لگے ہیں دماغ پر
دل سمجھ نہیں پاتا تھا کتابوں کا موسم
ذات ہے اسیر ، زندگانی ہے امتحاں
پیش در پیش ہے حسابوں کا موسم
سر بازار ہنس رہا ہے دل غزل
پس چشم رو رہا ہے خوابوں کا موسم

☆☆☆

وہ گھر سے کام کے لئے نکل تو پڑی تھی مگر دل جیسے عجیب قسم کے وسوسوں سے بھرا پڑا تھا، بچپن سے جوانی، ماضی سے حال، ہوش سے لے کر بے حواسی تک کا سفر ماریا جوزف نے جس اضطراری انداز بے چین لب و لہجہ اور پریشان کیفیت میں کیا تھا اور بعد میں جو سناٹا و وحشت اس پہ طاری ہوئی تھی اس نے کیتھرین کو اچھا خاصا تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اگر اس کا ہاسپٹل پہنچنا ضروری نہ ہوتا وہ کبھی گھر سے نہ نکلتی اور آ کر بھی اس کا دل مسلسل خطرے کا سگنل دے رہا تھا، جیسے کچھ حادثہ ہونے کو تھا۔

''میری ہمدردی اور خیر خواہی کے باوجود کسی پریشان تھی وہ، اب جانے کس حال میں ہوگی وہ معصوم، ناراض، لڑکی، محبت، نفرت، رشک اور حسد کے جذبات ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہوتے ہیں یہ تمام جذبات ہی مل کر انسانی رویوں کی تعمیر کو ممکن بناتے ہیں، رویے کی بنیاد پر انسانی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے یہ انسان کی پہچان کا ذریعہ بن جاتے ہیں، ان بنیادی رویوں کی تعمیر میں جہاں والدین کا کردار نمایاں ہوتا ہے وہیں دوست احباب، رشتہ دار اور ماحول کا اثر بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے، لیکن اس کا ہر خانہ زندگی ہر تعلق ہر فرد کا رویہ مختلف ہے، اسے والدین کے ساتھ زندگی کے عام انسانی رویے بھی ترش ہو کر ملے جو اس کے اپنے احساسات کو اذیت دیتے رہے اور ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ ہر شخص کے رویے کا دارومدار ان احساسات پر ہوتا ہے جو وہ اپنے لئے رکھتا ہے اور احساسات کے پس منظر میں بہت سی باتیں کارفرما ہوتی ہیں، مثلاً وارثتی خصوصیات، طرز زندگی، ماحول وغیرہ، بعض لوگوں کا رویہ یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں سے متعلق اپنی رائے کا سفاکانہ اظہار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا خیال سو فیصد درست ہے اور یہی رویہ اگلے بندے

کی اصلاح کے امکانات کو مسدود کر دیتا ہے اور اکتاہٹ، ناراضگی، بد دلی، غصہ در غصہ جیسی علامات اس کے چہرے سے ہی نہیں رویے سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہیں، انہی ملی جلی کیفیات کے زیر اثر اس نے پہلے کئی بار خود کو نقصان پہنچانے یا دوسروں کو آزار دینے کی کوشش کی، کہیں اب بھی، اس بار بھی کچھ ہو نہ جائے۔'' کیتھرین ڈیوڈ کی سوچوں میں یہ آخری خیال ایسا تھا کہ وہ اضطراری انداز میں اٹھی اور چھتری لے کر گھر واپسی کے راستے پر چل دی۔

وہ بیرونی لاک کھولتے ہوئے اندر آئی تو پورا گھر اندھیرے اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا، جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہ تھا نہ زندگی کی کوئی رمق تھی، اسے عجیب گھبراہٹ سی ہوئی تھی یقیناً کچھ غلط تھا۔

''ہیلو ماریا کہاں ہو تم؟'' سارے گھر کی لائٹس آن کرتی وہ اسے آوازیں دیتی جا رہی تھی، مگر وہاں مکمل خاموشی تھی، کیتھرین عجیب دیوانے پن کا شکار ہو رہی تھی اس نے تیزی سے ڈاکٹر جان پیٹر اور پولیس آفیسر کو کال کی ان کے آنے تک وہ اپنے کاٹیج کے باہر کھڑی رہی، سیاہ جیپ کی ہیڈ لائٹس دیکھتے ہی وہ بھاگ کر ان کے پاس گئی۔

''میں پورا گھر چھان چکی ہوں وہ کہیں نہیں جانے کہاں گئی حالانکہ دروازہ لاکڈ تھا۔''

''تم پریشان مت ہو، ہم دیکھتے ہیں۔'' وہ اسے تسلی دے کر آگے آ گئے تھے، ان کے قدم تیزی سے گھر کے ایک ایک کونے کی طرف بڑھ رہے تھے کیتھرین ان کے ہمراہ تھی ڈاکٹر جان پیٹر باتھ روم کا ادھ کھلا دروازہ دیکھ کر بڑھا تو لائٹ آف تھی پولیس آفیسر نے لائیٹ آن کی اور دروازہ کھلا تو وہ دونوں یکدم ساکت رہ گئے ان کو اس طرح ساکت دیکھ کر کیتھرین نے بے چینی اور اضطرابی کیفیت میں ان کے تعاقب میں جھانکا تو وہ بھی پتھر بن گئی تھی اندر دکھائی دیا جانے والا منظر اتنا ہی وحشت ناک تھا جو جسم کو بے روح سا کر گیا۔

ماریا جوزف باتھ روم کے وسط میں ماربل کے فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی فرش اس کی ٹانگوں اور کلائیوں سے بہنے والے خون سے تر بتر تھا ڈاکٹر جان پیٹر اور پولیس آفیسر آہستگی سے آگے بڑھے اور اس کی نبض ٹٹولی پھر گھٹنے کو ذرا سا جھکا کر سانس کی رفتار کا اندازہ کرنا چاہا، وہ سرد و سن تھی نہ آہ نہ درد نہ سسکی نہ سانس کا احساس جیسے سب حسیات زندگی کے احساس سے خالی تھیں، ان کے چہرے پر بڑا متاسف اور عجیب سا تاثر آ گیا جو کیتھرین کو ہلا کر رکھ گیا، وہ اب ایمبولینس بلا رہے تھے۔

''انسان تو کچھ دن جانور رکھ لے گھر میں اس سے بھی انسیت ہو جاتی ہے، وہ تو پھر انسان تھی اور دو ماہ سے اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہ رہی تھی پھر حرکات و سکنات آواز و عمل رکھنے والا جیتا جاگتا وجود تھی اس کا نقصان وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی، کیتھرین تھکے، نڈھال نیم جاں انداز میں چلتی ہوئی اس کے ساکت وجود کے پاس آئی، اس کے سلکی گولڈن تراشیدہ بال ماتھے سے ہٹاتے ہوئے خوبصورت نقوش سے مزین چہرے کو چھوا تھا، تو زندگی کی ہر رمق سے جیسے خالی تھا اس کا سفید چہرہ ٹھنڈا وجود، کیا وہ مر چکی تھی؟'' کیتھرین کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''کیوں کیا تم نے ایسا میں تو تم سے بہت مخلص تھی، تم میرے خلوص کو تو آزماتیں ذرا حوصلہ،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑا وقت تو لیتیں اتنی جلدی۔'' وہ شکستہ لہجہ میں بولتی اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھی اس کی ناک اس کے ہونٹ چھوتے ہوئے جیسے اک آہٹ کا احساس ہوا تھا زندگی کی آہٹ کیتھرین بے طرح چونک کر اس کی ناک سے کان لگانے لگی پھر دل پہ ہاتھ رکھا کان رکھ کر دھڑکن کا اندازہ کرنا چاہا بے حد مدھم بہت شکستہ رفتار میں وہ سانس لے رہی تھی مگر سانس کچھ ٹوٹ ٹوٹ کر آ رہے تھے، ایک جانکنی کے عالم میں۔

''ڈاکٹر جان یہ زندہ ہے ابھی سانسیں لے رہی ہے، اسے بچالو پلیز یہ بچ جائے گی پلیز اسے بچالیں Dont wesat the time'' وہ چیختی ہوئے پلٹی تو انہوں نے پھر چیک کیا آگے بڑھ کر کیتھرین کا اندازہ درست تھا وہ واقعی زندہ تھی اس کی ڈوبتی ابھرتی سانسیں زندگی کی نوید تھیں، انہوں نے کوئی بھی لمحہ ضائع کیے بغیر تیزی سے اسے اٹھا کر ایمبولینس پہ ڈالا اور بے حد رش انداز سے گاڑی چلاتے ہوئے ہاسپٹل لے آئے۔

اسپیشل ڈاکٹرز ڈیوٹی پر موجود تھے ماریا جوزف کو فوری طور پر آئی سی یو میں پہنچا دیا گیا، خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اسے خون کی اشد ضرورت تھی، جو کسی تاخیر کے بغیر ہاسپٹل سے ہی فوراً مل گیا اور خون لگنے کے ساتھ اسے مصنوعی طریقہ سے سانس بھی دی جا رہی تھی پھر بھی اس کی سانسیں بار بار ڈوب رہی تھیں اور ڈاکٹرز سر توڑ کوششیں کر رہے تھے اسے زندگی کی طرف واپس لانے کے لئے۔

''کیوں کیا اس نے ایسا، کتنا سمجھایا تھا میں نے، کتنا دماغ کھپایا تھا پھر اس نے زندگی کو اتنی ارزاں کیسے سمجھ لیا۔'' کیتھرین نے سسکاری سی بھری تو ڈاکٹر جان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی۔

''Dont werri she will be serwive'' کیتھی ڈپریشن کا مریض ہمیشہ رویے میں ناہمواری رکھتا ہے اور کبھی تعمیری کام کے لئے نہیں سوچتا، اگر یہ نوبت بڑھتی جائے تو یہی طرز عمل خودکشی تک لے جاتا ہے۔''

''وہ بھی ایسی ہی تھی شروع سے ہر وقت پریشان اور فکر مند رہنے والی، ایک ڈپریسڈ چائلڈ اسی لئے ایک کام کو شروع کیا پھر اسے نامکمل چھوڑ کر دوسرا شروع کر دیا، یہی کچھ وہ مذاہب کے معاملہ میں بھی کرتی رہی، سوچ میں ناپختگی اور ناہمواری طویل ہوتی یہاں تک آ گئی کہ جب دوسروں کو کام کرتے دیکھتی تو خود کو بے کار سمجھتی اور دوسروں کو اپنے سے بہتر رویے بہتر زندگی میں دیکھتی تو اپنے محرومیاں، ناکامیاں یاد آتیں اس کی عزت نفس مجروح ہوتی، وہ یہ سوچتی کہ کیا فائدہ ایسی زندگی کا جس کا کوئی مقصد نہیں اسے غصہ آتا، وہ روتی، مایوسی، ناامیدی کے ساتھ ہر چیز کا تاریک پہلو دیکھتی تو اپنے آپ کو بے کار سمجھنے کے ساتھ جرم کا احساس بھی ہوتا پھر موت خودکشی اسے ہر ڈپریشن سے نجات کا ذریعہ لگتی، اب بھی اس نے اپنے ماضی کو یاد کر کے یہی سوچا ہوگا کہ مرنا ہی ہر روگ کا مٹ جانا ہے۔'' کیتھرین سرخ آنکھوں سے آنسو پونچھتی پلٹی اور گلاس ڈور کے پار نظر آتے منظر کو دیکھنے لگی، جہاں ماریا جوزف موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی تجربہ کار ڈاکٹرز اس پر جھکے ہوئے تھے، سامنے سکرین پر نظر آتی ریکوری کی ریڈ لائن ٹوٹ کر چھوٹی ہو رہی تھی، اس

کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

''کیا وہ زندگی کی طرف واپس آئے گی؟ کیا وہ سروائیو کر جائے گی؟ کیا لکھا ہے اس کے نصیب میں؟ ڈاکٹرز کی کوششیں کامیاب ہو جائیں گی؟ کیا میری دعائیں کام آ جائیں گی؟''

ماریا کے شیشے کے پار سے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نمکین آنسو بہتے جا رہے تھے دل میں درد سا تھا اور ڈاکٹر جان پیٹرا سے تسلی دینا چاہتا تھا مگر دے نہ پا رہا تھا، ایک بالکل غیر اجنبی اور پاگل لڑکی کے لئے کیتھرین ڈیوڈ کا اتنا ایموشنل اور دکھی ہونا اسے بہت حیران بھی کر رہا تھا اور متاثر بھی وہ بھی اس کے لئے بے لوث جذبہ خلوص کا قائل ہو گیا تھا۔

کیتھرین بہت تشویش اور پریشانی لئے ذرا سا آگے بڑھی کیونکہ نظر آتا منظر اسے دہلا رہا تھا ڈاکٹرز ابھی تک اس پر جھکے ہوئے تھے شاید اس کی سانس رک چکی تھی اور ریڈ لائن بھی ٹھہری ہوئی تھی۔

''کیا میری دعاؤں ڈاکٹرز کی کوششیں کے باوجود وہ.....؟'' کیتھرین کا ذہن ماؤف سا ہونے لگا وہ جیسے پتھرا گئی اس نے آنکھیں بند کر لیں وہ اسے مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی، بس آنسوؤں کی قطاریں چہرے کو بھگوتی جا رہی تھیں۔

زندگی کی دعائیں نہیں دیجئے
ضد نہیں کیجئے، ڈوبنے دیجئے
اپنی تشنہ لبی کا تقاضا تھا یہ
پانیوں کے سفر پہ چلیں جس گھڑی
ساحلوں پہ کوئی بھی ہمارا نہ ہو
اجنبی دیس کے، ملگجی شام کے
آسمانوں پہ کوئی ستارا نہ ہو
آخری دم تک کتنی عمر کو
بادبانوں کا کوئی سہارا نہ ہو
اب ہمارا تعاقب نہیں کیجئے

☆☆☆

سیاہ رنگ کے کام دار فراک کے ساتھ سفید پرل کا خوبصورت جیولری سیٹ پہنے جدید اسٹائل میں کٹے خوبصورت سیاہ بالوں کے بیچ چمکتا چاند چہرا، بلاشبہ سنعیہ خان اپنی جاذبیت، دلکشی اور خوبصورتی کے ساتھ پورے ماحول پہ چھائی ہوئی تھی ہر آنکھ کو متاثر کر رہی تھی ہر دل میں اتر رہی تھی کتنے تھے جو اسے رشک و حسد سے دیکھ رہے تھے کچھ سراہ رہے تھے اور کچھ بس بہت حسن میں دیکھے جا رہے تھے۔

مگر وہ ایک شخص جس کے ایک حرف ستائش ایک تحسین بھری نگاہ کی اسے تمنا تھی وہ کتنا اجنبی تھا، اس وقت سنعیہ خان کے لئے مگر دوسروں کے لئے نہیں باقی ہر اک کو بڑی خندہ پیشانی سے مل رہا تھا، لبوں پہ بہت شگفتہ مسکراہٹ سجائے جیسے آج کے دن روئے زمین پر اس سے زیادہ خوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اخلاق بندہ تھا ہی نہیں۔

کتنا خوش تھے مما پاپا اس کے اسموتھ اور سیف سٹائل سے، ہر دیکھنے والی نگاہ اسے ستائش سے دیکھ رہی تھی، اداس تھی تو وہ جس کا دل چاہ رہا تھا اس سارے ہنگامے کو چھوڑ چھاڑ کہیں دور بھاگ جائے، اس کی آنکھوں میں نمی سی چھلکی تھی جیسے پیچھے دھکیلتی وہ سامنے سے آتی صبا اور نزہت آنٹی کو ریسیو کرنے لگی۔

"واؤ آج تو بہت پیاری لگ رہی ہو اللہ نظر بد سے بچائے۔" نزہت نے اسے شفیق انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کے رہ گئی۔

"Hello happy birthday۔" صبا اسے گفٹ پکڑا کے اپنے گلے سے لگاتی رخسار پہ بوسہ دیتی بولی۔

"Thanks بہت لیٹ آئی ہو تم پتا ہے تمہارے انتظار میں کیک کٹنے سے پڑا ہے۔" وہ شکوے بھرے انداز میں بولی۔

"یار لاہور کی ٹریفک کا تو تمہیں علم ہے پھر چیف گیسٹ تو تھے میرے خیال میں یہاں، کیک ان کی موجودگی میں کاٹا جانا اہم تھا۔" صبا شہریار کو آتے دیکھ کر بولی، شہریار کے ہونٹوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ چھلکی تھی۔

"کس بارے میں بات کر رہی ہو؟"

"اسی کے بارے میں جس کے ڈر سے آپ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔" صبا نے شرارتی انداز میں بات کرتے ہوئے سعیہ کو دانستہ شامل صورتحال کیا اور اس کا یہ انداز شہریار کو محظوظ کر گیا۔

"تمہارا خیال غلط ہے میں میدان چھوڑنے والوں میں سے نہیں بلکہ آخری سانس تک لڑنے والوں میں سے ہوں۔" در پردہ وہ سعیہ کو سنا گیا۔

"یہ ٹھیک ہے انسان آخری لمحے تک پرعزم رہے تو منزل مل ہی جاتی ہے، ویسے یہ تو بتاؤ سعیہ تمہیں کیا گفٹ دیا ہے انہوں نے۔" وہ بات کرتے ہوئے خاموش کھڑی سعیہ کی طرف متوجہ ہوئی، تو اس کا جگمگاتا چہرہ جیسے بجھ سا گیا تھا، اس کے چہرے پر یاسیت کے کئی رنگ چھلکے تھے، شہریار کی نگاہوں نے اس کے ملکوتی حسن رکھنے والے چہرے کو چھوا تھا وہ بے چینی و اضطراب کا شکار لگی تھی، وہ خود ہی بول اٹھا۔

"جو دلوں میں رہتے ہوں جن کے نام سب کچھ ہوا نہیں ظاہری دکھاووں یا چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"واؤ گڈ لک سعیہ، میں تم سے جیلس ہو رہی ہوں۔" صبا مسکرائی اور سعیہ کے چہرے کو جیسے نارسائی کے کرب نے ہلکے سے چھوا تھا، وہ اوپری دل سے بھی نہ مسکرا سکی تھی۔

"سونو، صبا، شہری، آؤ بچو اب کیک کٹ جائے تو مہمان اپنی گھڑیاں دیکھنا شروع ہو گئے ہیں۔" شائستہ نے انہیں کہا تو وہ ہال کے وسط میں رکھے بڑے خوبصورت سجاوٹ والے پانچ منزلہ کیک کی جانب بڑھے، سعیہ نے چمکتی چھری پکڑتے ہوئے لمحہ بھر کو اپنے ساتھ کھڑے شہریار

کی طرف دیکھا جواب سے پہلے ہر برتھ ڈے کیک اس کا ہاتھ پکڑ کر کٹوایا کرتا تھا اور اس وقت دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے آرام سے کھڑا تھا، سعیہ نے نم ہوتی پلکوں کو جھپکتے ہوئے چھری کیک پہ چلا دی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سعیہ۔" سب تالیاں بجانے کورس کے انداز میں گاتے اسے وش کر رہے تھے اور وہ اب بھی لب بھینچے کھڑا تھا، جیسے سرے سے یہاں موجود ہی نہ تھا۔

پھر یہ رویہ، کیسا تھا انجانا، بھید بھرا، نہ شکوہ، نہ شکایت، نہ دکاوئے کی خفگی، نہ کھلی ناراضگی، ایسے ہلکی آنچ دیتے تیور، راکھ کے نیچے دبی چنگاری جیسے انداز، اس سے تعلق توڑنے کی کوشش کے باوجود، اس سے رشتہ نہ چاہنے کی خواہش کے ہوتے ہوئے بھی یہ کیسی افراتفری تھی روح کے اندر اک عجب شوریدہ سری اور اضطرابی و بے چینی۔

اک انوکھا اور نرم گداز شہریار کے لئے اس کی سوچ اور دل میں اتر رہا تھا جس سے وہ خود بھی بے خبر تھی۔

اس کی برتھ ڈے پارٹی کب شروع کب ختم ہوئی، وہ جیسے سارے منظر سے اک غائب دالدماغی کے عالم میں گزری تھی ہوٹل سے گھر آنے تک اک بے کیف کیفیت میں قید اپنے کمرے میں پہنچی تو سامنے بیڈ پر بہت خوبصورت گلاب کے پھولوں سے مہکتا بوکے جس کے عین درمیان میں نرگس کا پیلا پھول عجیب سا لگ رہا تھا ساتھ ایک گفٹ پیک تھا۔

"رحمت..... رحمت یہ کہاں سے آیا؟" اس نے ملازم کو پکارا تھا۔

"بی بی جی! یہ کوریئر سروس کا نمائندہ دے کر گیا تھا، آپ گھر نہیں تھیں تو ہم نے آپ کے کمرے میں رکھوا دیا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ اسے بھیج کر کچھ دیر بالکل خاموش کھڑی رہی پھر بیڈ پر بیٹھ کر دھیرے سے بوکے اٹھایا پیلے نرگسی پھول کے ساتھ ایک چھوٹا سا کارڈ برتھ ڈے وشز کے کمپیوٹرائز الفاظ سے سجا کارنر میں نام نہ پتہ بس اک شعر تحریر تھا۔

کہہ دو کہ تمہارے جیون میں میں آئندہ کا قصہ ہوں
کہہ دو کہ تمہاری دنیا کا میں بھی چھوٹا سا حصہ ہوں

سعیہ نے لرزتے ہاتھوں سے گفٹ پیک کھولنا شروع کیا تو بہت خوبصورت مخملی کیس میں انتہائی بیش قیمت ڈائمنڈ رنگ جس کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی اس نے تحیر و استعجاب میں گھرتے ہوئے رنگ کو ہلکے سے پکڑا تو وہ پارے کی مانند ڈھے کر بکھری اور کئی اونچی ہنسی کی آوازیں کیس سے ٹکرائیں یہ ایک آٹو میٹک جگس پزل قسم کا گیم گفٹ تھا وہ بے اختیار نادم سی ہو کر مسکرائی۔

"میں بھی کہوں اتنا قیمتی گفٹ دینے والا حاتم طائی کہاں سے آ ٹپکا۔" اس نے پیڈ خالی کرتے ہوئے سب کچھ پرے رکھا اور کمبل سیدھا کر کے اسے اپنی ٹانگوں پہ پھیلاتے ہوئے لیٹی تو دھیان کے سلسلے پھر سے بھٹکنے لگے اس کا ذہن پھر سے شہریار کے رویے کو لے کر الجھنے لگا تھا۔

"یہ فاصلے تو دانستہ تھے خود میرے چاہے ہوئے پھر انہیں جھیلنے کی کسک جینے کیوں نہیں دیتی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا میرا رویہ شہریار کے ساتھ بحث و انکار واقعی غلط تھا کیا شہریار کا بیگانہ انداز احتجاجی رنگ لئے ہوئے ہے۔'' وہ اٹھ بیٹھی تھی دایاں بازو ٹانگوں کو سمیٹ ان کے گرد لپیٹے بائیں ہاتھ سے چہرے پر آئے بال پرے کرتے ہوئے سوچا تھا۔

''شاید ایک گھر میں پلنے بڑھنے ایک ساتھ رہنے کے باوجود میں اس شخص کو سمجھنے کا جتنا دعوی کرتی تھی سب غلط تھا اور فضا مقابلے کی سی تھی تو نظروں کا سامنا بھی لازم تھا اور وہ تو ہمیشہ سے ہر موقع پر مسابقانہ ماحول بنا لیتا تھا تو کیا میرے جارحانہ رویے کے مقابلے میں بھی وہ مساوی تناؤ پیدا کر رہا ہے۔'' اس کی ساری نیند غائب ہو چکی تھی اور تھکے ماندے انداز میں وہ اپنے کمرے کی گلاس ونڈو کو دیکھنے لگی جس کے سامنے شہریار کا کمرہ تھا جس کی کھڑکی کے آگے وہ پردہ کھینچ رہا تھا، اسے دیکھتے ہوئے وہ چہرے کا رخ پھیر گئی، جس پہ یاسیت بکھری ہوئی تھی۔

کئی دنوں سے اک آواز مجھ میں گونجی نہیں
کئی دنوں سے کوئی مجھ میں رتجگا نہ ہوا
کئی دنوں سے ساعت کی رہگزاروں پر
نہ کوئی چاند ہی اترا نہ کوئی پھول کھلا
کئی دنوں سے یہ آنکھیں ہیں نیند سے بوجھل
کئی دنوں سے بے نور درد کے چھاگل
کئی دنوں سے بدن چاندنی میں جلتا ہے
کئی دنوں سے یہ دن مجھ میں آ کے ڈھلتا ہے
کئی دنوں سے کسی وسوسے کی زد میں ہوں
کئی دنوں سے عجیب وحشتوں کی حد میں ہوں
کئی دنوں سے خیالوں کے طاق ہجراں پر
کسی کے نام کا رکھا دیا جلاتا ہوں
دل فسردہ کو چپکے سے گدگداتا ہوں
کئی دنوں سے یہ ہی کار عشق جاری ہے
کئی دنوں سے عجب دل کو بیقراری ہے

☆☆☆

وحشتوں پریشانیوں سے بھرے دن کا سورج ڈوب چکا تھا اور اندھیرے کی دبیز چادر نے بڑھ کر اندھیروں کو ڈھانپ لیا تھا۔

''کاش قسمت کے اندھیروں کو ڈھانپنے والی بھی کوئی شے ہوتی۔'' ربیعہ نے اک آہ بھر کر کہا تھا۔

''ہے ایسی بھی شے اور اسے دعا کہا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ سچے دل اور خلوص نیت سے مانگی جائے تقدیر کے لکھے کو سوائے دعا کے کوئی نہیں چیز بدل سکتی۔'' جویریہ نے کہتے ہوئے چادر اوڑھ لی اور اریبہ کو اٹھنے کا کہا۔

گم صم سی اریبہ اٹھ کر اس کے ہمراہ ہو لی، بیرونی دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ربیعہ کو دیکھ کر وہ بولی تھی۔

''دروازہ اچھی طرح سے بند کر لینا اور کوئی بھی کھڑکائے تو کھولنا مت ہم بس پیسے دے کر جلد آ جائیں گے۔''

''ویسے ہم خالہ کو بلا لیتے اور ان کے ہاتھوں سے روپے دیتے تو اچھا رہتا کل کلاں کو کوئی دوسرا مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔'' اب وہ جویریہ سے مخاطب تھی۔

''سوچا تھا میں نے یہ بھی مگر وہاج بھائی تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں گھر میں جوان لڑکیاں ہیں اس وقت سرد اور اندھیرے موسم میں خالہ انہیں چھوڑ کر بالکل نہ آتیں، ویسے بھی اب میں نے دوسروں پر بھروسہ رکھنا اور سہارے کے لئے دیکھنا چھوڑ دیا ہے، آپ بھی چھوڑ دیں ربیا آپی اور صرف اتنا یاد رکھیں کہ ہم اکیلے ہیں اور ہم کو سب اکیلے برداشت کرنا ہے۔'' اریبہ نے اس کی بات پر کچھ کہا نہیں بس آہ سی بھر کر رہ گئیں۔

''سردی بہت ہے ہم گھر سے نکلتے وقت کوئی جرسی یا سویٹر پہن لیتیں تو ٹھیک تھا یہ چادر تو سردی کا مقابلہ ہیں کر سکتی۔'' جویریہ نے موسم کی ٹھنڈک کو محسوس کر کے جھرجھری لی۔

''دسمبر کا آخیر ہے پھر جو خشک بادل گھر گھر آتے ہیں اور بنا برسے ٹھنڈی ہوا چلا کر لوٹ جاتے ہیں وہ سردی میں اضافہ کر رہے ہیں۔'' اریبہ نے بولتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ویسے جویریہ مجھے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا ہم مفت میں نہ صرف رقم بھر رہے ہیں بلکہ خجل بھی ہو رہے ہیں اگر ہم کچھ دن کی مہلت لے لیتے تو شاید صورتحال کچھ اور ہوتی۔''

''مہلت دے تو رہے تھے وہ لوگ آپ کی منگنی کی انگوٹھی رکھ کر، اس کے بعد بھی یہی ہوتا جو اب ہو رہا ہے کیونکہ ہمارے پاس ثبوت نہ تھا اپنی سچائی کا۔''

''ثبوت تو صالحہ کے پاس بھی نہیں۔''

''مگر حیثیت تو ہے نا جو ہماری نہیں رہی اور یہ بے حیثیتی و بے بسی جو توہین و سبکی ہماری کرواتے اس سے یہ رقم بھرنا بہتر ہے۔'' اریبہ نے بے اختیار اک طویل اور گہری سانس لی تھی۔

''بہت کچھ سوچا تھا میں نے اس گھر کے لئے، اس کی خوشیوں کے لئے مگر جو میں نے چاہا سب اس سے بہت مختلف اور برا ہو رہا ہے۔'' اس کا لہجہ نم تھا بولتے ہوئے۔

''آپی زندگی میں نشیب و فراز تو آتے ہی رہتے ہیں اور ہم چاہیں یا نہ چاہیں مگر انہیں جھیلنا پڑتا ہے کیونکہ یہ سب ہمارے مقدر کا حصہ ہوتا ہے اور ہمارے ارادوں ہماری سوچوں کا ٹوٹنا، ان کے برعکس ہونا ہی درحقیقت مقدر ہے۔''

''یہ تو ہے مگر جب مقدر ڈر خوف غم کو رقم کر کے احساسات توڑ پھوڑ کر رکھ دے تو جھیلنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے، آنسوؤں میں مسرتوں، شادمانیوں کے ساتھ جینے کا حق بھی گرنے لگے تو دلی دباؤ ساری حسیات کو کیسے مردہ کرتا ہے، کوئی ہمیں دیکھے تو جانے کہ ہم ان ساری کیفیات سے گزر رہے ہیں، کس قدر کٹھن ہوتا ہے دنیا کی چالاکیوں، لالچ، خودغرضی کو اپنے اوپر چٹ بنا کر لگا لینا اور پھر جو شناسا ہوتے ہیں اجنبی نکلتے ہیں بہت اپنے نظر آنے والے پرائے و بیگانے بن جاتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں بہت سا نمکین پانی جمع ہو رہا تھا، وہ ایک بار پھر ڈپریشن کا شکار ہو رہی تھی جویریہ نے اس کی کیفیت کی سمجھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا وہ اسے حوصلہ دینا چاہتی تھی مگر بول نہیں پا رہی تھی کیونکہ خود اس کے اپنے حوصلے ٹوٹ رہے تھے اس کا سفر ختم ہو چکا تھا وہ اس گھر کے سامنے پہنچ چکی تھیں یہاں قسمت کھینچنا چاہتی تھی۔

ایک دوسری کو دیکھتی ہوئی وہ دونوں کتنی دیر ساکت سی کھڑی رہیں جیسے یہاں آ کر سارے حواس منجمد ہو چکے تھے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے۔

''ریبا آپی چلیں۔'' جویریہ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما جو سرد تھا اس نے چونکتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا جو سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں حواس باختہ سا لگا جویریہ نے کس قدر تاسف اور افسوس سے دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لیا ان دونوں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں، دونوں ایک دوسری کے شانے کو ہولے سے تھپتھپا رہی تھیں خود کو حوصلہ فراہم کر رہی تھیں۔

''چلیں اب اندر چلیں۔'' بھیگی آنکھیں صاف کرتے ہوئے جویریہ نے کہا، وہ آہستہ روی سے قدم اٹھاتی آگے بڑھیں تو مقام مقررہ پر پہلے سے سب لوگ موجود تھے ان کے سلام کرنے اور بیٹھنے کے چند منٹ بعد محلہ کی مسجد کے قاری صاحب بھی آ پہنچے تھے، کچھ ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ بڑے متوازن لہجہ میں گویا ہوئے تھے۔

''نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتے اسی طرح سچ اور جھوٹ بھی برابر نہیں ہوتے اگر انسان کو اپنے اعمال و افعال کی شر و خیر کا حساب دینا ہے تو ایمان و بددیانتی کے مواخذے کا بھی سامنا کرنا ہے، قرآن تو سچ و جھوٹ کی قسموں کو اٹھانے کے لئے ہے نہ کمزوروں کو کمتر ثابت کرنے کے لئے لیکن معاملہ ایسا ہے کہ دونوں طرف سے نہ تو کوئی گواہ ہے نہ ثبوت اور خدا خوفی کے تحت نہ کسی ایک کو رد کیا جا سکتا ہے نہ قبول کیونکہ انصاف بہر حال ضروری ہے، اکثر انسان غصہ و غم میں درست قدم اٹھانے سے قاصر رہتا ہے اور کئی غلط فیصلے بعد میں پچھتاوے و نقصان کا باعث بن جاتے ہیں اگر تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کوئی اقدام کریں تو بعد میں پچھتاوا مقدر نہ بنے جرم و مجرم کا اصل علم تو اللہ کو ہے پھر بھی ایک بار آپ دونوں خواتین سوچ لیں کہ جو ہوا ہے ہو رہا ہے اس میں اگر کوئی پوشیدہ بات ہے تو مجھے ایک طرف کر کے بتا سکتی ہیں میں معاملہ خود سنبھال لوں گا اور نہیں تو آگے کی ذمہ دار آپ خود ہیں۔''

''قاری صاحب اس تقریر کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ بہنیں جھوٹی ہیں نہ انہوں نے ماننا ہے نہ سننا آپ بس رقم نکلوائیں۔'' صالح ترخ کر بولی تھی۔

''کیا تم مطمئن ہو کہ یہ رقم تم حق پہ لے رہی ہو۔'' قاری صاحب کا رخ اس کی طرف ہوا۔

''نہ تو جھوٹ بول کر میں نے کون سا ثواب لینا ہے اور میں تو سچ پوچھیں کہ استطاعت ہوئی تو پوچھتی بھی نا مگر اتنی دیالو ابھی نہیں ہوئی کہ پورے دس ہزار چھوڑ دوں، وہ بھی جھوٹوں کو۔''

''اور بی بی تم کیا کہو گی۔'' قاری صاحب کا روئے سخن اب اریبہ کی طرف ہوا تھا جو یکسر خاموش تھی پھر آہستگی سے بولنا شروع ہوئی۔

''مجھے نہیں معلوم ہم نے یہ قرض کب لیا ہمارے گھر جو حساب کتاب درج شدہ تھا اس کے

مطابق انہوں نے ہمارے ابو کی وفات سے کچھ دن پہلے ہمارے گھر سے پندرہ ہزار روپے بطور قرض لئے تھے ایک ماہ کی واپسی کے وعدہ پر مگر وہ نوٹ بک ہماری سچائی کا واحد ثبوت ہماری پاگل ماں نے جلا دی، سوائے رب تعالیٰ کے ہمارا نہ کوئی گواہ ہے نہ ثبوت وہی منصف ہے اسی پہ اپنا معاملہ چھوڑتے ہوئے میں یہ دس ہزار قرآن پاک پر رکھ رہی ہوں صالحہ بیگم اس کو لینے کے معاملہ میں سچی ہیں تو اٹھا لیں۔'' وہ اٹھ کر درمیان میں رکھے میز پر پڑے میں پڑے قرآن مجید کے اوپر روپے رکھنے لگی تو اس کی آنکھوں میں بہت سا نمکین پانی جمع ہو رہا تھا، جس کو وہ بڑے ضبط سے برداشت کیے ہوئے تھی۔

پسینے کے سنہرے قطرے یا اشکوں کی لڑیوں سے
بہر صورت یہ دنیا ہم بناتے ہم سجاتے ہیں
یہ سناٹا کہ اپنی سانس کی آہٹ نہیں ملتی
یہ اندھیرا کہ یادوں کے دیے بھی بجھتے جاتے ہیں
نجانے ان دنوں کیوں صبح کچھ سنولائی رہتی ہے
نجانے شام ہی سے کیوں ستارے ڈوب جاتے ہیں
ہمیں کیا ہمیں تو جینا اور مرنا دونوں ہی آتا ہے
ہمیں کیا ہم تو اپنے خون میں اکثر نہاتے ہیں

☆☆☆

سردیوں کی پھیکی دھوپ نے دن بھی بدرنگ سا کر دیا تھا اک بے زار اور بے چین سا دل لئے وہ بے رنگی دوپہر سے مٹیالی سہ پہر میں ڈھلے دن کے خنک مزاج کو دیکھتا حسب معمول ٹیرس پر کھڑا تھا اس کا دلکش نقوش سے سجا وجیہہ چہرہ کسی گہری سوچ کا غماز تھا۔

اور وہ سوچ یقیناً سعدیہ سے متعلق تھی، اسے نہیں معلوم تھا اس نے سعدیہ کو یکسر نظر انداز کر کے اچھا کیا تھا یا برا مگر اپنے رویہ پہ وہ نادم ہرگز نہ تھا، کیونکہ بہت حد تک اس سلوک کو روا رکھنے میں وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہا تھا شدید وجہ یہ تھی کہ سعدیہ کی ہٹ دھرمی اور ضد براہ راست اس کی زندگی اس کی خوشیوں اس کی ذات کو نقصان پہنچانے کے درپے تھیں اپنے حد تک تو وہ پھر بھی برداشت کر لیتا مگر عفان علی خان اور شائستہ بیگم کو دکھ دینے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ان کی محبتوں، شفقتوں اور چاہتوں کے حصار میں جس ناز و انعم اور چاؤ سے وہ پلا بڑھا تھا شاید اپنے سگے والدین کے زیر سایہ بھی نہ پل پایا، یہ محبتیں اور مان وہ بچپن سے جوانی تک سمیٹتا پاتا آیا تھا اور جس طرح اس گھر میں اسے اپنائیت احساس اعتماد ملا تھا اپنی ذات اپنے کیریئر کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کو اسی ذات اپنائیت و اعتبار کو وہ نہ صرف قائم رکھے تھا بلکہ بڑھاتے رہنے کا خواہش مند تھا مگر سعدیہ کا رویہ اور ہی خواہشات کا متقاضی تھا جو اسے کسی طور قابل قبول نہ تھیں کیونکہ ان کے پس منظر میں بہت کھوٹا بکھرتا اور اجڑتا دکھائی دے رہا تھا، رشتوں کے ساتھ دلوں میں دڑاریں پڑتیں اور وہ تو رشتوں کو ترسا ہوا شخص تھا اپنے سگے ماں باپ بے بچھڑا نہ کوئی بھائی نہ بہن اسے ہر رشتہ ہر احساس اسی گھر سے تو ملا تھا پھر وہ اسے کیسے کسی رشتے کو ٹوٹنے کا

Courtesy www.paksociety.com

اعتبار کا موسم

شائستہ امجد

دکھ دیتا جبکہ اس میں اس کی اپنی ذات بھی انوالو ہو جاتی۔۔

محبت کی تکمیل اپنے من پسند ہمسفر کو پانا کتنا دلفریب احساس جگاتا تھا دل میں مگر اس الجھی الجھی خفا خفا نظر آنے والی موڈی سی لڑکی نے کتنے اجنبی انداز میں اس رشتے کو طوق قرار دیا تھا اس سے تلخ کلامی کی تھی اس آدھے ادھورے رشتے کو شہریار کے نام کی بیساکھی سے آزاد کرنے کی متمنی تھی۔

وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ محبت بیساکھی نہیں ہوتی محبت تو زندگی کا وہ پر رونق اور دلربا احساس ہے جو دل کو چھو لے تو شفاف دھوپ کی گلابی پہنائیاں موسموں کو مہکانے لگتی ہیں اور پورے اختیار سے جو دل میں آن بیٹھے لمحہ بھر کو عطا میں بہت کچھ لے اور دے جائے علاوہ اس کے احساس کچھ اور سوچنے ہی نہ دے وہ لمحہ ہی محبت ہے زندگی ہے خوشی ہے مگر سنعیہ کو یہ سب کیسے بتاتا وہ کب کچھ سننے کی روادار تھی، زندگی کے حسارے و نفع، کچھ بھی اسے تو صرف اپنی ضد سے سروکار تھا، اپنی انا پیاری تھی، مصلحت پسندی اور رشتوں کے تقاضے کچھ بھی ہوتے تھے وہ تو اپنے اصولوں سے ہٹنے کو تیار نہ تھی تو وہ اپنی ذات کو کیسے اس کا ہدف بنائے رکھتا، جبکہ وہ جانتا تھا کہ سنعیہ کے بے جا رویے کی وجہ فریق ثانی نہ تھا اسی کی بلاوجہ کی ہٹ دھرمی تھی۔

اسی صورت میں اپنی محبت کی حصول یابی کے لئے وہ کیسے نہ لڑتا، دل کے بہلاوے اور خوابوں کی تحیر گاہ میں اپنے لئے خسارے سمیٹنا اسے ہرگز پسند نہ تھا وہ تو زندگی کے ہر محاذ میں فاتح ٹھہرا تھا پھر یہ تو دل کا معاملہ تھا جو زندگی سے بھی وابستہ تھا۔

"نہیں سنعیہ تم نے زندگی، محبت رشتے تعلقات کو اپنی سوچ سے دیکھا اپنی نگاہ سے جانا اور جو بھی جانا غلط جانا، جو بھی سوچا جو بھی سوجھا فضول کیونکہ زندگی محبت رشتے اور تعلقات مل کر دنیا کو خوشیوں کو ترتیب دیتے ہیں اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ دنیا صرف تمہارے زاویہ نگاہ سے بدلے گی، نہیں یہ کوئی ڈریم لینڈ یا تمہارا دو چار اچ کا فینٹسی ورلڈ نہیں ہے جسے تم اپنی مرضی سے چلاؤ، اپنے اشاروں پر رکھو جبکہ مقابل شہریار خان سہی جسے ہمیشہ جیت کی خواہش رہی ہے وہ کبھی کسی محاذ پر نہیں ہارا، گر کہیں ہارا بھی تو ہارا اس طرح جیسے جیتنے والے رہتے ہیں، تمہارے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے اسے ادھورے کھیل پسند ہیں نہ بند کتابیں وہ محبت کے سارے نظریے زاویے حاشیے اور خواہشیں اگر تمہارے نام کر رہا ہے تو اس لئے نہیں کہ تم اپنی ہٹ دھرمی کی تکمیل کے لئے اسے ہدف بناؤ، بھلے معاملہ بندی ہو کہ طویل مسافتیں مرکز تو تم ہو ناں اور اب یہ مرکز بدلے گا تمہارے دل کے راستوں کا طواف میں نہیں میرے دل کا طواف تم کرو گی کسے یہ وقت دیکھے گا کہ روبرو انا و ضد ہو نگے محبت درمیان میں سر پٹخے گی پھر جو ہو سو ہو۔"

اس لمحے اس کے لبوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی کیونکہ وہ جان چکا تھا حالات کو اپنے بس میں رکھنے کے لئے یہ بہت ضروری تھا کہ وہ مصلحت پسندی کی انگلی کو چھوڑ دے اور انا کا پرچم بلند کر دے دیکھنا تھا تو صرف یہ سنعیہ کی ضد سے یہ انا ہارتی تھی یا جیتتیں۔

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم جس سے محبت کرتے ہیں، وہ کچھ ہی عرصے میں ہمارے لئے اتنا اہم ہو جاتا ہے کہ ہمارے خونی رشتے ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں پھر ساری دنیا بھی مخالفت کرے تو ہم اپنے موقف سے انہیں ہٹتے۔

دولت ہو، عزت ہو یا پھر شہرت ہو ہر چیز کو پیچھے چھوڑ کر ہم اس بات کو سچ ثابت کرتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے، پھر ہمیں لگتا ہے کہ ہماری محبت ہمیں نہ ملی تو ہم جان سے ہار جائیں گے غرضیکہ اپنی محبت پانے کے لئے ہر حد سے گزرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، لیکن پھر اچانک کوئی ایسا حادثہ ہو جاتا ہے کہ وہ محبت جس کے بغیر جینا سوہان روح ہوتا ہے اس سے ہم ایک پل میں دستبردار ہو جاتے ہیں، ہم نا صرف اس کے بغیر رہتے ہیں بلکہ گزرے وقت کو یاد کر کے افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے کیسے انسان کے لئے اپنا وقت برباد کیا۔

''ثناء بیٹی کدھر ہو؟ میں نے روحہ کو بھیجا تھا بلانے کے لئے تمہاری پھپھو آئی ہیں، تم پھر بھی نہیں آئی۔'' آمنہ بیگم نے اوندھے منہ لیٹی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''امی جان! مجھے پتا ہے پھپھو کیوں آئی ہیں، اس لئے میں کبھی باہر نہیں آؤنگی۔'' اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے میں تمہارے بابا کو بھیجتی ہوں اور انہیں بتاتی بھی ہوں کہ ان کی صاحبزادی کیا فرما رہی ہیں۔'' وہ غصے سے جانے لگیں، تو ثناء فوراً اٹھتے ہوئے بولیں۔

''آ رہی ہوں، لیکن میں زیادہ دیر نہیں رکونگی، جلدی آ جاؤ۔'' آمنہ بیگم تاکید کرتی ہوئی چلیں گئیں۔

''آؤ ثناء بیٹی! سو رہی تھی کیا؟'' سلمٰی بیگم نے بھتیجی کی طرف مسکرا کر دیکھا اور ملنے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

''جی..... پھپھو..... بس ایسے آنکھ لگ گئی تھی۔'' وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

''السلام علیکم!'' اس نے قریب بیٹھے ارسلان کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟'' اس نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ مختصر جواب دے کر بیٹھ گئی۔

''سلیم میاں! اب بچی کی پڑھائی تو ختم ہو گئی ہے تو پھر دیر کس بات کی ہے۔'' سلمٰی بیگم نے بھائی سے پوچھا۔

''میں سوچ رہا تھا ثناء کے رزلٹ تک انتظار کر لیتے ہیں پھر ہی کوئی فائنل بات کرئیں گے۔'' انہوں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر تم کہو گے کہ بیٹی کو یونیورسٹی بھیجنا ہے، بھئی مجھے یہ منظور نہیں۔'' وہ ہاتھ سے منع کرتے ہوئے بولیں، ثناء اٹھ کر کچن میں چلی گئی، وہاں باتوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''نہیں..... نہیں..... یونیورسٹی بالکل نہیں بھیجونگا آپ فکر نہ کریں۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولے۔

''میرا چکر اب دوبارہ لگا تو میں تاریخ لے کر ہی جاؤنگی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولیں۔

''آپا آپ یہ بتائیں فصلوں کے حالات ہیں۔'' آمنہ بیگم نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے اللہ کا، اتنی گندم، اتنے چاول ہوتے ہیں کہ پورے گاؤں کو میں نے پورے سال کے ادھار کے لئے اٹھوا دیتی ہوں، پھر جب ان لوگوں کے پاس پیسے ہوتے ہیں تو ادا کر

دیتے ہیں، اللہ بخشے ارسلان کے ابا بھی یہی کرتے تھے، میرا تو بہت دل تھا کہ ارسلان زمینوں وغیرہ کا کام دیکھے اور تو کوئی اولاد نہیں میری، لیکن اسے تو دفتروں میں کام کرنے کا شوق ہے، کیا کروں۔'' سلمٰی بیگم نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

''آج کل کے بچے کہاں زمینوں کے بکھیڑوں میں پڑتے ہیں۔'' آمنہ بیگم نے کہا۔

''لیکن آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے گاؤں کا گھر دیکھا ہی ہے آپ نے کون سی ایسی سہولت ہے جو شہر والی نہیں ہے، پھر ثناء بیٹی نے چاہا تو ارسلان اپنے دفتر کے پاس ہی گھر لے لے گا، میرا کیا ہے، میں تو مرتے دم تک گاؤں میں ہی رہونگی۔''

''جہاں آپ رہیں گی وہیں ثناء رہے گی، ارسلان میاں کی مرضی ہے چاہے ادھر جاب کرتا ہے یا پھر گاؤں رہے، ہمیں اعتراض نہیں ہے، ویسے بھی ان کی منگنی کون سا آج کی ہوئی ہے کہ یہ باتیں طے کرنے بیٹھ گئے، بچپن کا تو رشتہ ہے۔'' سلیم صاحب نے بہن کو تسلی دی۔

''ارسلان میاں جاب کیسی چل رہی ہے۔'' سلیم صاحب نے خاموش بیٹھے ارسلان سے پوچھا۔

''جی شکر ہے اللہ کا ٹھیک ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

ایم بی اے کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پہ تھا، شروع سے ہی کم گو تھا، اکثر خاموش ہی بیٹھا رہتا تھا، دوست کے ساتھ فلیٹ شیئر کیا ہوا تھا، لاہور میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنے ماموں کے ہاں تب ہی آتا تھا جب اس کی امی نے آنا ہوتا تھا، وہ بھی سلمٰی بیگم اصرار کر کے بلا لیتی تھیں۔

''السلام علیکم!'' عدیل نے اندر آ کر بڑے مودب لہجے میں کہا۔

''وعلیکم السلام!'' سب نے ہی شاپنگ بیگ سے لدے پھدے عدیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آنٹی یہ سامان کچن میں رکھ دوں۔'' اس نے آمنہ بیگم کی طرف دیکھ کر پوچھا، اتنے میں ثناء نے آگے بڑھ کر سامان پکڑا پھر دونوں ایک ساتھ کچن میں چلے گئے۔

''جب سے عدیل آیا ہے ہمیں کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہوئی، بہت ہی اچھا اور شریف بچہ ہے، خدا اسے زندگی صحت دے۔'' سلیم صاحب نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''جلد ہی وہ اپنے ماں باپ اور بہنوں کو ادھر لے آئے گا، کمپنی کی طرف سے گھر مل گیا ہے، میں تو ثناء کے ابا سے کہتی رہتی ہوں کہ اپنی اولاد اپنی ہوتی ہے، ایک دن عدیل چلا جائے گا تو پھر ہمیں تنگی ہو گی، بھانجا تو میرا ہے لیکن جو بات سچ ہے وہ سچ ہے۔'' آمنہ بیگم نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''آپ کو پریشانی کی ضرورت نہیں ارسلان آپ کا ہی بیٹا ہے، آپ کو کبھی بھی نہ تو عدیل کی کمی محسوس ہو گی اور نا ہی اس بات کا دکھ کہ آپ کا کوئی بیٹا نہیں۔'' سلمٰی بیگم نے بڑی محبت سے کہا۔

''ثناء اب چائے لے بھی آؤ کیا کرنے بیٹھ گئی ہو۔'' آمنہ بیگم نے کچن کی طرف دیکھ کر آواز دی، پھر چائے آنے پہ سب لوگ اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

''عدیل میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب ہم کیا کریں گے، شادی کی ڈیٹ لینے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے پھپھو کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے، اب تو مجھے لگتا ہے کہ اب پھپھو آئیں تو بابا ڈیٹ دے کر ہی بھیجیں گے۔'' ثناء نے پریشانی سے کہا۔

''جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو پھر تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔'' عدیل نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''میں کیسے پریشان نہ ہوں اماں کہتی ہیں اب وہ بابا کو بھی بتا دیں گی، پھر بات بہت بڑھ جائے گی۔'' وہ روہانسی ہو گئی، عدیل نے چیئر پہ بیٹھی ثناء کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''ثناء! دیکھو امی اور دونوں بہنیں آ رہی ہیں نا، وہ انکل اور آنٹی سے بات کریں گی اگر وہ نہ مانے تو ہم کوئی اور راستہ نکال لیں گے۔''

''کون سا راستہ؟'' ثناء نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔'' اس نے فوراً جواب دیا، وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''میں نے ایسا غلط کیا کہہ دیا کہ تم اتنی حیران ہو رہی ہو۔'' عدیل نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کورٹ میرج کرنے سے میرے بابا کی کتنی انسلٹ ہو گی یہ سوچا تم نے۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔

''اپنے بابا کی عزت کا اتنا ہی خیال ہے تو پھر ارسلان سے کر لو شادی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''عدیل ہمارا پیار اتنا ناپیدار ہے۔'' وہ صدمے سے چور لہجے میں بولی۔

''پیار صرف اسی وجہ سے بدنام ہے کہ عام دنوں میں لڑکی ساتھ دیتی رہتی ہے، وعدے

قسمیں بھی کھا لیتی ہے، لیکن جب امتحان کا وقت
آتا ہے تو ماں باپ کی عزت کا بہانہ بنا کر پیچھے
ہٹ جاتی ہیں، تم لڑکیوں کو اس وقت ماں باپ
کی عزت کا خیال نہیں آتا جب ان کی آنکھوں
میں دھول جھونک کر لڑکوں کے ساتھ گھومنے جا
ہیں۔''

''بس کرو عدیل! بس کرو۔'' ثناء نے ہاتھ
اٹھا کر اسے روکا، پھر اپنے آنسو صاف کر
ہوئے بولی۔

''تم جو بھی کہو، لیکن میں کبھی وہ کام نہیں
کرونگی جس سے میرے بابا کی عزت پہ حرف
آئے۔'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں، عدیل لب کا
ہوئے اسے جاتے دیکھتا رہا پھر بیڈ پہ ڈ
جانے والے انداز میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆

''اماں...... اماں...... عدیل بھائی
سامان پیک کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں وہ
گھر سے ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں۔''
میں کھانا بناتی آمنہ بیگم کو روحہ نے اطلاع دی
گوندتی ثناء کے ہاتھ رک گئے۔

''اس نے ایک دن جانا ہی تھا۔'' آمنہ
نے نارمل لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن وہ تو ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں
روحہ نے دکھ سے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''روحہ تمہارے بابا کے آنے کا وقت
مجھے کام کرنے دو۔'' آمنہ بیگم نے اسے ڈا
ہوئے کہا، وہ پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔

ثناء دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو
لیکن اس کا دھیان عدیل کی طرف تھا، وہ
تھی کہ عدیل اس سے ناراض ہو کر جا رہا ہے
جب اس سے رہا نہیں گیا تو وہ جلدی جلدی
ختم کر کے باہر جانے لگی۔

''کہاں جا رہی ہوں؟'' آمنہ بیگم کی آواز نے اس کے قدم روک دیئے، وہ کچھ گھبرا گئی۔

''اماں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں اور کہاں جانا ہے مجھے۔'' وہ لہجے کو نارمل بناتے ہوئے بولی۔

''اپنے کمرے میں ہی جانا، عدیل کو روکنے کی کوشش مت کرنا، کل تمہاری پھپھو اور ارسلان آ رہے ہیں تمہارے بابا اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں ڈیٹ دے دی جائے۔'' وہ کچھ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''جی!'' وہ مختصراً جواب دے کر سیدھی عدیل کے کمرے میں چلی گئی، عدیل نے اس کے آنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا، وہ اس کے قریب آ کر بولی۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''تمہاری بلا سے جہاں مرضی جاؤں۔'' وہ غصے سے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولا۔

''اکیلے ہی جا رہے ہو۔'' وہ مزید اس کے قریب ہو کر بولی۔

''جب وہ شخص جو ساتھ نبھانے کا وعدہ کر کے بیچ راستے میں چھوڑ جائے تو پھر تنہا ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔'' وہ دکھی لہجے میں بولا۔

''تمہیں کس نے کہا میں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔'' اس نے عدیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''ثناء مجھے راستہ دو، مجھے جانا ہے۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

''میں کہیں جانے دونگی تو پھر نا۔'' وہ مزید اس کا راستہ روکتے ہوئے بولی۔

''وہ بات مت کرو جسے تم نبھا نہیں سکتی۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''عدیل میں نے بہت سوچا، میرے دل اور دماغ میں کے درمیان ایک جنگ جاری ہے، دماغ نے کہا اگر تمہارا ساتھ دیا تو بابا ناراض ہو جائیں گے، لیکن دل نے کہا اگر بابا ناراض ہو گئے تو انہیں بعد میں منایا جا سکتا ہے، لیکن اگر محبوب ناراض ہو گیا تو اسے منانا مشکل تو کیا ناممکن ہے اس لئے میں نے دل کی مان لی، اب تم جو کہو گے میں وہ کرنے کو تیار ہوں۔'' وہ اس کے کندھے سے لگ کر بولی، عدیل نے مسکرا کر اس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بناتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم پہ اور اپنی محبت پہ یقین تھا۔''

☆☆☆

عدیل کے ماں باپ نے سلیم صاحب کو منانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں مانے، آمنہ بیگم نے بھی عدیل کا ساتھ دیا، لیکن ساری کوششیں بیکار گئیں اور سلیم میاں نے شادی کی ڈیٹ بھی فکس کر دی، ثناء بظاہر تو خاموش تھی لیکن اس نے اور عدیل نے کورٹ میرج کی تیاری کر رکھی تھی۔

سردیوں کے دن تھے، دوپہر کے وقت ثناء دروازے کے پاس کرسی ڈال کر دھوپ میں بیٹھی تھی، جبکہ اس کی اماں پھپھو اور ارسلان شاپنگ پہ گئی تھیں، روحہ کو اس نے بہانے سے اپنی دوست کے گھر کسی کام سے بھیج دیا تھا، اور وہ عدیل کا انتظار کر رہی تھی، جس نے اسے لینے آنا تھا، پھر وہ لوگ کورٹ جا کر شادی کر لیتے بعد میں جو ہوتا اسے پروا نہیں تھی، دروازے پہ بیل ہوئی تو وہ جلدی سے آگے بڑھی، دروازے میں پپو کو دیکھ کر حیران رہ گئی، پپو دس سال کا بچہ جو کہ گلی میں اچھو پان والے کی دوکان میں کام کرتا تھا۔

''تم اس وقت، کیا بات ہے؟'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''باجی...... باجی...... آپ کی اماں اور پھپھو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دغیرہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اچھو بھائی انہیں رکشے میں لے کر ہسپتال گئے ہیں۔" اس نے جلدی سے بتایا۔

"کیا..... کدھر..... کون سے ہسپتال۔" وہ پریشان پریشان سی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مجھے نہیں پتا، وہ تو اچھو کی اماں بتا رہی تھی تو میں آپ کو بتانے آ گیا۔" اس نے پپو کو دھکا دیا اور اچھو کے گھر کی طرف دوڑی۔

"خالہ جان..... خالہ جان۔" وہ آوازیں دیتے ہوئے اندر آ گئی، اندر مکمل خاموشی تھی، جو کہ معمول کے مطابق تھی کیونکہ اچھو اپنی اماں کے ساتھ تنہا رہتا تھا، وہ آوازیں دیتی رہی، لیکن خاموشی کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ بھاگ کر کمرے میں گئی، سامنے اچھو کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"تم..... تم نے....." اچھو نے خباثت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج مغرور بلبل ہاتھ آ ہی گئی۔"

"اچھو میرے قریب مت آنا، ورنہ میں شور مچا دونگی۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"ہاہا..... ہاہا۔" اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔

"چیخو، چلاؤ، جس کو مرضی بلاؤ، آج میں بھی دیکھونگا، کون تمہاری بات کا یقین کرتا ہے۔" پھر اس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو سے پکڑ لیا، لیکن اس نے پورا زور لگا کر اپنا بازو چھڑوایا پھر اچھو کو دھکا دیتی ہوئی باہر کی طرف لپکی، وہ بھی اس کے پیچھے ہی بھاگا، ثناء نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو سامنے کا منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی، اس کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لئے ہوں، محلے کے معزز لوگوں کے ساتھ ساتھ اس کے ماں باپ بہن ارسلان اور عدیل بھی کھڑا تھا۔

"ہمیں تو اس اچھو لفنگے پہ پہلے ہی شک تھا، یہ کسی لڑکی کو گھر لاتا ہے، کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہم خاموش تھے، وہ تو آج پپو نے اس کے گھر ثناء کو جاتے دیکھ لیا تو ہم نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ورنہ جانے کب تک عزت دار لوگوں کے درمیان رہ کر یہ ہم سب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بے غیرتی کی حد کرتے رہتے..... توبہ توبہ اللہ معاف کرے، سلیم صاحب تو بہت نیک اور شریف آدمی ہیں، جانے ان کی اولاد ایسی کیوں نکلی، خدا ہر کسی کی بیٹی کو نیک بنائے، شکل سے تو بہت معصوم نظر آتی ہے، لیکن کام دیکھو۔" مختلف لوگ مختلف باتیں کر رہے تھے اور کانوں کو ہاتھ لگا رہے تھے، ثناء کو لگا اس کا سر چکرا رہا ہے، اس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا جو ایسے سر جھکائے کھڑے تھے جیسے ابھی گر جائیں گے، اس نے ساتھ کھڑی پھپھو کی طرف دیکھا وہ بھی حیران پریشان کھڑی تھیں، ارسلان اور عدیل کے چہروں پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ جلدی سے آگ بڑھی اور چیخ کر بولی۔

"ایسا نہیں ہے جیسا آپ سب لوگ سمجھ رہے ہیں۔"

"اگر ایسا نہیں ہے تو تم اچھو کے گھر میں اکیلی کیا کر رہی ہو؟ پھر تمہاری حالت، یہ سب تمہیں گناہگار ثابت کر رہی ہے۔" ایک عورت نے بہت تیکھے لہجے میں کہا، اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے، سب لوگوں کی باتیں اور نظریں اسے مار رہی تھیں، پھر اچھو بھی کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ بھاگ کر اپنے باپ کی طرف لپکی۔

"بابا! آپ تو جانتے ہیں نا مجھے میں ایسی نہیں ہوں، بتائیں نا ان سب کو۔" سلیم صاحب نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارتے ہوئے

کہا۔

"تم اتنی بچی نہیں ہو کہ اس آدمی کے بہکاوے میں آ کر ہماری غیر موجودگی میں اس کے گھر آ گئی۔" پھر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"چلو اسی وقت گھر۔"

"نہیں بابا، نہیں میں ایسے نہیں جاؤنگی۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑوا کر بولی اور بھاگ کر عدیل کے پاس گئی۔

"عدیل تم تو مجھے جانتے ہو نا، میں کیسی ہوں، تم ان سب کو بتاؤ، میرا کوئی بھی یقین نہیں کر رہا۔" لیکن جو کچھ اس نے عدیل کی آنکھوں میں دیکھا اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، اس کا سر گھومنے لگا، آگے بڑھ کر ارسلان اگر پکڑ نہ لیتا تو وہ گر جاتی۔

"ثناء میں جانتا ہوں تمہارا گناہ صرف اتنا ہے کہ تم بہت معصوم اور سیدھی ہو، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے، ان لوگوں کے سامنے اپنی صفائی بیان کرنے کا صرف یہی موقع ہے، اگر ابھی اسی وقت تم ہمت ہار گئی تو ساری زندگی بھی تم اپنی صفائی پیش کرتی رہی تب بھی تمہارا کوئی یقین نہیں کرے گا اور نہ ہی تمہارے ماں باپ عزت سے سر اٹھا کر کبھی جی سکیں گے، اس لئے جو سچ ہے ابھی اسی وقت سب کے سامنے بیان کرو، کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، بولو۔" ارسلان نے اس کے کندھے سے تھام کر اتنی نرمی سے کہا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس شخص کو ٹھکرا کر وہ اس آدمی کے ساتھ اپنے ماں باپ کی عزت روندھنے چلی تھی جس نے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کر کے بیچ راستے میں نظریں پھیر لی تھیں۔

"بولو ثناء! میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

ارسلان نے پھر نرمی سے کہا، ثناء نے آنکھوں کی نمی صاف کر کے بڑے اعتماد سے سب کے سامنے سچ کہہ دیا، اچھو نے چیخ کر کہا کہ یہ جھوٹ بول رہی ہے، یہ خود آئی تھی، لیکن ارسلان نے اس کی بات کو اگنور کرتے ہوئے پپو کو پکڑا، اس کے ایک ہی زوردار تھپڑ پڑا تو فر فر سچ بولنے لگا، اب پپو نے بھی سچ کہہ دیا تھا اس لئے جھوٹ کی گنجائش نہیں تھی، وہ سر جھکا کر بولا۔

"کچھ عرصہ پہلے ثناء نے اس بھرے بازار میں تھپڑ مار کر رسوا کیا تھا، اس لئے اس نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اسے بھی سارے محلے میں بدنام کیا جائے۔" ثناء کی ہمت اب جواب دے گئی تھی اس لئے اتنا سنتے ہی وہ گر گئی۔

☆☆☆

سارا کمرہ سرخ حقیقی گلابوں سے سجا ہوا تھا، جہازی سائز بیڈ پہ سرخ لہنگے میں گلابوں کا حصہ ہی لگ رہی تھی، بھاری قدموں کی آواز سن کر وہ خود میں سمٹ گئی، ارسلان نے گھونگھٹ اٹھایا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"بیگم صاحبہ ہمارے سامنے سیدھی اور معصوم سی بنیں تو گزارہ نہیں ہوگا۔" اس کے خوبصورت ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ارے واہ آپ تو مسکراتی بھی بہت خوبصورت ہیں۔" ارسلان نے یہ کہہ کر اس کا ہاتھ تھام کر اس میں ہیرے کی جگمگاتی رنگ پہنا دی، وہ خود میں مزید سمٹ گئی۔

دل میں آخری دفعہ خیال آیا کہ وہ ارسلان کو ٹھکرا کر کتنی بڑی غلطی کرتی، عدیل کی اتنے عرصے کی محبت پر ارسلان کا چند لمحوں کا اعتبار جیت گیا تھا جس سے اس کے ماں باپ کی عزت بھی بچ گئی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیسری قسط

ستم گزیدہ

سمیرہ سحر عمران

سوپور سے ہندواڑہ جانے والی سڑک پر ایک گاؤں ہے جس کا نام ''بڈشاہ کھن'' ہے اس بڑے گاؤں کے اردگرد تین کلومیٹر کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے دیہات ہیں، جن کے نام سگی پورہ، زالورہ، پٹی پورہ، ہرون اور پیرو پیٹھ ہیں، شاہینہ رخصت ہو کر انہی میں سے ایک گاؤں سگی پورہ گئی تھی، اس کے لہو میں وہی تاثیر تھی جو عبد الصمد ڈار کے لہو میں تھی، اس لئے جب ابومنازل کے ساتھ اس کی زندگی کے نئے سفر کی شروعات ہوئیں تو اس نے بھرپور انداز میں اس کی شریک سفر ہونے کا ثبوت دیا، جدوجہد آزادی کی تحریک میں تو وہ بچپن کی حصہ دار تھی ہر قدم پر اس نے باپ کا ساتھ دیا تھا لیکن یہ زندگی تلخ حقیقتوں سے مزین ہے، خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے صبح آزادی نہیں دیکھی وہ لوگ جو اسیری کی ظلمتوں سے آشنا ہیں جن کے قدموں میں مجبوری کی بیڑیاں ہیں جنہوں نے غلامی کی اذیتوں میں کتنی نسلیں گنوا دیں انہیں خبر ہے کہ زندگی غلامی کے زنداں میں مقید ہو تو دنیا کی سب سے بدترین حقیقت ہے۔

اہل کشمیر ہوں یا اہل فلسطین، چیچنیا کے جنگجو سپاہی ہوں یا بوسینا کے ان کا دکھ یکساں ہے اسی لئے تو وہ جو درد محسوس کرتے ہیں آزاد فضاؤں

مکمل ناول

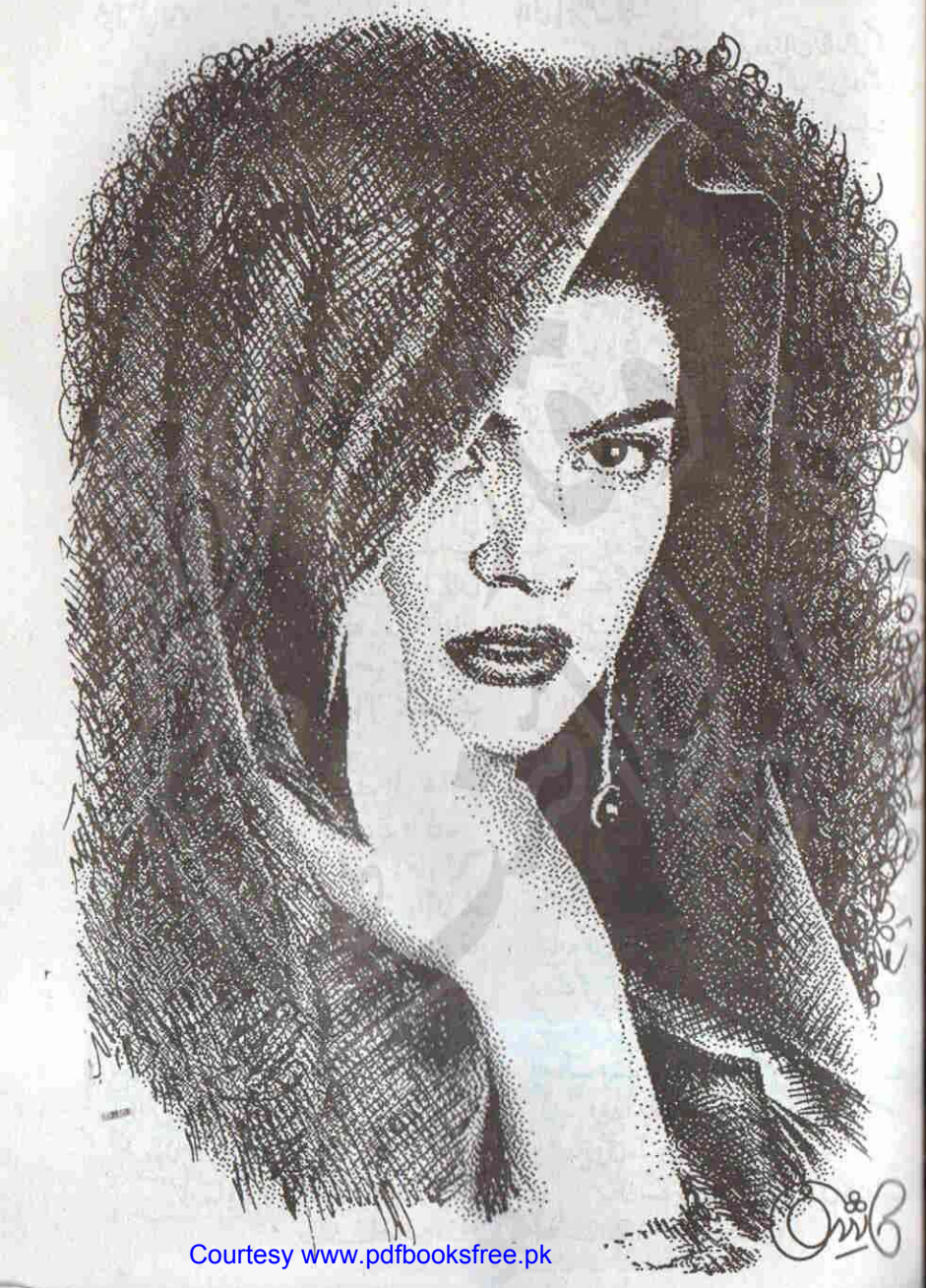

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے باسی اس سے نا آشنا ہیں، جن کو آنکھ کھلنے پر ہی قفس کی نوید ملے انہیں آزادی کا جنوں نہیں ہو گا تو کیا ہو گا؟

اور وہ بخت آور لوگ جو آزادی کے نغمہ گر ہیں ان کے دلوں میں احساس کی خونابہ ہو چکی ہے، اسی لئے تو انہیں بے بس، مجبور، لاچار، کشمیریوں پہ رحم نہیں آتا، ان کی اسیری کی اذیتیں انہیں بے چین نہیں کرتیں، ان کے دلوں میں اخوت و بھائی چارے کے جذبات نہیں جاگتے، وہ تو اپنی زندگی کی عشرتوں میں گم اور اپنے دکھوں میں بے نیاز ہیں، کوئی درد دل کا قائل ہوتا تو احساس کی نگاہ اسے اپنے ہم وطن لوگوں کی بے بسی دیکھتا، لٹے پٹے بے حال کشمیریوں کے دکھ پر صدائے حق بیان کرتا، ان کے وہ دکھ جن پر فضا و برگ کی وسعتیں بھی ماتم کناں نظر آتی ہیں، شاہینہ کی برستی آنکھ نے اپنے اوپر بیتے ظلم کی داستان بیان کر دی تھی، زلیخاں میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ بیٹی سے کچھ پوچھتی اور رابعہ کے سپاٹ چہرے کا ہر رنگ سفید ہو گیا تھا۔

''کب ..... کب گرفتار کیا؟'' بہت دقت سے زلیخاں نے بات شروع کی۔

''کل صبح۔'' نادیہ نے اسے پانی کا گلاس تھمایا تھا جسے وہ ایک ہی سانس میں چڑھا گئی۔

''ابو منازل بھائی نے کیا جرم کیا تھا باجی!''

نادیہ پر شعور و آگہی کے در وا ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا، اس کی طبیعت میں بچپنا بہت تھا، جسے وہ نعمت خیال کرتی تھیں۔

''ان کی مسلمانیت، ان کا کفر کے خلاف سینہ سپر ہونا، ظلم کے خلاف جہاد اکبر، علیحدگی کی خواہش۔'' کتنے جرم وابستہ تھے ان کی ذات سے مگر وہ خاموش رہی۔

''نادیہ! باہر جا کر کھیل پتر! تیری باجی ابھی تھکی ہوئی آئی ہے نا۔'' زلیخاں نے اسے منظر سے دور کرنا چاہا اور وہ چہرے پر الجھن لئے سر ہلاتی باہر نکل گئی۔

''میں اس وقت تندور پر روٹیاں لگا رہی تھی جب وہ بھارتی درندے ہمارے گھر میں داخل ہوئے۔'' شاہینہ کے آنسو تھم گئے تھے وہ سپاٹ لہجے میں بتانے لگی۔

''میری نند شفیقہ جھاڑو لگانے لگی تھی اور ماں جی پتہ نہیں کس بات پر آذر کو ڈانٹ رہی تھیں وہ قیامت بن کر ہمارے گھر پر ٹوٹ پڑے تھے، ابو منازل پانچ منٹ پہلے ہی گھر آئے تھے پورے تین ہفتے بعد، انہیں بری طرح زدوکوب کر کے وہ ساتھ لے گئے، ابو منازل نے اس خوف سے کہ وہ ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں خاموشی سے ہتھیار ڈال دیئے، لیکن انہوں نے.....'' وہ پھر سے پھپھک کر رونے لگی، زلیخاں کے بھی آنسو بہہ نکلے تھے، رابعہ ہونٹ چباتے ہوئے برداشت کی حد آزما رہی تھی۔

''شفیقہ کی اگلے مہینے شادی تھی اور سب کچھ ختم ہو گیا وہ کل سے سکتے کی کیفیت میں ہے، اس معصوم نے زندگی کا اتنا تکلیف دہ روپ دیکھا ہے کہ اس کی گویائی چھن گئی ہے، آذر بھی کل سے غائب ہے جانے کہاں چلا گیا ہے، میں شفیقہ اور ماں جی کو چھوڑ کر چلی آئی، مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی اماں، اس کی بربادی کا خسارہ کون ادا کرے گا، کون اس کے دکھ پہ مرہم رکھے گا، کس گناہ کی سزا ملی ہے ہمیں، ہم اپنا درد کسے سنائیں، دنیا کی کون سی عدالت ہے جو ہمیں انصاف دے گی، جو ہماری ظلم کی داستان سنے گی۔'' وہ رو رہی تھی، بلک رہی تھی، اپنا قصور پوچھ رہی تھی۔

مگر کسی کے پاس اس کے سوالوں کا جواب

نہیں تھا، پہاڑ، موسم، برگ و ثمر، زمین و آسمان سب کے ہونٹوں پر سفاک چپ تھی۔

☆☆☆

وہ ان کا نام سن کر حیران وہ گیا تھا۔

کیونکہ وہ سوپور کے ایک مشہور وہ معروف تاجر تھے لیکن کبھی یہ سننے میں نہیں آیا تھا کہ ان کا مجاہدین یا تحریک آزادی سے بھی کوئی تعلق ہے، مگر شاید اس کی معلومات ناکافی تھیں، جب وہ ان سے ملا تو خبر ہوئی کہ وہ تو تحریک آزادی کا اہم ستون ہیں، ان کی شفقت بھری مسکراہٹ اور ولولہ انگیز گفتگو اس کے جذبے کو مہمیز دینے میں کارگر ثابت ہوئی تھیں، ابتدائی طور پر انہوں نے اسے انصار گیلانی کے سپرد کر دیا جو مجاہدین کی ایک تنظیم کے مقامی ناظم تھے، چونکہ اس کا گھرانہ سیاست میں کافی حد تک انوالو تھا اس لئے انہوں نے اس کے ذمے وہ ضروری معلومات اور اطلاعات کا فریضہ لگایا جو اس کے کانگریس نواز والد عبدالاحد ڈار اپنے ہم منصب لوگوں سے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ڈسکس کرتے تھے، ان کی گفتگو کا دائرہ کار مجاہدین اور ان کی سرگرمیوں پہ نظر ثانی تک محدود تھا، عبداللہ بظاہر لاتعلق رہتا لیکن سرکاری حکام کے کارندے اور سیاست دانوں کی بات چیت پر گہری نظر رکھنے لگا تھا، وہ ان کی باتوں کو ذہن نشین کر لیتا اور پھر کاغذ پر لکھ کر انصار بھائی تک پہنچا دیتا، یہ ایسا کام تھا جس نے مجاہدین کو کافی فائدہ پہنچایا تاہم کچھ عرصے بعد نہ جانے کیسے عبدالاحد ڈار کو اپنے بیٹے کی مشکوک حرکات اور مجاہدین سے میل جول کا اندازہ ہو گیا تھا، انہیں پہلے کبھی یہی لگتا تھا کہ ان کا چھوٹا بیٹا ضرور انہیں کسی نہ کسی مقام پر شرمندہ کرے گا، لیکن اس بار وہ جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا چاہتے تھے، وہ اپنے چھوٹے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوئی باغیانہ روش اختیار کرے اس لئے وہ خود ہی محتاط ہو گئے، گھر پر سیاسی ملاقاتوں کا سلسلہ ختم کر دیا تھا، اعلیٰ تعلیم کے لئے وہ اسے بیرون ملک بھیجنے کے بھی خواہش مند تھے تاہم ابھی وہ اسے دہلی بھجوانے کے انتظامات میں لگے تھے کیونکہ وہ اس کا ذہن بٹانا چاہ رہے تھے، ابھی بدلاؤ کے رنگ کچے تھے انہیں پہلے ہی قدم پر اس کو اس راہ کی طرف جانے سے روکنا تھا جس پر چل کر ان کے چھوٹے بھائی عبدالصمد ڈار نے انہیں کھو دیا تھا، خون کے رشتے ختم کر کے نفرت کا تعلق بنا لیا تھا۔

لیکن اس سب کی نوبت نہیں آئی، ان کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، ان کی تمام تر احتیاط پسندی رائیگاں گئی تھی، ان کی خواہش اور امیدیں راکھ ہو گئی تھیں، کیونکہ جس دن انہوں نے اس کا دہلی کے انڈین انسٹی ٹیوٹ فار سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں داخلہ کروایا اس شب وہ ہمیشہ کے لئے ان کا گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا، اس کے کمرے سے سوائے ایک خط کے انہیں اس کا کوئی نام و نشان نہ ملا تھا، اس نے لکھا تھا کہ ''یہ زندگی میرے لئے ایک بوجھ کی طرح ہے پاپا! میں جانے کب سے اپنے ہونے کا سبب تلاش رہا ہوں کبھی کتابوں کی دنیا میں پناہ لی تو کبھی رنگوں سے کھیل کر دھیان بٹایا، مگر میرے اندر کا انسان کبھی مطمئن نہیں ہو سکا، یہ میں شروع سے جانتا تھا کہ میں آپ سب لوگوں سے مختلف ہوں میں کبھی اپنے گھر میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر سکا، آپ کی فیملی باؤنڈنگ میں، میں شروع سے مس فٹ رہا ہوں، سو میں نے آج یہ فیصلہ کر لیا کہ میں اپنے ہونے کا مقصد تلاشوں گا، مجھے دنیا کی کسی ڈگری سے کوئی دلچسپی نہیں رہی اب، جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر چل کر میں اپنی صراط مستقیم کے راستے پر آنا چاہتا ہوں آپ لوگوں نے کبھی قرآن کھول کر احکامات خداوندی کو پڑھا ہے؟ آپ ہمیں دین کیا سکھاتے کہ آپ کا تو اپنا دین طاقوں میں سجا رہتا ہے، پاپا اپنی جماعت کے اہم رکن اور لیڈر ہیں، انہیں اس بات کی تو فکر رہتی ہے کہ اوپر سے کیا آرڈر آئے ہیں، کس کے حکم کی کس طرح تعمیل کرنی ہے یا کروانی ہے مگر وہ جو عرش پر مستوی ہے اس کا حکم کسے یاد رہتا ہے، پاپا وہ عالم الغیب جو ہم سے کہتا ہے۔

''جو مسلمان بغیر عذر بیٹھے رہتے ہیں وہ اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے لڑتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ (سورہ النساء 95)۔''

آپ نے یہ سبق نہ خود پڑھا نہ ہمیں پڑھنے دیا، اللہ کی کتاب ریک میں سجانے کے لئے نہیں ہے پاپا، خدارا اسے نکال کر پڑھیں اور سمجھیں کہ طریق زندگی کیا ہے، چار روزہ دنیا کے لئے آپ نے مذہب کو یکسر فراموش کر رکھا ہے، کیا آپ کو اللہ کی طرف لوٹ کر نہیں جانا، جب قرآن کہتا ہے، ''ہر رشتے فنا ہو جانے والی ہے، تو آپ موت سے اس قدر غافل کیوں ہیں میرا خالق کہتا ہے۔''

''تو جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچنا چاہتے ہیں انہیں چاہتے کہ اللہ کی راہ میں قتال کریں۔''

''یہ مجھ سے میرا پیدا کرنے والا کہہ رہا ہے ہی کسی بنی نوع انسان کی تعلیمات نہیں ہیں، نہ میں کسی کے بہکاوے میں آیا ہوں یہ راستہ میں نے خود چنا ہے، بس مجھے اس زندگی پر ندامت ہے جو میں نے غفلت کی نذر کر دی، میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس آدمی کے پاؤں اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوئے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی'' (بخاری)۔''

کتنا خوبصورت فرمان ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی راستہ ہوگا، یہ راہ تو سیدھی جنت کی طرف لے کر جاتی ہے تو پھر میں جہنم کا سودا کر کے اپنی منزل کھوٹی کیوں کروں؟ میں نے اتنی اثر انگیز باتیں اور تعلیمات کبھی نہیں پڑھیں جواب پڑھ رہا ہوں، میرے محسن کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے'' مجھے یقین ہے رب العزت کو میرے عمل سے خوشی ہو گی، آپ لوگ الحمدللہ مسلمان ہیں، خدارا اپنے ایمان کو تازہ کریں انہیں بیدار کریں، اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے، آپ اپنے طرز زندگی اور اعمال کی معافی طلب کریں اس سے وہ انشاء اللہ درگزر کر دے گا، وہ خود کہتا ہے کہ میں غفور و الرحیم ہوں، بخشنے والا مہربان ہوں، آپ لوگ اپنے قول و فعل کا جائزہ لیں، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے رہبر و رہنما میسر آ گئے، جنہوں نے شر اور خیر کی تمیز سکھائی، ان کی باتوں پر عمل پیرا ہو کر میں اپنی منزل تک پہنچوں گا، آپ لوگ مجھے ڈھونڈنے کی حماقت مت کیجئے گا کیونکہ آپ کا بیٹا برف پوش پہاڑوں کی گہری کھائیوں میں دربدر ہونے جا رہا ہے، عبداللہ ڈار جو کلاشنکوف کی نال دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگتا تھا آج اس کے ہاتھوں نے وہی گن اٹھالی ہے، اس گن سے وہ غاصبوں کے خلاف جنگ لڑے گا، ظالم بھارتیوں سے ظلم کا حساب لے گا، انشاء اللہ۔

اور اسی سے کہئے گا کہ عبداللہ کی زندگی کی واحد خوشی رابعہ ڈار تھی، جسے آپ کے ہائی اسٹیٹس اونچے جھروکوں والی عمارت اور عیش و عشرت کی باتوں نے چھین لیا، وہ اپنی محروم تمنا کے لئے

ہمیشہ آپ سے شاکی رہے گا، میں آئندہ کبھی اس در پر لوٹ کر نہیں آؤں گا جہاں سے میرے عزیز از جان چچا جان کو بے عزت کر کے نکالا گیا، اس دن سے میں سکون سے سو نہیں سکا ہوں، آپ لوگوں نے اچھا کیا یا برا، بہرحال مجھے تو میری منزل کا یقین کرنے میں آسانی ہو گئی، آپ لوگ گمان کرنا کہ عبداللہ آپ لوگوں کا بیٹا کبھی تھا ہی نہیں، دعا کیجئے گا کہ میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کروں۔

دعا کا طالب
عبداللہ ڈار

آنسوؤں نے ان کا چہرہ بھگو ڈالا تھا، وہ اپنی اپنی جگہ مجرم تھے، ان کا بیٹا انہیں سزا دے گیا تھا، وہ اطلس و کمخواب کے نرم بستر پر خالی ہاتھ بیٹھے تھے، انہوں نے ساری زندگی جو بویا تھا اس کی فصل کاٹنے کا وقت آ چکا تھا، اب کسی کو دوش دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا، بے شک ہوتا وہی ہے جو قدرت چاہتی ہے، ان کے ایمان کی آخری حرارت نے انہیں باور کروایا تھا، عبدالصمد ڈار اپنے دوسرے بیٹے کو کھو کر نیم پاگل سے ہو گئے تھے، عیش و عشرت کے نشے میں مدہوش، سزا و جزا کے دن سے غافل پرندہ آج منہ کے بل زمین پر گر پڑا تھا۔

''اے غیب اور حاضر کے جاننے والے! اپنے بندوں کے درمیان تو ہی فیصلہ کرے گا (مسلم)۔''

☆☆☆

میں نے بیزاری کے عالم میں اخبارات اٹھا کر سینٹرل ٹیبل پر ڈال دیئے، دہشت بھری خبروں کے سوا اب کیا ہوتا ہے ان کاغذوں میں..... ویسے ہم صحافی بھی عجیب ہوتے ہیں ہر وقت ہی اندوہ ناک اور دلروز خبروں میں گھر سے رہتے ہیں اور حیرت ہے پھر بھی زندہ دلی سے جیتے ہیں، تین چار صفحوں کا وہ اخبار جواب میں نے بے زاری سے ایک طرف ڈال دیا تھا، یہ ہماری دن رات کی بے تحاشہ محنت اور کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے، قارئین حضرات پانچ دس منٹ میں پڑھ کر فراغت حاصل کر لیتے ہیں اور ہم جان توڑ سخت سے ذرا ذرا سی خبروں کے پیچھے دن بھر بھاگتے رہتے ہیں گو کہ اب انٹرنیٹ نے کافی سہولت دے دی ہے مگر پھر بھی جائے وقوعہ پر پہنچ کر عرق ریزی سے تمام معاملات کا جائزہ لینا اور پھر واقعے کو خبر کی شکل دینا آسان کام ہے بھلا، پہلے فیکس کے ذریعے متعلقہ شعبے تک نمبر کی ترسیل پھر ایڈیٹنگ، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے بعد جا کر یہ اخبار کی زینت بنتی ہے اور ایک دن کے اخبار میں دنیا جہاں کی خبریں ہوتی ہیں اور کتنے لوگوں کی محنت کا شاخسانہ، خیر میں کسی ''ایوارڈ'' وغیرہ کے لالچ میں اپنے روز و شب کا احوال نہیں سنا رہا بلکہ اصل دکھ تو احسان فاروقی کے زخموں کا تھا، جیسے کسی لیڈر کے پالتو کتوں نے اغواء کر کے نہ صرف تاوان وصول کیا بلکہ دھنائی بھی خوب کی تھی، آج کل صحافتی حلقے میں یہی خبر ہاٹ کیک بنی ہوئی تھی، ہمارا طبقہ اپنی جان و مال کے تحفظ کے لئے خاصا پرجوش ہو رہا تھا، ہماری دنیا میں خبروں کو بریک اپ کرنے کے لئے مقابلے کی فضا کتنی ہی کیوں نہ بنی ہو ایسے موقعوں پر اخوت و اتحاد کا جذبہ بہت ٹھاٹھیں مارتا ہے، میں خود آفس سے نکل کر اس کی عیادت کے لئے جانے کا سوچ رہا تھا، عجب بوجھل سی طبیعت تھی، دل چاہ رہا تھا کہیں دور وادیوں میں نکل جاؤں جہاں کوئی دکھ اور پریشانی ہو نہ فکر و فاقہ مگر اکیلا نہیں یازش کے سنگ۔

یازش کا تصور ذہن میں آیا ہی تھا کہ تھکن کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس زائل ہونے لگا، آج کام کا اتنا برڈن تھا کہ سیل فون کی طرف دھیان ہی نہیں گیا جسے میں عموماً سائیلنٹ پر ہی رکھتا تھا، جیب سے موبائل نکال کر میں نے ان بکس کھولا تو پورے گیارہ میسج آئے ہوئے تھے اس کے..... غالباً اسے کوئی کام تھا، میں نے جلدی سے بٹن پش کر کے میسج پڑھنے شروع کیے۔

''کشمیر کے حوالے سے کوئی نظم ہے تو سینڈ کریں۔'' ایک دو میسجز میں یہ بات تھی اور پھر اسے غصہ آ گیا تھا کہ میں کہاں غائب ہوں۔

''زندہ ہیں تو اطلاع دیں۔'' اس کا آخری میسج ابھی ملا تھا، میں بے ساختہ مسکرا دیا۔

''جی جناب!''

تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں
جان بہت شرمندہ ہیں

میرا انداز خود بخود شوخ ہو گیا۔

''آپ بس شرمندہ ہی ہوتے رہا کریں اور تو کوئی کام نہیں کچھ کہا تھا ہم نے یاد ہو تو۔'' وہ بھری بیٹھی تھی۔

''یار! دیکھنا پڑے گا نہ..... اب میں کوئی کمپیوٹر تو ہوں نہیں کہ کھٹ سے مواد مہیا کر دوں۔''

''جلدی دیکھ کے بتائیں ورنہ ہم کسی فرینڈ کا دماغ کھائیں۔''

''اپنی ڈائریاں چیک کرو نا، وہ کس مرض کی دوا ہیں۔''

''ہم بہت یونیک سی نظم چاہتے ہیں، حنا کے لئے آرٹیکل لکھ رہے ہیں نا۔''

''اچھی بات ہے، میں دیکھ کر سینڈ کرتا ہوں صبر کرو۔''

''اوکے، آپ کر کیا رہے تھے؟''

''آفس میں ہی بزی تھا، اب احسان کی طرف جا رہا ہوں۔''

''کیوں آپ پر کیا احسان کر دیا احسان صاحب نے۔''

''ارے یار! میں نے نہیں کیا بلکہ اس بے چارے پر کسی نے کر دیا ہے خیر سے ہاسپٹلائز ہے۔''

''اوہ..... اس کا مطلب ہے اب آپ بزی ہیں۔''

''کیوں، تمہیں کوئی کام تھا کیا؟''

''افوہ، اتنا مطلبی سمجھ رکھا ہے آپ نے ہمیں۔'' وہ برا مان گئی۔

''اس کے بعد میں نے ''سسرال'' جانا ہے اسی لئے پوچھا کہ شاید.....'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''جی نہیں ہمیں کوئی کام نہیں ہے، اوکے ہمیں لکھنا ہے بعد میں بات ہو گی۔''

''توبہ کتنی مطلب پرست ہو یار، پھر کہتی ہو.....'' میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

''تو آپ کو بھی تو جانا ہے نا ہاسپٹل۔''

''وہ میں چلا جاؤں گا، تم بات کرو، موڈ ہو رہا ہے۔''

''اور ہمارا لکھنے کا موڈ ہو رہا ہے۔''

''اوکے، تو پھر لکھو۔'' لکھنے پر تو اس کا موڈ بمشکل راضی ہوتا تھا اس لئے میں نے فوراً اس کی جان چھوڑنا چاہی مبادا اس کا موڈ نہ بدل جائے۔

''خفا ہو گئے؟''

''نہیں یار! مجھے تو خوشی ہوتی ہے جب تم لکھتی ہو، اوکے لکھو شاباش۔'' سیل جیب میں ڈالتے ہوئے میں فوراً ہی اٹھ گیا کیونکہ ابھی تک مجھے عنایت صاحب نظر نہیں آئے تھے اور بہتر تھا کہ ان کی نظر کرم پڑنے سے قبل ہی میں رفو چکر ہو جاؤں۔

☆☆☆

لاکھ ارزاں ہو مسلمان کا لہو
کتنا روشن ہے مگر
جگمگاتے ہوئے سورج کی طرح
جس زمین پر یہ
برس جاتا ہے لمحہ بھر کو
وہ زمین مطلع انوار نظر آتی ہے
اور وہ خوش بخت و سرفراز زمین
جس کے سینے میں کہیں
نور کی ایک کرن زندہ ہو
اس کو انوار کے محشر میں بدل دیتا ہے
شب کے عفریت کو
پل بھر میں کچل دیتا ہے
کتنا روشن ہے مسلمان کا لہو

☆☆☆

کنٹرول لائن کی حد عبور کرنا انتہائی دشوار ترین امر ہے مگر پاک دھرتی کا لمس پانے کا جنوں راہ کی کٹھنائیوں کو سہل بنا دیتا ہے، وہ سر خوشی کے عالم میں بابو جی اور ماں سے الوداعی ملاقات کرنے آیا تو دل میں خدشہ تھا کہ شاید انہیں اچھا نہ لگے، اسی لئے ہچکچاتے ہوئے اطلاع دی اور یہ قابل حیرت بات تھی کہ انہیں اس بات کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔

''ہمیں علم ہے حمزہ!'' بابو جی نے رسانیت سے کہا تھا۔

''ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ تمہیں زندگی کے ہر مقصد میں کامرانی دے۔''

''میرے سلمان شاہ کی شہادت کا بدلہ تو نے لینا ہے حمزہ! یہ بات وہ بھی جانتا تھا اس لئے اس نے اپنی گن تیرے حوالے کی۔'' ماں جی کی آنکھیں نم تھیں۔

''انشا اللہ۔'' وہ جذب سے بولا تھا پھر زرمینے اور حذیفہ سے مل کر وہ گھر سے نکل آیا تھا، اس کی زندگی کے عظیم خواب کی تعبیر ملنے والی تھی، اس کی خوشی دیکھتے سے تعلق رکھتی تھی، کنٹرول لائن پار کرنا درحقیقت آگ کا دریا پار کرنے کے مترادف تھا، دشوار گزار راستے، بلند و بالا پہاڑوں پہ سفر، گھنے اور تاریک جنگلات سے گزر کر برف پوش چوٹیوں اور تند و تیز آبی گزرگاہوں سے بچ کر چلنا اور سب سے بڑھ کر بھٹک جانے کا خدشہ اور جگہ جگہ بھارتی فوج کے مورچوں کی موجودگی سے لاعلمی قدم قدم پر موت کا جال بچھائے رکھتی ہے، ذرا جو نگاہ کی چوک ہو اور صیاد کے قفس میں اسیری کی اذیت مقدر ہو جاتی ہے، ہر سال ہزاروں کشمیری ان پرخطر راہوں کی پرواہ کیے بناء کنٹرول لائن پار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ راستے میں ہی کٹ مر جاتے ہیں پھر نہ ان کا کوئی مدفن ہوتا ہے نہ مزار۔

یہ برفباری کا پہلا ہفتہ تھا، جب گیارہ افراد پر مشتمل ان کا گروپ پاکستان جانے کے لئے روانہ ہوا ان کے ہمراہ ایک گائیڈ بھی تھا، عموماً اس طرح کے سفر میں دو سے زائد گائیڈ رکھے جاتے ہیں تاکہ ایک بھٹک جائے تو دوسرا رہنمائی کر سکے تاہم انہیں کوشش کے باوجود ایک ہی گائیڈ میسر ہوا اور انہیں اسی پر اکتفا کرنا پڑا، سرد برفیلی شاموں اور خنک صبحوں میں ان راستوں کا سفر اور بھی دشوار ہو جاتا ہے مگر بدن کو چیر دینے والی یخ ہوائیں، برف باری اور دھندلے راستے عزم و استقلال کے سامنے دم توڑ جاتے ہیں، کیونکہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ گرم موسم کی نسبت برفیلے موسموں میں بھارتی فوجی اپنی پناہ گاہوں سے کم ہی باہر نکلتے ہیں۔

ان کے سفر کا آغاز وادی لولدب سے ہوا تھا، ان میں سے ہر ایک کے پاس کم از کم بیس کلو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوجھ لدا ہوا تھا جس کا بڑا حصہ آٹو میٹک گن، اس کے ایمونیشن اور خوراک پر مشتمل تھا، ان کی خوراک میں گندم، مکئی اور دودھ سے بنائی گئی روٹیاں تھیں جن میں دیسی گھی جذب کیا گیا تھا، یہ خشک خوراک ہفتوں محفوظ رہ سکتی ہے، اس کے علاوہ ابلے ہوئے گوشت کے خشک ٹکڑے بھی تھے، سردی سے محفوظ رہنے کے لئے انہوں نے سامان کر رکھا تھا، لیکن پھر بھی ٹھنڈی یخ ہوائیں ان کے ہاتھ پاؤں سن کر دیتی تھیں۔

☆☆☆

عبداللہ ڈار کو اپر گراؤنڈ یونٹ میں خدمات سرانجام دیتے ابھی دو ماہ ہی ہوئے تھے کہ اسے اطلاع ملی کہ ان کے گھر انڈین آرمی نے چھاپے مارنے شروع کر دیئے ہیں، عبدالاحد جن کی ساری زندگی بھارتی سرکار کو خوش کرتے اور کانگریس سے وفاداری نبھانے میں گزری تھی، ان کا چھوٹا بیٹا انہی کے مخالف چل نکلا تھا، اس سے بڑھ کر حیرت انگیز خبر کیا ہو سکتی تھی بھلا، عبداللہ کی زندگی جن خطوط پر استوار کی گئی تھی وہ مجاہدین اور تحریک آزادی کے قطعی الٹ تھی لیکن پھر بھی وہ اس راہ کا مسافر بن گیا جس پر اس کے باپ بھائی جہادی کاروائیوں کے شیدائی مجاہدین کے لئے بارود بچھایا کرتے تھے۔

وہ ان دنوں ہائیڈ آؤٹ میں تھا، اس کے محلے دار حسیب نے ابو طارق کے ذریعے اسے اطلاعات فراہم کی تھیں کہ اس کے گھر دوسری بار چھاپہ پڑا ہے اور آرمی اس کے والد عبدالاحد ڈار کو گرفتار کر کے لے گئی ہے، انصار گیلانی صاحب نے اسے تسلی دی تھی کیونکہ وہ اپنی وجہ سے اپنے ماں باپ کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا، اس لئے پریشان ہو گیا تھا۔

''تمہارے والد جلد چھوٹ جائیں گے، ان کا اپنا ریکارڈ تو صاف ہے بالکل۔'' وہ بولے تو وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''اب تمہارا کچھ عرصے کے لئے منظر عام سے غائب رہنا ہے بہت ضروری ہے، تمہارا سوپور چلے جانا بہتر ہوگا، بلکہ میرا خیال ہے تم گلمرگ چلے جاؤ۔''

''مگر وہاں مجھے کوئی نہیں جانتا، نہ میرے رشتے دار وغیرہ ہیں وہاں۔'' اس نے لاعلمی خیالات سے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہیں کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہے کامریڈ، صرف مجاہد کہہ دینا کافی ہوگا۔'' وہ شفقت سے مسکرائے۔

''اور تم دیکھو گے کہ ہر گھر کا دروازہ تمہارے لئے کھل جائے گا، بہرحال گلمرگ میں ہماری تنظیم کے ذمہ داران بھی موجود ہیں، وہ تمہاری رہائش کا انتظام کر دیں گے۔'' اور انصار گیلانی کی بات غلط نہیں تھی جب سے وہ مجاہدین کے ساتھ شامل ہوا تھا، لوگوں کا رویہ یکسر بدل گیا تھا، پہلے جن آنکھوں میں اس کے لئے نفرت اور بیزاری جھلکتی تھی اب انہی آنکھوں میں اس کے لئے تحسین اور عزت و احترام چھلکتا تھا، وہ سادہ دل لوگ اسے بہت اہمیت دینے لگے تھے، اس کے آگے بچھ بچھ جاتے تھے، جہاد فی سبیل اللہ نے اسے چند ہی دنوں میں اسے وہ مقام و مرتبہ دے دیا تھا جو انیس برس بعد ہی اسے عبدالاحد ڈار کا بیٹا ہونے کے باوجود نہ مل سکا تھا، وہ شروع سے ہی یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کے ساتھ اچھوتوں والا سلوک نہ کریں، اس کے محلے دار اسے جن تمسخر بھری نظروں سے دیکھتے تھے وہ بہت اذیت ناک امر ہوتا تھا اس کے لئے مگر اس کی قسمت کے صحیح فیصلے نے اسے ہر خاص و عام میں ممتاز کر دیا تھا۔

انصار گیلانی کی تجویز پر عمل تو کرنا ہی تھا

تاہم وہ سوچنے لگا کہ اگر اسے سوپور ہی جانا ہے تو وہ اپنے چچا کے گھر بھی جا سکتا ہے، وہ گھر جہاں ہر دوسرے دن اس کے قدم خود بخود اٹھ جاتے تھے اب گزشتہ چار ماہ سے اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا، چچا کے گھر کا خیال آنے پر اسے بے اختیار رابعہ یاد آ گئی، وہ پرعزم اور حوصلہ مند لڑکی جو ہمیشہ اسے صحیح غلط کا پتہ بتاتی تھی اسے زمانے کی گردشوں نے کتنا دور کر دیا تھا اس سے، وہ جس کی دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھول کھلا دیتی تھی کتنے دن ہو گئے تھے اس کا چہرہ دیکھے ہوئے اور تب ہی اسے یاد آیا کہ وہ پچھلے چار ماہ سے ایک بار بھی نہیں مسکرایا، سنجیدہ مزاج تو وہ پہلے بھی تھا اور اب تو اسے دنیا کی دلفریبیوں اور رنگینیوں سے قطعی دلچسپی نہیں رہی تھی، وہ اس وقت تنہا ہی تھا، اس کے ساتھی مختلف سرگرمیوں میں مشغول تھے، عالم تنہائی تھا یا وحشت دل، اسے رابعہ شدت سے یاد آنے لگی تھی، اتنی شدت سے کہ اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہو گئیں، اس کے آنسو اتنے بے مول تو نہیں تھے کہ کوئی اس کا درد بٹانے کی کوشش نہ کرتا مگر بعض دکھ انسان کی ذاتی جاگیر ہوتے ہیں اتنے ذاتی کہ وہ ان میں کسی کی شراکت گوارا نہیں کرتا، رابعہ سے اس کا دل کا رشتہ تھا، جو اٹوٹ بندھن نہ سہی مگر اور زندگانی کی خوشیوں اور مسرتوں سے جڑا ہوتا ہے، یہ ٹوٹ جائے تو ہر کشش بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو یاد کر لیتا تھا مگر ان کی یاد اس کی آنکھوں میں پانی نہیں لاتی تھی، یہ تو صرف رابعہ کی ذات تھی جو جانے کب سے اس کے دل کے نہال خانوں میں بس رہی تھی اور حقیقت بھی یہی تھی صرف وہی تھی جو اس کے چہرے کا ہر رنگ محسوس کر لیتی تھی، اس کے ماتھے کی شکن، چہرے کے اضطراب اور لبوں کی مسکان اسے ہر احساس کی خبر دیتی تھی، وہ پوچھے بنا اس کا مزاج بھانپ لیتی تھی، وہ بھی موسموں کی آشنا لڑکی اس کی غفلت میں ہی اس سے بہت دور چلی گئی تھی، وہ آنسو چھپانے کی غرض سے باہر نکل آیا تھا، اندھیرا چاروں طرف پر پھیلا چکا تھا، سرمئی شام گہری ہو گئی تھی، فضا میں پرندوں کا شور و غل تھا، وہ اس پیڑ کے پاس چلا آیا جس کی ایک شاخ پر اس نے کئی دن پہلے ترنگ میں آ کر اپنے اور رابعہ کے نام کے پہلے حروف کھود دیئے تھے، وہ حروف اسے اندھیرے میں نظر نہیں آ رہے تھے مگر وہ ہاتھ پھیر کر انہیں تلاشنے لگا۔

''تو پھر ٹھیک ہے ہمارا راستہ تو ازل سے جدا ہے۔'' اس نے کہا تھا اور کتنا غلط کہا تھا وہ تو ازل سے اس کے ہمراہ تھا، وہ سفر میں ساتھ تھی یا نہیں مگر وہ اس کی موجودگی ہر پل محسوس کرتا تھا۔

''تمہارے اور ہمارے طرز زندگی اور نظریہ حیات میں بہت فرق ہے عبداللہ!'' اس نے جھٹکے سے پیڑ کی شاخ اس سے علیحدہ کر دی۔

''رابعہ! میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے وہ طرز زندگی اور عیش و عشرت سے مزین حیات ٹھکرا دی ہے میں بالکل تم لوگوں کی طرح بن گیا ہوں رابعہ! میں بدل گیا ہوں۔'' وہ سسکنے لگا۔

''میں چچا جان کی طرف جاؤں گا اور انہیں باور کرواؤں گا کہ میرے متعلق ان کا اندازہ کتنا غلط تھا، میں کیوں نہیں بدل سکتا تھا، میرے لہو میں میرے چچا کے خون کی تاثیر بھی ہے میں ساری عمر اپنے باپ بھائیوں کے ساتھ رہ کر ان جیسا نہیں بن سکا تھا پھر کیوں نہیں سمجھے تم لوگ مجھے، ایک بار آزمایا تو ہوتا۔'' وہ تڑپ تڑپ کر رونا چاہتا تھا لیکن آج بھی ایک مجبوری نے اسے گھیرے میں لے لیا تھا، وہ گھٹنوں میں سر دیئے بے آواز رو رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا، فضا یکدم ہی بہت بوجھل اور اداس ہوگئی تھی۔

دشت ہجراں میں سایہ نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں تیرے آبلہ پا تیرے بعد
تجھ سے بچھڑا تو مرجھا کے ہوا برد ہوا
کون دیتا مجھے کھلنے کی دعا تیرے بعد

☆☆☆

سفر کے پانچویں روز وہ علاقہ شروع ہوگیا تھا جہاں سے آبادکاری کی حد ختم ہوتی تھی، ایک طرح سے یہ فوجی علاقے تھے جو بھی آباد ہوتے تھے مگر بھارتی فوجیوں کے بے پناہ مظالم نے مظلوم کشمیریوں کو یہاں سے رخصت سفر باندھنے پہ مجبور کر دیا تھا، آسمان کو چھوتی بلند و بالا چوٹیوں والے ہیبت ناک پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، یہ سلسلہ پیر پنجال کہلاتا تھا، دشوار گزار راستے تنگ پگڈنڈیاں اور جگہ جگہ گہری کھائیاں تھیں، ایک قدم کی معمولی سی لغزش موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی، وہ جان ہتھیلی پہ لئے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے اور ابھی تک سیدھے راستے پر ہی تھے، وہ پہاڑی ڈھلان کی طرف جا رہے تھے کہ بالکل غیر متوقع طور پر ان کا سامنا انڈین آرمی کی پارٹی سے ہوگیا، سب سے پہلے حمزہ شاہ کی ہی نظر پڑی تھی، اس نے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو تنبیہ کیا، وہ تمام وہیں ساکت ہوگئے۔

"انہیں قدموں پہ واپس پلٹو۔" ابوعکاشہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا تو وہ سب منتشر ہو کر درختوں کی آڑ میں ہوگئے، وہ تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھے اور ایک پگڈنڈی پر چل رہے تھے، وہ وقتی طور پہ ان کی نگاہوں میں آنے سے محفوظ رہ گئے تھے، لیکن ان کا رخ انہی کی طرف تھا، وہ ان تک پہنچتے تو حالات بگڑ جانے کا خدشہ تھا۔

"روشنی کافی ہے، ہم ان سے بچ نہیں سکتے۔" مشتاق نذیر نے حمزہ شاہ کی طرف دیکھا۔

"ہمیں ان پر حملہ کرنا ہوگا۔" وہ بھی متفق تھا۔

"لیکن اگر ہم نے فائر کیا تو انڈین فوج ہماری موجودگی سے باخبر ہو جائے گی۔"

"مجھے علم ہے لیکن ہم ان پر خاموش ہتھیاروں سے حملہ کریں گے۔" ابوعکاشہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پنڈلی کی نیام سے بندھ خنجر نکال لیا، ایسے خنجر ان سب کے پاس تھے، پھ انہوں نے اشارے سے چھ افراد کا انتخاب کرتے ہوئے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا، چا افراد نے حملہ کرنا تھا، جبکہ دو افراد مدد کے لئے تھے، بھارتی فوجیوں کی تعداد چار تھے، وہ نہایت خوشگوار موڈ میں بے فکری سے قہقہے لگاتے ہوئے آ رہے تھے، اس بات سے بے خبر کہ موت فرشتہ دبے قدموں انہی کی طرف بڑھا رہا ہے جیسے ہی وہ قریب آئے، دونوں اطراف میں چھپے فدائیوں نے بھرپور حملہ کر دیا، فوجی اس اچانک افتاد سے بری طرح گھبرا گئے، انہوں بوکھلاہٹ میں رائفلیں سیدھی کیں مگر اجل موقع نہیں دیا، وہ فوراً ہی تڑپ کر گر پڑے، با دو نے مزاحمت کی سر توڑ کوشش کی لیکن چار مجاہدان پر حاوی ہوگئے تھے۔

"تم لوگوں کی چیک پوسٹیں کہاں کہاں ہیں۔" ابوعکاشہ نے ایک کو جھٹکا دے کر پوچھ ان کے دبنگ اور گمبھیر لہجے کی دھمک نے ا فوراً اتنا نے پر آمادہ کر دیا، وہ فر فر بولتا گیا اور نقشے پر متعلقہ جگہوں کی نشاندہی کرتے رہے، ا کے منصوبے پر سب کی داد بھری نظریں ان طواف کر رہی تھیں، پھر اسی خاموشی سے دونوں موت کی نیند سلا دیا گیا جس طرح کی پہاڑ کے سینے میں پھیلی تھی، سفاک، جامد اور وحش ناک خاموشی۔

☆☆☆

اگلے دن ہی وہ اپنے چچا عبدالصمد کے گھر چلا آیا تھا، دروازہ انہوں نے ہی کھولا تھا، ایک پل کے لئے تو وہ اسے بالکل پہچان نہیں پائے۔

"عبداللہ!" ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"جی!" اس کے انداز میں سابقہ گرمجوشی نہیں تھی، دل دنیا بھر سے توشا کی رہتا تھا۔

"یہ تم ہو عبداللہ!" وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لئے اسے تک رہے تھے پھر خیال آنے پر جلدی سے بولے۔

"آؤ..... آؤ..... اندر آؤ۔" انہوں نے دروازہ پورا کھول دیا وہ بار بار حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا شاید، مکمل خاموشی تھی۔

"آؤ بیٹھو۔" انہوں نے جلدی سے چارپائی پہ بچھے کھیس کو درست کر کے اسے بیٹھنے کو کہا، وہ خاموش نگاہوں سے در و دیوار کو دیکھتا چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے اطلاع تو ملی تھی لیکن یقین تمہیں دیکھ کر آیا ہے۔" وہ دودھ کا گلاس بھر کر لے آئے۔

"کون آیا ہے بابا جان!" رابعہ نے کمرے سے جھانک کر پوچھا، عبداللہ نے اس کی آواز پر فوراً گردن گھما کر کمرے کی طرف دیکھا۔

"عبداللہ!" اس کی سیاہ آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں اور عبداللہ تو نظر ہٹانا بھول گیا، سیاہ دوپٹے کے ہالے میں اس کی سرخ و سفید رنگت دمک رہی تھی۔

"واقعی عبداللہ ہی ہو نا۔" وہ باہر چلی آئی، حسین شیو وجاہت سے بھرپور چہرہ سنت رسول سے مزین تھا اور جدید تراش خراش کے فیشن ایبل لباس کے بجائے اس کے بدن پر معمولی شلوار قمیض اور صدری تھی، پھر وہ کیسے یقین کرتی کہ وہ عبداللہ ہی ہے۔

"ہاں رابعہ! یہ عبداللہ ہی ہے۔" عبدالصمد بے حد خوش تھے۔

"میں زلیخاں کو کھیتوں سے بلا کر لاتا ہوں وہ بہت خوش ہوگی تمہیں دیکھ کر۔" وہ مسرت بھرے لہجے میں کہتے باہر نکل گئے۔

"تم کتنے بدلے بدلے لگ رہے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اور تم نے کہا تھا کہ میں بدل نہیں سکتا۔" اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا، رابعہ کے مسکراتے لب ایک دوجے میں پیوست ہوگئے، اسے اپنی کہی ہر بات یاد تھی۔

"ہاں، کہا تو تھا، تم تو واقعی بدل گئے ہو اور حیرت ہے تایا جان اور....."

"یہ میرا سراسر ذاتی فیصلہ ہے۔" اس نے بات کاٹ دی۔

"کیا انہوں نے تمہیں منع نہیں کیا؟"

"میں گھر چھوڑ چکا ہوں۔"

"عبداللہ!" وہ ششدر رہ گئی، وہ بزدل اور ڈرپوک سا لڑکا اتنا بڑا فیصلہ تن تنہا کر گیا تھا۔

"کب کی بات ہے؟"

"تین ماہ ہوگئے ہیں تقریباً۔" وہ جوتے کی ٹوہ سے زمین کھرچ رہا تھا۔

"تم نے انہیں بتایا بھی نہیں، کیا انہوں نے ڈھونڈا نہیں، انہیں علم ہے کہ تم۔" وہ بے ربط جملے بول رہی تھی۔

"وہ جانتے ہیں سب۔"

"عبداللہ! پھر تو ان کے خدشات درست ہوگئے ہیں، وہ تو یہی کہیں گے کہ بابا جان نے تمہیں بہکایا ہے، حالانکہ بھٹکے ہوئے تو وہ لوگوں ہیں مگر انجان بنے رہتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے کسی کے کہنے سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، شاہینہ باجی ٹھیک ہیں اپنے گھر میں۔"

"ہاں..... وہ" رابعہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی، کیا بتاتی کہ ان پر تو قیامت بیت چکی ہے، اب تو اجڑی ہوئی بستی کا گمان ہوتا ہے۔

"عبداللہ! کیا تم دلی آمادگی کے ساتھ اس راستے پہ آئے ہو؟"

"ہاں!"

"کوئی ملال یا پچھتاوا تو نہیں؟"

"جب حق پرستی کا شیوہ اپنایا ہے تو ملال و حزن کیا رابعہ! میں تو آسودہ ہوں کہ مقصد حیات تلاش کرلیا وگرنہ اندھیروں میں بھٹکتا رہتا۔"

"ٹھیک کہتے ہو عبداللہ! ہم مستعار شدہ سانسوں پر جیتے ہیں، خبر نہیں کب اجل لینے آپہنچے اس لئے بہتر ہے نہ کہ زندگی اسلام کے کام آجائے، میں تو خود جہاد کرنا چاہتی ہوں، میں نے بابا جان سے گن چلانی سیکھی ہے۔" اس نے جوش سے بتایا۔

"تم تو شروع سے بہت بہادر ہو رابعہ! بڑے سے بڑا فیصلہ بھی آسانی سے کر لیتی ہو تمہارے لئے گن چلانا کون سا مشکل کام ہے۔"

"مذاق اڑا رہے ہو؟"

"نہیں..... جن کے ساتھ قسمت مذاق کر چکی ہو وہ دوسروں کا مذاق نہیں اڑاتے، میں تو تمہاری صلاحیت کا اعتراف کر رہا ہوں۔"

"تم مجھ سے ناراض ہو عبداللہ!" اس کے لہجے میں یاسیت گھلنے لگی۔

"میں نے انسانوں سے توقعات باندھنی چھوڑ دی ہیں اب یوں بھی جو راستہ میں نے اپنایا ہے وہاں ذاتی اغراض و مقاصد بے معنی ہیں، پھر ناراضگی چہ معنی دارد۔"

"تم واقعی بہت بدل گئے ہو، تمہاری باتوں میں اتنی گہرائی کبھی بھی نہ تھی۔"

"اچھا ہے نا بدل گیا ہوں، تم یہی تو چاہتی تھیں۔"

"مجھے خوشی ہو رہی ہے عبداللہ تمہیں اس طرح دیکھ کر مگر ساتھ ہی ایک خلش بھی ہے، میں نے تمہارا دل دکھایا ہے نا۔"

"چھوڑو رابعہ! ایسی باتیں کیا کرنی جن کا کوئی فائدہ نہیں، چچا جان نے کافی دیر نہیں لگا دی۔"

"تم ملنے آئے ہو یا.....؟" رابعہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"انڈین آرمی نے پاپا کو اریسٹ کرلیا ہے وہ میری گرفتاری کے لئے چھاپے مار رہی ہے میں ان دنوں روپوش ہوں، امیر جماعت نے گلمرگ جانے کے لئے کہا تھا مگر میں یہاں چلا آیا کہ شاید اس کے بعد کبھی ملاقات ہو یا نہیں۔"

"ایسے مت کہو عبداللہ!" رابعہ تڑپ کر بولی اسے عبداللہ کی باتیں دکھ دے رہی تھیں۔

"ہاں۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"رابعہ! جب آگ کا گلستان پار کرنے کا ارادہ کرلیا جائے تو زندہ لوٹ کر آنے کی امید نہیں رکھنی چاہیے، میں وضو کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مزید گفتگو سمیٹ کر اٹھ گیا، رابعہ گم صم کیفیت میں بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ان چاروں فوجیوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد وہ اپنی منزل پہ روانہ ہوئے تھے، گائیڈ کے مطابق صبح کاذب کے وقت انہیں اس پہاڑ کو عبور کرنا لازم تھا کیونکہ یہ سخت سیکیورٹی کا علاقہ تھا، چاند کی نویں تاریخ تھی، گھنے بادلوں کی اوٹ سے مدھم سی چاندنی برفاب پہاڑوں پر رقص کر رہی تھی، اگر وہ اندھیرے میں ہی یہ آخری چٹان

عبور کر لیتے تو بہتر تھا کیونکہ دن کی روشنی میں گشتی پارٹیوں کی نگاہ میں آجانے کا خدشہ تھا۔

ان کی بے تحاشہ مشقت اور سر توڑ کوششوں کی آخری شب تھی، منزل قریب آنے کے ولولے نے ان کی ہمت از سر نو بڑھا دی تھی، انہوں نے کچھ دیر ہی آرام کیا تھا اور پھر نئے سرے سے کمر کس کر سفر کرنے لگے، پہاڑی چوٹی سر کرنے کے بعد اب ڈھلوانی راستہ شروع ہو چکا تھا، گہری کھائیوں کے خوف کے باعث وہ احتیاط سے قدم رکھ رہے تھے، یہاں بھارتی فوج کی نظر میں آجانے کا خدشہ بھی تھا اور بالآخر ہوا بھی یہی، وہ کنٹرول لائن سے پچاس گز کے فاصلے پر تھے جب دائیں طرف ایک ایل ایم جی کا برسٹ ان کے سے کچھ فاصلے پر آ کر گرا، وہ فوری طور پر ایک ٹیلے کی آڑ میں ہو گئے، اگلے چند منٹ وہ وہیں دبکے رہے، آزاد کشمیر کی حدود قریب ہی تھیں مگر انہیں میدانی راستے سے گزر کر جانا تھا، انڈین فوجی بھی ہوشیار ہو چکے تھے اب انہیں یہاں سے گزرنا آسان نہیں لگ رہا تھا کیونکہ پہاڑی چوٹیوں پر بھارتی مورچے تھے جہاں سے انہیں با آسانی شکار کیا جا سکتا تھا، جنوب اور مغرب کی سمت سے انہیں خطرے کا امکان کم تھا، شمال میں آزاد کشمیر تھا اور مشرق میں انڈین چیک پوسٹ تھیں جنوبی سمت گھنا تاریک جنگل تھا، جہاں سے وہ آئے تھے، ان کے خیال میں وہ ٹیلے کے عقب میں ہو کر محفوظ ہو گئے ہیں تاہم فوجیوں نے ان پر مارٹر گولوں کی برسات کر دی۔

"یہاں ڈھلوان پینتالیس ڈگری سے کم ہے۔" ابوعکاشہ نے تشویش سے کہا وہ دوربین سے جائزہ لے رہے تھے۔

"گولہ اس پر سے ہوتے ہوئے ہم تک آ سکتا ہے۔" حمزہ شاہ کو عجب سی بے چینی نے گھیر لیا تھا، وہ کنارے تک آ کر ڈوبنا نہیں چاہتا تھا۔

"شاید اس حصے میں پاکستانی فوج کی پوسٹس نہیں ہیں۔" مشتاق نذیر نے اپنا تھیلا کھول کر اس میں سے ایک ٹریسر بلٹ نکال کر رائفل کی نال پر لگاتے ہوئے کہا۔

"لیکن شاید اسے دیکھ کر کوئی مدد کو آ جائے۔" انہوں نے ٹریسر فائر کیا اور ایک زرد آتشی گولہ بلندی پر جا کر پھٹ گیا، دس بارہ سیکنڈ تک وہ جلتا رہا پھر انہوں نے دوسرا بلٹ فائر کیا، بھارتی فوجی پھر سے مارٹر پھینکنے لگے، پانچویں دھماکے کے بعد ابوعکاشہ نے کہا۔

"ہمیں کسی بھی طرح کوشش کر کے یہاں سے نکلنا ہوگا وگرنہ سب یہیں مارے جائیں گے۔" مشتاق نذیر اطراف میں کسی پناہ کا جائزہ لے رہے تھے اچانک ہی ان کی نظر ٹیلے کے عقب میں موجود جھاڑیوں پر پڑی۔

"ہم میں سے کوئی ایک فرد زمین پر رینگتا ہوا ان جھاڑیوں تک جائے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ بھارتیوں کی ہم پر نظر پڑ سکتی ہے کہ نہیں، تب ہم یہیں سے جانے کی کوشش کریں گے۔" وہ پھول دار جھاڑیاں وہاں سے تقریباً دو فٹ کی بلندی پر تھیں، ان کا سلسلہ آزاد کشمیر تک پھیلا ہوا تھا، وہ وہاں سے تیس پینتیس گز کے فاصلے پر تھیں، ممکن تھا کہ وہاں سے رینگ کر جاتے ہوئے کسی فوجی کی نگاہ ان پر پڑ جاتی اور وہ عین منزل پر آ کر جان گنوا دیتے تاہم رسک تو لینا تھا، حمزہ کی بے تابی کا عالم سوا تھا، اسی نے یہ رسک لینے کا فیصلہ کیا۔

"میں جاتا ہوں۔" اس نے خود کو تیار کیا۔

"تم؟" ابوعکاشہ نے چند لمحے اسے دیکھا پھر منظوری دے دی، وہ قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے زمین پر پشت کے بل لیٹ گیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آہستہ آہستہ جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگا، ایک طرف موت کا خوف تھا اور دوسری طرف منزل کی طلب، محض دس منٹ بعد وہ ایک محفوظ جگہ پر پہنچ چکا تھا، اس دوران مسلسل مارٹر گولے برستے رہے لیکن معجزاتی طور پر وہ محفوظ رہا، اس کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، جھاڑیوں کی اوٹ میں جا کر وہ کھڑا ہو گیا اور رومال لہرا کر انہیں کامیابی کی نوید دی، اس کے بعد وہ سب ساتھی ایک ایک کر کے آزاد علاقے کی طرف آنے لگے، سب سے آخر میں مشتاق نذیر آئے اور انہوں نے سفر کا اختتام کیا، آزاد کشمیر کی سرزمین پر پہنچ کر انہوں نے با آواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

حمزہ شاہ نے سجدہ ریز ہو کر پاک مٹی کا بوسہ لیا اور اس لمس کی کیفیت نے اس کی ساری تھکن مٹا دی، اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے، آج اس کے خواب کی تعبیر کا رستہ مل گیا تھا۔

☆☆☆

احسان فاروقی کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی، مگر وہ بہت دل برداشتہ ہو رہا تھا۔

"کیا ہو گا ہمارے ملک کا یار! یہاں سچ لکھنے کی یہ سزا ملتی ہے۔"

"تو تجھے کس احمق نے مشورہ دیا تھا اتنی رات گئے سڑکوں کی خاک چھاننے کا۔" وہ جس وقت اغواء ہوا وہ رات تین بجے کا وقت تھا اور وہ تنہا سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا پھر رہا تھا۔

"مجھے "چلس" نے نہیں کھاتے داروں نے اٹھوایا تھا۔" وہ جیسے تنک کر بولا۔

"میرا مطلب ہے انہیں موقع مل گیا تجھے یاد دہانی کروانے کا کہ یہ پاکستان ہے یہاں کھلا سچ لکھا جا سکتا ہے ہضم نہیں کیا جاتا، صاحب لوگوں کا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔"

"اور ستم ظریفی دیکھو شیخ صاحب نے بھی مجھے فارغ کر دیا ہے کہ میں ان کی پالیسی کے مخالف چل رہا ہوں۔"

"نوکری کو چھوڑ..... یہ تو مل ہی جائے گی، کیا خیال ہے انتظار کاشف صاحب کو نہ جوائن کر لیں، وہ بہت اصول پسند شخص ہیں۔" میں اس کی فرسٹریشن نکالنا چاہ رہا ہے۔

"ہوں..... اصول پسند..... جہاں بات ذاتی مفاد پہ آ جائے وہیں ساری اصول پسندی دم توڑ جاتی ہے یہ شیخ صاحب..... کیسے بڑھ چڑھ کر بولتے تھے حکومت کے خلاف جب سے "ایکا" ہوا ہے، ساری پھوں پھاں نکل گئی۔"

"پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں۔"

"بہت گھسا پٹا محاورہ ہے، فی زمانہ سب کو دولت سے مطلب ہے، بلکہ ہمارے لوگوں نے بھی ٹرینڈ بنا لیا ہے، پیسہ بٹورنے کے لئے پہلے آنکھیں دکھاتے ہیں اور بعد میں حقائق سے نظریں چراتے ہیں، خالی خولی وہ واہ جتنی مرضی کر والو خیر ہم تو اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ ہیں، بے ضمیروں کے وطن میں جی رہے ہیں۔"

"ہاں یار! ہمارا اپنا دل مطمئن ہے تو سب سیٹ ہے، قلم کی طاقت اپنا لوہا منواتی ہے احسان! لہو جتنا بھی سفید ہو جائے دل سیاہ نہیں ہونا چاہیے، حق ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں زندہ رہتا ہے۔"

"مگر یار ہم جیسے لوگوں کے لئے یہ دنیا کتنی مشکلات کھڑی کرتی ہے، کتنے روڑے اٹکاتی ہے راہوں میں۔" وہ یاسیت سے آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔

"یہ راہ بہت پر خطر ہے، قدم قدم پر خریدار ملتے ہیں لیکن احسان ہمارے پاس جو سچائی اور ایمان داری کی دولت ہے نا یہ بہت انمول خزینہ ہے، اسے کبھی دولت کے معیار کے مقابل مت

لانا یار! ورنہ ہم بے مول ہو جائیں گے۔" میرا لہجہ بھی بوجھل ہو گیا حالانکہ میں خاصے خوش گوار موڈ میں آیا تھا۔

"ہوں۔" وہ غنودگی کی کیفیت میں تھا۔

"اچھا یار! میں پھر آؤں گا، بھابھی بھی انتظار کر رہی ہوں گی کہ میں کب تمہاری جان بخشی کروں اور وہ اپنے مجازی خدا کی سیوا کر سکیں۔" نرمین بھابھی پردہ کرتی تھیں، مجھے پندرہ منٹ سے زائد ہو گئے تھے، وہ باہر نکل گئی تھیں، بیڈ پر سے کی چین اٹھاتے ہوئے میں نے بشاشت سے کہا اور چائے کا خالی کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اٹھ گیا۔

"پھر آنا یار! میں انتظار کروں گا۔" اس نے ہاتھ ملایا، آنکھیں بمشکل وا تھیں۔

"انشا اللہ ضرور..... تمہارے گھر پہ آؤں گا، کافی دن ہو گئے انکل آنٹی اور زوار سے ملاقات ہوئے۔" میں نے قدم بڑھائے اور پھر دروازے سے نکلتے ہوئے ایک پل کو رکا۔

"جاب کی بالکل فکر مت کرنا میں آج ہی انتظار صاحب سے ملوں گا، او کے اللہ حافظ۔"

☆☆☆

عبد الصمد ڈار اس سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے، عبداللہ کی کایا پلٹ نے انہیں بے حد مسرور کیا تھا کہ کوئی تو ہے جو ان کے لہو کا حق ادا کرنے پر آمادہ ہوا، لیکن ایک بات جو انہیں پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی، وہ یہ تھی کہ ان کے بھائی آرمی کو یہ خبر نہ دے دیں کہ عبداللہ اپنے چچا کے گھر ہے۔

"چچا جان آپ بے فکر رہیں پاپا کو قطعی علم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔"

"مگر بیٹا! وہ آرمی کو میرا نام تو دے سکتا ہے، وہ تو یہی چاہے گا کہ میں اپنے کئے کی سزا پاؤں۔" مفاد پرستی نے اپنے لہو کو بھی بے یقین کر دیا تھا، عبد الصمد ڈار واقعی اپنی نیک نامی بچانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے تھے۔

"پھر میری موجودگی آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔" وہ بھی پریشان ہو گیا چچا نے مسکرا کر اسے دیکھا اور شفقت سے بولے۔

"ایسی پریشانیاں تو ہمارے لئے معمول بن چکی ہیں، مجھے اصل فکر تمہاری ہے میں تمہاری سلامتی چاہتا ہوں بیٹا! فی الحال تو کوئی خطرے کی بات نہیں ہمارے جوان گاؤں کے باہر پہرہ دے رہے ہیں۔"

"پھر بھی چچا! میں نہیں چاہتا میری وجہ سے آرمی یہاں آئے۔" اس نے پہلو بدل کر تا خشک کپڑے اتارتی رابعہ کو دیکھا۔

"اگر عبد الصمد نے بے وفائی کی تو عین ممکن ہے آرمی کریک ڈاؤن کرے ورنہ ہمیں خطرہ نہیں ہے۔"

"پاپا اپنی غرض کے لئے کسی کا بھی نام دے سکتے ہیں اتنا تو میں جانتا ہوں میرا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے۔" اس کے دل میں خزاں رسیدہ زرد پتے یادوں کی صورت بکھرنے لگے تھے، اس گھر اور اس کے مکینوں میں اس کی کتنی یادیں وابستہ تھیں، اس نے کبھی گمان بھی نہ کیا تھا یہی گھر اس کے لئے یکسر اجنبی ہو جائے گا اور رابعہ.....

وہ اس سے آخری بار تو پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے کس بات کی سزا مل رہی ہے لیکن موقع ہی نہیں ملا۔

"میرا تو خیال ہے تم کچھ عرصے کے لئے سرحد پار چلے جاؤ، اس طرح ایک تو انڈین آرمی کے سینوں میں بھڑکتی آگ سرد پڑ جائے گی اور دوسرے تم وہاں سے کمانڈو ٹریننگ لے کر آؤ،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تم اپنے جوہر بہترین طریقے سے آزما سکو گے۔"

"لیکن چچا جان میں پار جاؤں گا کیسے۔" عبداللہ کو ان کی بات سے اتفاق ہوا مگر آج کل حالات ٹھیک نہیں تھے۔

"میں نے تو سنا ہے بھارتی فوج نے سرحد پر پہرہ سخت کر دیا ہے، راستہ بھی بے حد دشوار ہے اور جگہ جگہ بارودی سرنگیں بچھا دی گئی ہیں۔"

"عبداللہ! میرے بیٹے عزم پختہ ہو تو راستے کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں ارادے کو متزلزل نہیں ہونے دیتے جانے والے اگر جانے کا ارادہ کر لیں تو کس کی مجال ہے کہ انہیں روک سکے، ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے، فوج نے پہرہ بہت سخت کر دیا ہے، انڈین آرمی بہت چوکنا ہوگئی ہے اور سفر بھی بہت مشکل ہے مگر آنے جانے والے آتے جاتے رہتے ہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہے تھے عبداللہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"واقعی چچا! بات صرف پختہ عزم وارادے کی ہوتی ہے پھر کچھ دشوار نہیں لگتا، شاہ صاحب بھی یہی کہتے ہیں، میں انشا اللہ ضرور جاؤں گا۔"

"انشا اللہ!" انہوں نے کہہ کر رابعہ کو آواز دی۔

"جی بابا جان!" وہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی چلی آئی، عبداللہ نے چہرہ جھکا لیا تھا۔

"عبداللہ کے لئے کھانا لے آؤ بیٹا پھر ہمیں کہیں جانا ہے۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے چچا جان!" اب تو ہر احساس ہی مٹنے لگا تھا۔

"پھر بھی تھوڑا بہت کھا لو بیٹا! جاؤ رابعہ لے آؤ۔"

"ابو منازل بھائی کیسے ہیں؟" رابعہ کے جانے کے بعد اس نے خاموشی توڑی۔

"وہ ان دنوں انڈین فوج کی قید میں ہے۔" انہوں نے اداسی سے بتایا۔

"کیا؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں چچا جان۔" اسے سخت حیرانگی ہوئی۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا! کسی نے مخبری کر دی تھی یہ اپنوں کے زخم بہت گہرے ہوتے ہیں عبداللہ! روح تک میں گھاؤ ڈال دیتے ہیں۔"

"اور شاہینہ باجی؟" اسے کچھ سمجھ نہ آئی کہ کیا کہے۔

"وہ غریب اپنے گھر میں ہے، اس کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوا، بھارتی ظلم کی داستان بہت سفاک ہے عبداللہ! یہ لوگ سینوں میں پتھر لئے پھرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ کوئی ان کے ظلم پہ اف بھی نہ کہے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مخبری کس نے کی؟"

"ہم نے پتہ چلایا تھا اور رشید ڈبلا نام ہے اس کا وہ بہت سے مجاہدین کو اریسٹ کروا چکا ہے۔"

"رشید ڈبلا!" عبداللہ نے نام ذہن نشین کیا، پھر وہ کچھ نہیں بولا، اس کے پاس کچھ کہنے کو تھا ہی نہیں۔

☆☆☆

سرگزشت جنگ ہے
یہ معرکہ اسی کا ہے
جو زندگی کو چھوڑ کر
جو موت کے محاصرے کو توڑ کر
محاذ پر وطن کی آبرو کے آفتاب کی چمکتی روشنی میں
محو جنگ ہے
زمانہ اسی کے نام کو
سنہرے حروف کے چمکتے تار سے لکھے گا
یاد کے ورق پر آرزو کے ہاتھ پر

فیصلہ کرو
یہ خود اداریت کی جنگ ہے

وطنیت کا تصور اس کے لئے خواب کی صورت تھا اسی لئے تو پاکستان سے اس کی والہانہ محبت اور عقیدت اس کے ان ساتھیوں کو حیران کرتی تھی جن کا پاکستان سے تعلق تھا، انہیں "وطن" جیسی نایاب نعمت میسر تھی اس لئے ان کے دل میں وہ جذبات اور احساسات نہیں تھے جو حمزہ شاہ کے دل میں تھے، اسے پاکستان دیکھنے کا انتہائی شوق تھا، وہ وہاں کی آزاد فضاؤں میں ایک بار سانس لینا چاہتا تھا، محسوس کرنا چاہتا تھا کہ آزادی کا احساس کتنا خوش کن ہوتا ہے، آزاد کشمیر کے برفیلے سرد پہاڑوں پر ٹریننگ کرتے ہوئے وہ ہر لمحہ دعا گو رہتا کہ یہ آزادی ان کا نصیب بھی بن جائے، پاکستان میں ان کے عزیز واقارب رہتے تو تھے تاہم ان کا آپس میں رابطہ نہیں تھا، عثمان کے بعد ندیم اشعر تھا جس سے اس کی بے تکلفی معمول سے ہٹ کر تھی وگرنہ وہ اپنے ساتھیوں میں بہت سنجیدہ طبع جانا جاتا تھا، ندیم اشعر کا تعلق پاکستان کے شہر لاہور سے تھا، وہ تین برسوں سے مختلف محاذوں پر اپنی جوانمردی کی داستانیں رقم کر چکا تھا، دو ہفتے قبل ایک کریک ڈاؤن میں اس کی دائیں ٹانگ شدید متاثر ہوئی تھی جس کے بعد اسے آرام کی غرض سے گھر بھیج دیا گیا تھا، وہ ان کی آمد سے چار دن پہلے لاہور آ چکا تھا، ندیم اشعر کو علم تھا کہ حمزہ شاہ کو پاکستان آنے کا جنون ہے اس لئے جب اسے ان کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً اسے لاہور آنے کی دعوت دے دی، ندیم کلی طور پر صحت یاب نہیں ہوا تھا، اس کی ٹانگ کے دو آپریشن ہو چکے تھے، وہ غازی بن کر لوٹا تھا، اس کی استقامت اور حوصلہ بلا کا تھا، وہ دعا گو تھا کہ اسے جلد صحت یابی مل جائے تاکہ وہ دوبارہ محاذ پر جا سکے، ندیم نے اسے دوسری بار کال کی تو اس کے اندر کی خواہش اسے پرجوش کرنے لگی کہ کم از کم لاہور تو اسے ضرور دیکھنا ہے، اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ لاہور ضرور آئے گا۔

☆☆☆

میں اس وقت "حریت" کے آفس میں بیٹھا بچوں کے میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا جب واحدی صاحب چلے آئے، یہ بھی میرے گنے چنے کرم فرماؤں میں شمار ہوتے تھے، وگرنہ تو صحافیوں سے ہر طبقے کے لوگوں کو خاصی شکایتیں رہتی ہیں۔

"اور بھئی جوان! کیا حال ہیں؟" سینٹرل ٹیبل سے "صالحات" کا تازہ شمارہ اٹھاتے ہوئے وہ صوفے پر نیم دراز ہوگئے۔

"گرمی کی مہربانی سے حال سے بے حال ہیں آپ سنائیں کیسے مزاج ہیں؟"

"شکر الحمدللہ، بہتر مزاج ہیں۔" وہ شگفتگی سے مسکرائے۔

"آپ کی شوگر کیسی ہے؟"

"بس یار! اِدھر اُدھر ہوتی رہتی ہیں، ٹینشن کا مرض ہے یہ تو ایسے ہی نام "شوگر" رکھ دیا، ڈاکٹر کہتے ہیں ٹینشن نہ لیں بھئی ہمیں شوق ہے، ٹینشن لینے کا یہ تو جب چیک اپ کرواؤ تو پتہ چلتا ہے کہ ٹینشن کی وجہ سے ہے، شوگر کی وجہ سے چینی سے بھی پرہیز اب بتاؤ یہ چینی سے بھی ٹینشن ہوتی ہے، خیر آج کل جو چینی کا بحران چل رہا ہے یہ بذات خود غریب کے لئے ٹینشن ہے۔" عادتاً انہوں نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"پہلے آٹا اب چینی پھر دوسری اشیاء کا بحران ہو جائے گا، یہ تو سیاست ہے نری، خود پیدا کردہ بحران ہیں تاکہ عوام اپنے مسائل میں ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی رہے، حکومت کی طرف دھیان ہی نہ دے۔"

"ٹھیک کہتے ہو میاں، ہم غریبوں کے لئے تو بس ٹینشن ہی ٹینشن ہے، اپنی بھی گھر والوں کی بھی اور اب ملک کی بھی ہاہ۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"آپ کا کام کیسا چل رہا ہے؟" وہ ایک اشاعتی ادارے سے منسلک تھے۔

"راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے، کاغذ کی قیمت نے کسی قابل چھوڑا ہے کہ کچھ نیا کام کر سکیں۔"

"ہاں یہ تو ہے، کاغذ کی وجہ سے جرائد کی قیمت بڑھانا پڑ رہی ہے اس کا اثر سرکولیشن پہ پڑھ رہا ہے، کتنے رسائل اسی وجہ سے بند ہو رہے ہیں، ہر صنعت کی حالت قابل رحم ہے، ابھی گزشتہ دنوں، مسافت، بند ہوا ہے، سولہ برسوں سے چلتا میگزین ایک دم بند ہو گیا۔"

"ہم تو خیرات مانگ مانگ کے بھی وہیں کے وہیں ہیں، خیراتی اداروں جیسی حالت ہو گئی ہے وطن عزیز کی پھر بھی دو وقت کی روٹی مل جائے وہی غنیمت، سمجھ نہیں آ رہی کہ ہو کیا رہا ہے، سسٹم کی خرابی ہے تو بھی فالٹ درست کیوں نہیں ہو پا رہا۔" وہ سنجیدہ ہو گئے تھے، میں نے سر جھٹک کر دھیان بٹایا۔

"چھوڑیں واحدی صاحب! کوئی اور بات کریں، ہم جلنے کڑھنے کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں ٹینشن تو اپنے آپ بڑھے گی۔"

"کوئی اور بات۔" وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔

"تو میاں تم ہی چھوہارے کھلا دو اپنے نکاح کے تاکہ کچھ تو چینج آئے لگی بندھی روٹین میں۔" انہوں نے مجھ پر ہی وار کر دیا تھا میں گڑبڑا کر رہ گیا۔

"کافی سال کنوارے رہ لئے، اب تو شادی ہو جانی چاہیے، یہی عمر ہوتی ہے میاں۔"

"جی جی درست کہا، ہو جائے گی شادی بھی۔"

"ویسے یار ایک بات تو بتاؤ۔" وہ قدرے آگے جھک کر سرگوشی والے انداز میں بولے۔

"کوئی محبت وحبت کا چکر تو نہیں ہے۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" میں اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا چکا تھا۔

"ہمیں تو ایسی ہی بات لگتی ہے میاں! تم نہ بتاؤ الگ بات ہے، رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے نا۔" مجھے اندازہ تھا ان کا اشارہ کس طرف ہے، میرے متعلق احباب عام طور پر قیافہ شناسیاں کرتے ہی رہتے تھے۔

"نہیں، ایسی بات نہیں بس میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اور واحدی صاحب آپ خود ہی تو کہتے ہیں اس دور میں تو شادی بھی ایک ٹینشن ہے جو انسان جان بوجھ کر سر لیتا ہے۔" میں نے شرارت سے لب دبا کر کہا تھا وہ بے ساختہ قہقہہ لگا گئے۔

"ٹھیک کہتا ہوں میں، پھر بھی یار، میٹھے کے ساتھ تھوڑا نمکین بھی ہونا چاہیے۔" وہ ہنستے ہوئے سر ہلا رہے تھے تبھی احمد کی کال آنے لگی۔

"ایکسکیوزمی۔" میں نے معذرت کرتے ہوئے کال اٹینڈ کی، احمد گھر سے فون کر رہا تھا اس نے مجھے چند مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"اوکے، میں آ رہا ہوں۔" میں فوراً ہی اٹھ گیا۔

☆☆☆

وہ وہاں پہنچا تو وہ تینوں اس وقت ایک ہوٹل کے سامنے بیٹھے تھے، ندیم اشعر میرے بچپن کا دوست تھا، آج کل ہسپتال میں زیر علاج تھا، عظیم عاشر، ابومرصد اور حمزہ شاہ، احمد عباد نے ان کا تعارف کروایا تھا اور میں مصافحے کے بعد ان کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، احمد عباد میرا تعارف کروانے لگا تھا اور میں حمزہ شاہ کو دیکھ رہا تھا، بائیس تئیس سالہ وہ نوجوان جس کے سرخ و سفید چہرے پر سیاہ داڑھی بہت بھلی محسوس ہو رہی، اس کی گہری بھوری آنکھوں میں قدرے نمی تھی یا شاید مجھے محسوس ہوا تھا، مجھے یقین ہو رہا تھا کہ میں نے کم از کم اتنا خوب صورت نوجوان اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"یہ جرنلسٹ ہیں، مجاہدین کی زندگی پہ بھی کافی کچھ لکھ چکے ہیں، آج کل ایک کتاب لکھ رہے ہیں ندیم بھائی نے اسی سلسلے میں آپ کی ملاقات کا اہتمام کروایا ہے۔" احمد انہیں بتا رہا تھا۔

"کیا آپ سمجھتے ہیں مجاہدین کی زندگی پہ کوئی کتاب لکھنے کا کچھ فائدہ ہوتا ہے۔" وہ پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوا تھا میں بے ساختہ مسکرا دیا۔

"بات فائدے نقصان کی نہیں ہے، شعور اور آگہی کی ہے جو ہم عام لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"کیا پاکستان میں لوگ جہاد کی اہمیت سے آگاہ نہیں؟" یہ سوال ابومرصد نے کیا تھا۔

"جہاد ہمارا مذہبی فریضہ ہے اور مذہب کی فہم فی زمانہ کیا رہ گئی ہے آپ لوگوں سے بڑھ کر کون جانتا ہوگا۔"

"کیا لوگوں کے پاس علمی میراث نہیں رہی انہوں نے دنیاوی مقاصد اور ترجیحات کو فوقیت دینی شروع کر دی ہے۔" حمزہ شاہ کا لب و لہجہ عام کشمیریوں سے بہت بہتر اور خوب صورت تھا۔

"ہمارے پاس علم کی کمی نہیں عمل کی ہے۔" احمد کہتے ہوئے سامنے ہوٹل میں کھانے کا آرڈر دینے چلا گیا۔

"میرا نہیں خیال کہ یہاں کے لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے غافل ہیں۔" حاشر عظیم نے درست کہا تھا۔

"ہم غافل نہیں تھے مگر غافل بننے کی کوشش کرتے تھے۔"

"ہر قرآن پڑھنے والا مسلمان "جہاد" سے آگاہ ہے اور اسے سمجھ کر پڑھنے والا اس کی اہمیت مقام و مرتبے سے مگر فی زمانہ جنگ اور جہاد کے فرق کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے، یہ کفر اور باطل کی سازش ہے، ان کے غلط اور منفی پروپیگنڈے نے جہاد کی اہمیت کو یکسر بھلا دیا ہے تاہم ایسا ہر جگہ نہیں، پاکستان میں اب بھی بہت سی مذہبی جماعتیں ایسی ہیں جو "جہاد" کی فضیلت اہمیت اور مرتبے کا شعور دیتی ہیں، نہ صرف شعور دیتی ہیں بلکہ عملاً بھی اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔"

"ہم جانتے ہیں، اس لئے ہمیں پاکستان اور اس کے رہنے والوں سے بہت محبت اور عقیدت ہے، اگر آپ لوگوں کا ساتھ نہ ہو تو ہم اپنی جدوجہد اور تحریک اس کامیابی سے نہ چلا سکیں جیسی کہ اب ہے۔" حمزہ شاہ نے قدرے مسکرا کر کہا تھا، جانے اس کی شخصیت میں ایسا کیا سحر تھا کہ میں چند لمحوں میں اس کی شفقت کا گرویدہ ہو گیا۔

"لیکن کہیں کچھ اپنوں کی بے حسی ہے جو اکسٹھ برسوں بعد بھی ہم اپنے مقصد کی تکمیل نہیں کر سکے۔"

"آپ کی بات درست ہے لیکن اس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی مصلحت خداوندی ہے، آزمائشیں زندہ قوموں پر ہی آیا کرتی ہیں اور فتح مومنوں کے لئے ہے یہ تو اللہ تبارک تو تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔"

"ہاں جہاد فی سبیل اللہ کا حق بھی تو کسی نے ادا کرنا ہے۔" احمد نے آ کر ٹیبل پہ بچھا کپڑا نئے سرے سے جھاڑ کر بچھایا، اس کے پیچھے ہی ویٹر کھانا سرو کرنے کے لئے آ گئے۔

"یہ تو حق خودارادیت کی جنگ ہے، ہم کسی خطے، مال و زر کے لئے نہیں لڑ رہے بلکہ اپنا حق مانگنے کے لئے برسر پیکار ہیں اور ہمیں امید ہے کہ یہ حق ہمیں جلد ہی ملے گا انشاءاللہ۔"

"انشاءاللہ!" میں نے ایک بار پھر اس خوب صورت چہرے والے پرعزم نوجوان کی استقامت کو ستائشی نظروں سے دیکھا تھا، کھانا ہم نے خاموشی سے کھایا تھا، پھر میں ان تینوں کو اپنے فلیٹ میں لے آیا، وہ تینوں اب میرے مہمان تھے۔

☆☆☆

تین ماہ دس دن بعد اس نے اس سرزمین پاک کی پاکیزہ مٹی کو آخری بوسہ دے کر رخصت سفر باندھا تھا، جس سے جنون خیز محبت اسیری کی زندگی میں بھی اس کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوئی، یہ سو دن جو اس کی بائیس سالہ زندگی پر حاوی تھے، وہ انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا، حمزہ شاہ اب کمانڈر حمزہ کے روپ میں ان کے سامنے تھا اس کے ساتھی بہت بے تابی سے اس کی آمد کے منتظر تھے، سب سے زیادہ عثمان بشارت نے اسے یاد کیا تھا، اسے جانے کی اجازت نہیں ملی تھی اور حمزہ شاہ کی غیر موجودگی میں اس نے کیسے دن گزارے تھے، اس کی گواہی سب نے دی کہ وہ کیسے اداس بلبل بنا پھرتا تھا۔

"میں نے تو اتنا ناشفہ کو یاد نہیں کیا قسم سے جتنا تمہیں کیا؟" عثمان کتنی ہی دیر تک اس کے گلے لگا رہا تھا۔

"یہ تو غلط بات ہے نا یار! تم مجھے رقیب روسیاہ کیوں بنا رہے ہو۔" حمزہ شاہ بہت مسرور تھا۔

"سیاہ تو خیر تم نہیں ہو بس پتہ نہیں کیا بات ہے یار! میں تمہارے بغیر خود کو بہت تنہا محسوس کرتا رہا ہوں۔" اس نے سادگی سے کہا تھا حمزہ شاہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟ سچ کہہ رہا ہوں یار! مجھے تمہاری بہت یاد آئی کتنی بار تو روبھی لیا۔"

"عثمان میرے دوست! اتنی جذباتیت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہمیں اپنا مشن مکمل کرنا ہے، ہم جس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں وہاں جذباتی باتوں کا محمل نہیں ہو سکتا۔"

"یار! جذباتیت کو دل سے الگ تو نہیں کیا جا سکتا نا۔"

"ہوں ٹھیک ہے مگر پہلا عشق ہمارا اپنا وطن ہے، ہماری آزادی، جس کے لئے ہم اپنا گھر بار، آرام و سکون، دنیاوی طلب اور تشہیات تج کر کے آئے ہیں، یہ ہمارا مقصد ہے جو ہمیں تحریک اور جدوجہد سے روشناس کروا رہا ہے اور اسی کے لئے ہم برسر پیکار ہیں۔"

"میں جانتا ہوں تم بہت پریکٹیکل ہو کر سوچتے ہو، ایسی باتوں پر تمہیں ہنسی آتی ہے مگر حمزہ! بعض معاملات میں ہم بے بس ہوتے ہیں، ہماری جذباتیت ہمیں بے بس کر دیتی ہے۔" حمزہ شاہ کی سنجیدگی نے اسے بھی سنجیدہ کر دیا تھا، شاید وہ درست کہہ رہا تھا اس لئے حمزہ چپ سا ہو گیا، وہ اس کی باتوں کو جھٹلا نہیں سکا تھا، وہ جذبات

سے عاری کوئی بے حس انسان تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ اسے اس طرح کی باتیں پریکٹیکل جوک لگتی تھیں خصوصاً اس طرح کی زندگی میں جو وہ اب گزار رہا تھا۔

وہ زندگی جس کے راستے میں چلتے ہوئے اس گمان تک بھی نہ تھا کہ موت کسی ڈھلوان چٹانی پتھر یا خاردار جھاڑیوں کے پیچھے بگل مارے بیٹھی ہے، جانے کسی لمحے اسے دبوچ لے گی یہ زندگی جذباتیت کو بڑی حد تک ختم کر دیتی ہے، پھر بس ایک احساس باقی رہ جاتا ہے، حق یا باطل کے معرکے میں باطل کو نیست و نابود کرنے کا احساس۔

حمزہ شاہ نے بچپن سے یہی احساس پایا تھا، وہ تو بہت پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ اسے اپنی زندگی کو کس مقصد کے لئے استعمال کرنا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کے اندر کی جذباتیت بھی دم توڑتی چلی گئی اور وہ پہاڑوں پر رہتے ہوئے انہی کی طرح سرد، جامد اور سپاٹ ہو گیا تھا، بھلا زخموں اور معرکوں میں زندہ رہتے ہوئے بھی نشاط اور سرور میسر ہوتا ہے، یہ عام مسلمان کی سوچ تھی اور حمزہ شاہ عام مسلمان نہیں تھا۔

☆☆☆

اگلے دن عبدالصمد ڈار نے کچھ جاننے والوں کے توسط سے اسے ایک ہائیڈ آؤٹ میں پہنچا دیا تھا، وہاں درجن کے قریب مجاہدین تھے، چند مقامی تھے اور باقی قریبی علاقوں سے آئے تھے، انہیں بے تکلف ہونے میں کچھ ہی وقت لگا تھا گو کہ وہ الگ زبانیں الگ قومیت، الگ رہن سہن، طرز معاشرت رکھتے تھے، مختلف فکر و انکار اور جداگانہ نظریات کے حامل تھے، ان کے وطن بھی جدا جدا تھے مگر وہ سب جہاد فی سبیل اللہ کے مسافر تھے، مختلف قافلوں کی صورت گھروں سے نکلے تھے اور آخری منزل کی طرف گامزن تھے، ان کا مقصد حیات ایک تھا اس لئے وہ سب ایک تھے۔

وہ تمام دن ان کی احوال سناتے اور معرکہ آرائیوں کے قصے سناتے گزرا تھا گو کہ عبداللہ کے دل میں وقتاً فوقتاً ملال جاگتا رہا تھا۔

اسے اپنے بچپن کے یاد داشتیں سناتے ہوئے کئی بار رابعہ یاد آئی تھی بہت خاموشی سے اس کی آنکھوں کی سطح نم ہوتی رہی جسے وہ فوراً ہی صاف کر لیتا تھا، کل رات بھی وہ اس سے کتنی الگ تھلگ اور دور دور رہی تھی، جانے وہ اتنی لاتعلق اور اجنبی کیوں بن رہی تھی، وہ رات بھر سو نہیں سکا تھا، اسے رہ رہ کر رابعہ کا خیال آتا رہا تھا کتنی آسانی سے وہ ہر تعلق اور رشتہ فراموش کئے اسے نظر انداز کر رہی تھی، کئی بار اس کا دل چاہا وہ دوسرے کمرے میں بے خبر سوئی رابعہ ڈار کو جھنجھوڑ کر اٹھائے اور اس سے اپنا جرم پوچھے؟ آخر اس کی خطا کیا تھی؟ اسے معلوم ہوتا تو وہ کفارہ بھی ادا کر لیتا۔

صحن میں بچھے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے اس نے رات بھر آسمان کے ستاروں میں رابعہ کا عکس تلاشا تھا، ایک پل کے لئے بھی اس کی آنکھ نہ لگ سکی، اس کے بچپن سے اس کے احساسات اور خیالات میں شامل تھی وہ اتنی جلدی کیسے بھلا دیتا اسے۔

یہ محبتیں تو جتنی پرانی ہوں اتنی ہی انمٹ اور گہرائی لئے ہوتی ہیں، اس سے قدرے فاصلے پر عبدالصمد ڈار گہری نیند سو رہے تھے مشرقی دیوار کے ساتھ زلیخا چچی کی چارپائی تھی، رابعہ اور نادیہ کمرے میں تھیں، رابعو کو اندھیرے میں ڈر لگتا تھا وہ ہمیشہ بلب جلا کر سوتی تھی، اس کے کمرے کی روشنی ساری رات گل نہ ہوتی تھی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ کی بے تاب نگاہیں دہلیز کے آس پاس ہی بھٹکتی رہی تھیں، اسے رابعہ کی بے حسی پر ملال آرہا تھا، اسے بے چینیوں کی نذر کر کے وہ خود کتنے آرام سے تھی۔

مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی، صبح جب اس نے رابعہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو اس کے دل کو کچھ ہوا تھا، وہ بھی ساری رات نہیں سوئی تھی، شاید روتی رہی تھی، اس کے مسلے ہوئے دل کو یکدم قرار آیا تھا، رابعہ اتنی بے خبر نہیں تھی اس کے وجود سے، اس کی محبت سے جتنا ظاہر کرتی تھی، وہ مسرور سا ہو گیا تھا، پھر جب چچا نہانے کے لئے گئے تو اس نے اپنی جیب سے رومال میں بندھی سونے کی انگوٹھی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی، کچھ بھی نہیں کہا تھا بس۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے سرخ بھاری ہوتی آنکھیں اٹھا کر پوچھا تھا اور عبداللہ کو لگا کہ وہ ان سنہری جھیلوں میں ڈوب جائے گا۔

''یہ انگوٹھی ہے، نانی ماں نے امی کو دی تھی، میں نے ان سے لے لی تھی کہ تمہیں پہناؤں گا، مگر اس کی نوبت نہیں آسکی۔''

''تو اب۔'' وہ ہتھیلی پہ رکھی انگوٹھی کو بے تاثر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''تو اب تم اسے پہن لو۔'' اس نے ایک بار پھر اسے دیکھا۔

''میں..... میں کیسے پہن لوں اسے۔'' وہ متعجب ہوئی۔

''پہن لو رابعہ! شاید اس کے بعد میں تمہیں کبھی کچھ دے سکوں یا نہیں۔''

''مگر عبداللہ یہ گولڈ کی رنگ ہے میں کیسے پہن لوں۔''

''پلیز رابعہ! میں نے جب پہلی بار یہ رنگ دیکھی تو فوراً سوچ لیا تھا کہ یہ تمہیں دوں گا اس وقت نہیں سوچا تھا کل کیا حالات ہوں گے، لیکن رابعہ میں نے یہ کبھی گمان نہیں کیا تھا کہ ہم اس طرح.....'' اس کا لہجہ بھرانے لگا، وہ کمزور نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے سرعت سے اٹھ گیا، جانے رابعہ نے وہ انگوٹھی پہنی تھی یا ایسے ہی کہیں رکھ دی تھی لیکن اس کے دل کا بوجھ ہلکا ضرور ہو گیا تھا۔

اسے آج بھی نیند نہیں آرہی تھی، تھکے ہارے ساتھی سو رہے تھے اور وہ غیر مرئی نقطے پہ نگاہ جمائے ماضی کی گم گشتہ گلیوں میں سفر کر رہا تھا، دفعتاً اس کی سماعتوں نے دھماکوں کی آواز سنی، وہ یکلخت اٹھ کر بیٹھ گیا اور ساتھی مجاہدوں کو بیدار کرنے لگا، اچانک ہی بھگدڑ مچ گئی تھی، وہ سب اپنا اپنا اسلحہ سنبھالنے لگے، باہر پہرے پر مامور ابو مصعب گھبرائے ہوا اندر آیا۔

''فوج نے کریک ڈاؤن کر دیا ہے، گاؤں اور ہماری ہائیڈ آؤٹ ان کے گھیرے میں ہے۔''

''فائرنگ کا مطلب ہے قریب ہی مجاہدین سے فوج کی جھڑپ ہو رہی ہے۔'' عبداللہ نے مستعد ہو کر رائفل سنبھالی، چار مجاہد ہائیڈ آؤٹ سے باہر حالات کا جائزہ لینے نکل گئے، یہ ہائیڈ آؤٹ ایک مکان کی دو چھتی پر تھی، عبداللہ بھی کچھ دیر بعد باہر نکل آیا فائرنگ کا زور سامنے گاؤں کے شمالی حصے میں تھا، اسی طرف عبدالصمد ڈار کا گھر تھا اسے تشویش لاحق ہونے لگی۔

''عبداللہ!'' اسے لگا جیسے رابعہ نے اسے پکارا ہے، وہ پلٹ کر دیکھنے لگا، لیکن وہاں وحشت اور تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا، بے اختیار اس کا دل ڈوبنے لگا، اسے محسوس ہونے لگا کہ جیسے کچھ غلط ہو جائے گا، دھماکوں سے پہاڑی چوٹیاں لرز رہی تھیں، گولیوں کی بوچھاڑ سے سیاہ آسمان بھی سہما ہوا تھا، فضا میں خوف اور دہشت کی سرسراہٹیں

تھیں۔

''عبداللہ!'' اسے پھر آواز آئی تھی، وہ بے تاب سا ہو کر نیچے کی طرف دوڑنے لگا۔

''عبداللہ..... کیا ہوا..... کہاں جا رہے ہو؟'' اس کے ساتھی اسے بلانے لگے، ان کے انداز میں حیرت تھی، مشرقی حصے میں اب بھی گولیوں کی تڑتراہٹ گونج رہی تھی۔

''عبداللہ!'' چاروں اطراف بس یہی پکار تھی۔

''رابعہ!'' اس نے رک کر اس کی آواز کا تعاقب کرنا چاہا، سانسیں بے ترتیب تھیں۔

''عبداللہ!''

''رابعہ!''

''عبداللہ!''

''رابعہ!'' وسیع کائنات کے ذرے ذرے میں یہی پکار سی محسوس ہو رہی تھی، وہ چلا رہا تھا، تبھی ابو جعفر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کی طرف کھینچا۔

''پاگل ہو گئے ہو تم؟'' وہ مشتعل تھا۔

''وہ رابعہ.....'' اس کے لب لرز رہے تھے۔

''کون رابعہ؟ کوئی نہیں ہے یہاں..... چلو اوپر حالات اتنے سنگین ہیں اور تم۔'' وہ اسے پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔

''رابعہ ہے وہاں، اسے مدد کی ضرورت ہے میرے چچا..... نادیہ وہ سب۔''

''اس وقت ہمیں صبر کرنا ہے عبداللہ۔'' ابو جعفر نے اس کی حالت پر دل مسوس کرتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ تڑخ گیا۔

''ہم کب تک صبر کرتے رہیں، مجھے جانے دو ابو جعفر ان لوگوں کو ہماری ضرورت ہے۔''

''مگر اس وقت ہم ان کی مدد کرنے سے قاصر ہیں، حالات بہت خراب ہیں عبداللہ سمجھنے کی کوشش کرو، کمانڈر طارق ہمیں بلا رہے ہیں اوپر چلو۔'' کمانڈر کا حکم وہ ٹال نہیں سکتا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

''وہاں بہت ظلم ہو رہا ہے ابو جعفر۔'' اس نے لڑکھڑاتے قدموں کو واپس موڑا۔

''پورے کشمیر پر ظلم ہو رہا ہے عبداللہ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر چلنے لگا، فضا میں ابھی بھی ارتعاش پھیلا تھا۔

''عبداللہ!''

''رابعہ!''

مگر اب وہ دونوں کہیں نہیں تھے۔

☆☆☆

شام کے دھندلاتے ہوئے سائے میں تاریکی گھل چکی تھی، وہ سب ایک ہائیڈ آؤٹ میں بیٹھے کانگڑی (ایک قسم کی انگیٹھی) پہ ہاتھ تاپ کر سردی کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، خزاں کے موسم کی سرد راتیں ان کے لئے مشکل کا حصہ بننے لگی تھیں، سری نگر لداخ شاہراہ پر ایک بڑی اور کامیاب کاروائی کے بعد وہ سب گزشتہ تین دنوں سے اس ہائیڈ آؤٹ میں چھپے ہوئے تھے جو پیر پنجال کے پہاڑی سلسلوں میں تھی، انہوں نے ایک بڑے فوجی کانوائے پر حملہ کیا تھا، گو کہ بھارتی فوجیوں کے مستعد ہونے کے باعث وہ انہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے تھے، بھارتی درندے پاگل کتوں کی طرح ان کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

عثمان حمزہ کو اپنے بچپن کے قصے سنا کر لطف اندوز کر رہا تھا، دفعتاً ریڈیو ٹرانسمیٹر کی ہلکی سی سیٹی گونجی، ابو مرصد نے اٹھ کر ریڈیو آن کیا اور نوٹ بک لے کر آنے والا پیغام نوٹ کرنے لگا جو رموزی زبان (کوڈ ورڈ) میں تھا، پھر اسے عام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الفاظ میں منتقل کرتے ہوئے کاغذ حمزہ کی طرف بڑھا دیا۔

شاہ، اپنے گروپ سے دو تجربہ کار مجاہدوں کا انتخاب کرو اور سوپور کے قریب، گاؤں میں چلے جاؤ، وہاں حمید الدین ہوں گے، وہاں سے مزید مجاہد تمہارے ساتھ ہوں گے، تمہاری منزل وادی لولدب سے آگے کا جنگل ہے، پیغام کے آخر میں مشن کا مقصد اور وہ طریقہ درج تھا جس پر عمل کرتے انہیں اپنی منزل پہ پہنچنا تھا۔

حمزہ شاہ نے بغور پیغام پڑھا اور پھر اسے مروڑ کر کانگڑی میں پھینکتے ہوئے بولا۔

''ساتھیو! بے کاری کے دن ختم اور کام کے دن شروع ہو گئے ہیں۔''

تمام مجاہدوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اسے صرف دو مجاہدوں کو لے کر آگے جانا تھا اور یہاں تو سب ہی جان کی بازی لگانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

''عثمان اور ابو مرصد آپ تیار ہو جائیں، ہمیں حمید بھائی کے پاس جانے کا حکم ملا ہے، مشن کی تفصیلات انہی سے ملیں گی۔'' حمزہ شاہ مخصوص دبنگ مگر دھیمے لہجے میں کہہ کر تیاری کرنے لگا، ابو مرصد وہی تھا جس نے پیغام ڈی کوڈ کر کے دیا تھا، وہ الیکٹرونکس کا ماہر تھا اور ویلی کے انڈین انسٹی ٹیوٹ میں بی اے سال دوئم کا طالب علم تھا لیکن پھر دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے اس نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور جہادی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینے لگا، مجاہدین کو اس کی صلاحیتوں سے کافی فائدہ ہوا تھا، چونکہ انہیں کل ہی حمید الدین سے ملنا تھا اس لئے وہ فوراً ہی ہتھیاروں کو اپنے جسموں پر سجاتے ہوئے سفر کے لئے نکل آئے۔

رات گہری ہو چکی تھی اور اخیر شبوں کا چاند ستاروں کے جھرمٹ میں روشنی بکھیر رہا تھا، انہیں صبح کے آثار نمودار ہونے سے قبل سوپور پہنچنا تھا، اس لئے تاخیر بے معنی تھی۔

☆☆☆

کریک ڈاؤن صبح تک جاری رہا، گولیاں چلتی رہیں اور گاؤں کے شمالی حصے سے آگ کے شعلے بلند ہوتے رہے، عبداللہ رات بھر بے چین رہا تھا، صبح صادق کے وقت بھارتی فوجی محاصرہ اٹھا کر جانے لگے، ان کے جانے کے بعد وہ باہر نکلے اور شمالی حصے کی طرف بڑھنے لگے، یہ گاؤں جو کل تک آباد تھا آج راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا، جلے ہوئے گھروں کے سامنے لوگوں کی سوختہ اور گولیوں سے چھلنی لاشیں پڑی تھیں، بچے کھچے کشمیری زار و قطار روتے ہوئے اپنے اپنے پیاروں کا تلاش کر رہے تھے، چند لوگ بھارتی فوج کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے، عبداللہ کا دل ہر بڑھتے قدم کے ساتھ بیٹھتا جا رہا تھا، اس کی سماعتوں میں اب بھی رابعہ کی آواز گونج رہی تھی، چچا عبدالصمد پہ نگاہ پڑتے ہی وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھا۔

''چچا! گھر میں سب خیریت ہے؟'' اس نے کے منہ سے بمشکل نکلا، دل شدت سے تمنائی تھا کہ وہ اثبات میں سر ہلا دیں، مگر انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''معلوم نہیں۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائے۔

''میں کل رات تک گھر سے باہر تھا، بلکہ گاؤں سے بھی، ابھی واپس آیا ہوں۔''

''چچا..... رابعہ۔'' بے ربط لہجے میں کہتے ہوئے وہ سرعت سے ان کے گھر کی طرف بڑھا عبدالصمد ڈار بھی تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے

اس کے پیچھے پیچھے گھر تک پہنچے لیکن وہاں تو سوائے جلی ہوئی لکڑیوں اور ملبے کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا، ان کے گھر کی حالت بھی گاؤں کے دیگر گھروں سے مختلف نہ تھی۔

''عبداللہ!'' چچا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بے اختیار چہرے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے، عبداللہ ساکت نظروں سے اس راکھ کے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جس کے ملبے تلے جانے کیا کیا دفن ہو چکا تھا، شاید وہ بھی رات گھر میں نہ ہو، دل خوش فہم جواز گھڑنے لگا، عبدالصمد کے رونے نے اسے متوجہ کیا تھا، پھر ان پر غشی طاری ہونے لگی تو اس نے انہیں چارپائی پہ بٹھا دیا۔

''چچا! روئیں مت، وہ سب خیریت سے ہوں گی، انہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' اس کا لہجہ لڑکھڑا رہا تھا، لوگ اپنے گھروں کا ملبہ ہٹا کر زخمیوں کو علاج کے لئے سوپور روانہ کر رہے تھے، لاشوں کو اسکول کے گراؤنڈ میں رکھا جا چکا تھا تاکہ ان کے ورثا انہیں شناخت کر سکیں، اس کے قدموں میں سکت نہیں تھی کہ وہ وہاں تک جاتا لیکن یہ ضروری تھا، من کی دنیا میں ایک حشر برپا تھا، چچا کو تسلی دینے کے لئے اسے خود میں حوصلہ پیدا کرنا تھا جس میں وہ ناکام ہو رہا تھا، چند لوگ اس کی مدد کو آگے بڑھ آئے تھے وہ بے دم وجود کے ساتھ ملبہ ہٹانے لگا، اسے علم نہیں ہو سکا کہ کب مضطرب سمندر پلکوں کی باڑھ توڑ کر رخساروں پر بہنے لگا تھا، سب سے پہلے زلیخاں چچی کی لاش برآمد ہوئی تھی، عبداللہ نے انہیں ان کی بڑی بڑی بالیوں کی وجہ سے پہچانا تھا جو ہر وقت کانوں میں پہنے رکھتی تھیں۔

''چچی!'' اس نے سسکیوں پر بمشکل قابو پایا، دوسری لاش رابعہ کی تھی، اس کا چہرہ مکمل طور پر جھلسا نہیں تھا، وہ ملبے کے تلے آ کر دب گئی تھی، اس کا آدھا چہرہ اس کی نظروں سے سامنے تھا۔

''رابعہ!'' وہ بے اختیار اس پر جھک گیا، پھر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا، اس کے گرد موجود تمام لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں، ان کا دکھ یکساں تھا، اذیت اور درد ایک تھا، مگر عبداللہ کا رابعہ سے جو تعلق تھا وہ ان سب رشتوں پر حاوی تھا، لوگ اس کے شانے پر تھپکیاں دے کر اسے تسلی دے رہے تھے، لیکن اس کا پورا وجود آنسو بن چکا تھا، وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بچوں کی طرح زار و قطار رو رہا تھا، اس کی ایک شب کی بے بسی نے اس کی زندگی کی تمام تر جمع پونجی اس سے چھین لی تھی۔

''رابعہ ڈار'' اس کی زندگی کا کل سرمایہ تھی، وہ اسے گنوا چکا تھا، موت کے بے رحم اور سفاک ہاتھ اس سے اس کی رابعہ..... اس کی محبت کو چھین کر لے جا چکے تھے، اس کی ادھ کھلی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے بند کرتے ہوئے عبداللہ کو یوں لگا جیسے وہ بھی اندر سے مر چکا ہو، اس کے اندر برپا حشر نے جامد سناٹا اوڑھ لیا تھا، اب وہ اس کے بائیں ہاتھ کو دیکھ رہا تھا، رابعہ کی تیسری انگلی میں سونے کی وہی انگوٹھی تھی جو پرسوں شب اس نے اسے دی تھی، وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

اسے رونا چاہیے تھا، وہ ایسا جواری تھا جو تمام عمر جیت رہا تھا اور آخر میں آ کر ہار گیا تھا، وہ اپنی تقدیر سے بہار گیا تھا، وہ جتنے بھی آنسو بہاتا کم تھا، ویلی کے ایک ضلعی ناظم کے گھر گیٹ تو گیدر میں شریک عبدالصمد ڈار اور ان کی بیگم کو قطعی علم نہ تھا کہ ان کا انوکھا لاڈلا، آج اپنی محبت کے مزار پر بین کر رہا ہے، رنگ و بو کی اس محفل میں حسن و شباب کے تذکرے چل رہے تھے اور سوپور کے ایک گاؤں میں عبداللہ ڈار زمین پر سر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹکائے بے اختیار رو رہا تھا۔

☆☆☆

میں اور حسان انتصار صاحب کے پاس تھے جب یازش کی کال آنے لگی، میں ان سے حسان کی جاب کے سلسلے میں ہی بات کرنے آیا تھا اور یہ انتہائی بدتہذیبی تھی کہ میں ایک اہم موضوع چھوڑ کر یازش کی کال ریسیو کرتا سو اس کی کال ڈراپ کرتے ہوئے میں نے سلسلہ تکلم جوڑا مگر پھر کال آنے لگی۔

''ضروری کال ہے تو آپ ریسیو کر سکتے ہیں۔'' انتصار صاحب نے مروتاً کہا۔

''نہیں..... اتنی ضروری بھی نہیں ہے۔''

میں نے تیسری کال ڈس کنیکٹ کرتے ہوئے پہلو بدلا، اس وقت ان کے آفس میں ہمارے علاوہ تین اور لوگ موجود تھے، جو ادارت سے وابستہ تھے، یہی بات اگر میں یازش کے سامنے کہتا تو وہ یقیناً میرا سر ہی پھاڑ دیتی لیکن میں نے بتایا نہ کہ میں بہت اصول پرست شخص ہوں، یازش کی کال سے بڑھ کر میرے لئے ضروری کال کوئی نہیں ہو سکتی تھی مگر معاملہ میرے اچھے دوست کی جاب کا تھا، وہ پچھلے دو ماہ سے بے کار تھا، صحافی کے لئے بے کاری سے بڑھ کر خواری ہو ہی نہیں سکتی، انتصار صاحب گزشتہ دنوں انگلینڈ گئے ہوئے تھے اور دو دن پہلے ہی واپس آئے تھے، اسی وجہ سے حسان کی جاب کا معاملہ التواء کا شکار تھا، جس میں مزید تاخیر نہ ہم دونوں چاہتے تھے اور نہ حالات اجازت دیتے تھے، یازش کو غالباً غصہ آ گیا تھا وہ مسلسل کال کرنے لگی۔

پانچویں بیل پر میں نے تنگ آ کر نمبر آف کر دیا اور ذہنی طور پر خود کو اس کا اشتعال سہنے کے لئے راضی کرنے لگا، پھر اپنا ذہن حاضرین کی طرف لگانے کی کوشش کی جو کافی کامیاب رہی۔

''آپ کی بات درست ہے حسان صاحب لیکن میڈیا کی آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ذاتیات پر اتر آئیں۔'' ارشد وٹو نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں ذاتیات کی بات نہیں کر رہا، سیاست میں ذاتی طور پر انوالو ہونا ضروری نہیں مگر عوامی ترجیحات کا پاس رکھنا بھی تو ضروری ہے، عوام کسی بھی لیڈر کو نمائندے کے طور پر اس لئے تو نہیں چنتی کہ حاکم آمر بن جائے اور اپنی من مرضیاں کرنے لگے، ہم تو سالہا سالوں سے مفاد پرست نظام حکومت کا شکار رہے ہیں، عوامی سطح پر نہ کبھی کوئی خاص بہتری آئی ہے نہ آنے کی توقع ہے، سفید پوش طبقے کو الگ کر کے دیکھا جائے تو ایک طرف امارت کو انتہا نظر آتی ہے تو دوسری طرف غربت کی، میں سیٹ اپ کی بات کرتا ہوں، وٹو صاحب شروع سے ہی حکومت کسی کے بھی ہاتھ میں ہو، تخت الٹے یا شفاف الیکشن کے ذریعے جمہوری حکومت قائم ہو بات سسٹم کی ہے۔'' حسان نے لہجہ حسب عادت دھیما رکھنے کی کوشش کی تھی، انتصار صاحب نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''لیکن پھر سوال وہی آ جاتا ہے کہ کیا یہ نظام تبدیل نہیں ہو سکتا؟''

''ہو سکتا ہے سر! کیوں نہیں ہو سکتا مگر نظام بدلنے کے لئے ول پاور اور اتحاد چاہیے ہوتا ہے جو ہم میں مقصود ہے، ہمارے یہاں سے اپنے اپنے اصولوں اور نظریات کی بات کرتے ہیں جہاں عملاً کچھ کرنے کی باری آتی ہے ہم راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں ہم تو احتجاج تک اتفاق و اتحاد سے نہیں کر سکتے۔''

''ہمارے نوجوان میں جوش و جذبے کی کمی نہیں لیکن غلط مقاصد کے لئے، ایک کنسرٹ

لاکھوں کا مجمع جمع ہو جاتا ہے، سیٹ اپ کی درستگی کے لئے آپ اتنے لوگوں کو جمع کر کے دیکھ لیں، نتیجہ صفر نکلے گا۔'' مہناج کاظم طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

''اور ہم میڈیا سے وابستہ لوگ کہاں تک کوششیں کر سکتے ہیں، جہاں تک ممکن ہوتا ہے ہم اپنی ذمہ داری نبھاتے ہیں، اس کے لئے ہمیں کیا کیا کچھ سہنا پڑتا ہے، وہ الگ داستان ہے۔'' میں نے بے دھیانی میں سیل فون کی اسکرین کو دیکھا جو تاریک تھی۔

''ہم بھی ایک دائرے میں رہتے ہوئے کام کرتے ہیں، جو حدود متعین ہیں اس کی ہر ممکن پاسداری تو کرتے ہیں۔'' حسان نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن حسان صاحب! سچائی اور حقیقت کو اتنا بھی بے نقاب کرنا چاہیے کہ آپ کی اپنی سلامتی خطرے میں پڑ جائے، ہم اتنے وسیع النظر ابھی تک نہیں ہوئے کہ اپنی خامیوں اور غلطیوں کو احتسابی کٹہرے میں لا سکیں، ہمارے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ وابستہ ہیں بہت سے رشتے ناطے، فرض شناسی کے لئے بھی حد لاگو ہونی چاہیے۔'' مہناج کاظم کی بات پر حسان نے نفی میں سر ہلایا۔

''اپنی اپنی سوچ کی بات ہے کاظم صاحب! میں اس بات کو نہیں مانتا۔''

''یار! حکومت کو چھوڑو تم، عام زندگی ہی دیکھ لو کتنا تضاد ہے لوگوں کے رویوں میں، حکومت اور عوام کو ایک دوسرے کے احساسات کا خیر مقدم تو کرنا چاہیے نہ۔'' یاور نے لب کشائی کی، وہ سب ایڈیٹر تھا۔

''ہماری حکومت اور عوام دو مختلف چیزیں ہیں حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دم سے قائم و دائم ہیں مگر ان کے مابین اختلاف کبھی ختم ہوئے نہ فاصلے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عوامی سطح پر ہم مختلف طبقات اور قومیتوں میں بٹے ہوئے ہیں، سولہ کروڑ عوام ایک طاقت نہیں ہیں، بلکہ طرح طرح کی درجہ بندیوں کے پابند ہیں اور حکومت کی بات کی جائے تو یہ لوگ اندر والوں کی کم سنتے ہیں، باہر والوں کی زیادہ کیونکہ سب کو اپنے اپنے مفادات سے غرض ہوتی ہے۔'' حسان کو جذباتی ہونے میں کچھ ہی وقت لگا تھا پھر بھی کافی ضبط کیا تھا اس نے۔

''اور اگر چند لوگ شعور و آگہی کا ذکر کرنے لگیں یا استدلال کے ذریعے بات کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ دھمکیوں کی صورت بھگتنا پڑتا ہے، جو بھی حکومت آئے یہی چاہتی ہے کہ صرف اس کی خوبیوں اور خصوصیات کے تذکرے ہوں۔'' میں نے سیل فون جیب میں ڈالتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا، لیکن یہ سکون عارضی تھا، ساتھ ہی دوسری جیب میں موجود دوسرا سیل فون بجنے لگا تھا یقیناً یازش اب دوسرے نمبر پر ٹرائی کر رہی تھی، میں نے بوکھلا کر سب کو دیکھا تو سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر چکی تھی۔

''لگتا ہے آپ کی وائف کو بہت ارجنٹ کام ہے آپ سے۔'' ارشد وٹو نے لطف لے کر کہا۔

''ایکسکیوزمی!'' مجھے نہ چار محفل ادھوری چھوڑ کر اٹھنا ہی پڑا، آفس سے باہر آ کر میں نے اسے کال بیک کی، غصہ بھی آ رہا تھا کہ کبھی بندہ مصروف بھی تو ہو سکتا ہے جبکہ میں نے اسے میسج بھی کیا تھا اس کے نمبر پر نگاہ دوڑاتے ہوئے میں نے دوبارہ رنگ کیا مگر کوئی رسپانس نہیں آ رہا تھا۔

''یازش کیا ہے یار!'' میں نے تیسری اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر چوتھی پانچویں بار کال کی، چھٹی کال کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنا نمبر آف کر چکی تھی، میں سر پکڑ کر رہ گیا۔

☆☆☆

جب وہ لوگ سوپور کے قریب پہنچے صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے، مشرقی پہاڑوں کی اوٹ سے آتشی گولہ سر نکال کر اجالا پھیل جانے کی خبر دے رہا تھا، فضاء چرند پرند کے بے تحاشہ شور وغل کی وجہ سے مرتعش تھی، انہوں نے وہیں ایک چشمے سے وضو کر کے نماز فجر ادا کی اور ذکر واذکار کرتے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگے۔

سورج نکلنے تک وہ اپنے مقررہ ٹھکانے پہنچ گئے تھے، وہاں موجود مجاہدین پہلے سے ہی ان کی آمد کے منتظر تھے، گرم جوشی سے خوش آمدید کہہ کر انہوں نے ان کے لئے ناشتہ منگوایا، بہت دن بعد انہوں نے سیر ہو کر کھایا تھا، پیٹ بھرتے ہی خمار چھانے لگا۔

''حمید بھائی گیارہ بجے تک آئیں گے جب تک آپ آرام کریں۔'' صادق علی نے کہا تھا اور وہ لمبی تان کر سو گئے، حمید الدین ایک بجے تک پہنچے تھے پھر ان کی آمد پر ہی انہیں نیند سے بیدار کیا گیا، حمزہ شاہ بہت عرصے بعد ان سے مل رہا تھا، وہ اس اپر گراؤنڈ یونٹ کے انچارج رہ چکے تھے جس سے حمزہ شاہ نے جہاد آزادی کا آغاز سفر کیا تھا، وہ کتنی دیر تک اسے گلے لگائے کھڑے رہے، سلمان شاہ کی باتیں کر کے مسکراتے رہے، سلمان شاہ سے ان کی گہری دوستی ہو گئی تھی، اس کی شہادت پر وہ بہت ملول بھی ہوئے تھے، اب بھی آنکھوں میں نمی کی جھلملاہٹیں تھیں۔

''بہت کم لوگ اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں حمزہ! کتنی جلدی وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا، آرمی کے ٹارچر سیل سے اس کی رہائی بھی ایک معجزہ ہی تھی، وہ بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا تھا اور رب نے اسے شہادت کے رتبے پر فائز کر کے سرخ رو کر دیا۔''

''جی۔'' وہ ان کی بات پر اتنا ہی کہہ سکا، اس کی آنکھوں کے فرش بھی گیلے ہو گئے تھے، حمید الدین نے لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''اب تمہیں اس کے نقش قدم پر چلنا ہے میرے دوست! تمہارے لالہ نے کئی بار مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ میری چھوڑی ہوئی کلاشنکوف کو میرا بھائی اٹھائے گا انشاءاللہ، بہت مان تھا اسے تم پر۔''

''بس دعا کیجئے گا کہ میں ان کے مان کو قائم رکھ سکوں۔'' وہ آنکھیں صاف کرنے لگا۔

''انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا، جدوجہد آزادی بھی ایک جذبہ ہے مگر حمزہ! جب اس جذبے میں انتقام کی تپش جاگ اٹھے تو یہ جذبہ آگ بن جاتا ہے، دشمن کو بھسم کر دینے کا عزم اس جذبے کو کبھی مرنے نہیں دیتا، یہاں سب ہی روح میں گھاؤ لئے پھرتے ہیں، سب نے ہی اپنے پیاروں کی قربانیاں دی ہیں اس لئے تحریک آزادی کا جوش اور ولولہ الحمدللہ زیادہ ہی ہو رہا ہے، ہم ایک دن اپنے مقصد کی تکمیل پالیں گے۔''

''انشاءاللہ۔'' اس کا رواں رواں پرعزم تھا۔

''اور خیریت ہے گھر میں، کب گئے تھے؟'' انہوں نے موضوع تبدیل کر دیا۔

''تقریباً دو ماہ پہلے۔''

''بابو جی اور ماں جی کی طبیعت ٹھیک رہتی ہے۔''

''جی ٹھیک ہیں سب۔''

''اور تمہیں امیر صاحب کا پیغام مل گیا ہو گا؟'' انہوں نے استفسار کیا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگا، پھر اس نے ابو مرصد اور عثمان کا تعارف ان سے کروایا۔

''اور باقی دو لوگ کون ہیں جو ہمارے ساتھ جائیں گے۔'' اس نے پوچھا تو وہ کہنے لگے۔

''وہ آتے ہی ہوں گے، تم لوگ ذرا پورا پلان سن کر اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔'' وہ پروگرام کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگے۔

☆☆☆

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

رابعہ کے سوختہ وجود کو لحد میں اتارتے ہوئے اس نے خود سے عہد باندھا تھا کہ جب تک وہ میجر کنیش کو جہنم واصل نہ کر دے تب تک چین سے نہیں بیٹھے گا، جب کوئی جان سے عزیز ہستی اپنی ہی بے بسی کے ہاتھوں ظلم کی بھینٹ چڑھ جائے تو ذات کے اندر کے دکھ لاوے کی طرح دہک اٹھتے ہیں، اب سے پہلے اسے اذیت اور درد کی شدت کا اندازہ نہ ہوا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ جب وجود کا ایک حصہ جدا ہو جائے تو دیوانگی کیا رخ اختیار کیا کرتی ہے، وہ شہادت کی طلب میں اس راہ کا مسافر بنا تھا مگر اب اس کا جذبہ انتقام کی صورت اختیار کر گیا تھا، بھارتی فوج سے پہلے کبھی اتنی بے پناہ نفرت کا احساس نہیں ہوا تھا، وہ اونچے نیچے پتھریلے راستوں کو قدموں تلے روندتا ہائیڈ آؤٹ میں واپس آیا تو اس کے اندر کی کھولن اس کے چہرے کو بھی دہکا رہی تھی، شہید کی موت پر رویا نہیں جاتا مگر وہ خود پر ضبط کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

''کہاں سے لاؤں میں اتنا حوصلہ، کیسے یقین دلاؤں خود کو کہ اب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گئی ہو؟'' وہ اپنے ساتھیوں کے ہمدردانہ الفاظ سے گھبرا کر باہر نکل آیا، اسے لگا جیسے وہ سب اس کے زخموں پر مزید چرکے لگا رہے ہیں۔

''رابعہ! میں تو وصل کی خواہش میں سلگ رہا تھا اور تم نے ابدی جدائی میری قسمت کر دی، کوئی یوں بھی کیا کرتا ہے، تم نے کیسے مجھ سے بچھڑنا گوارا کر لیا، رابعہ کیسے؟'' وہ سجدے کے بل زمین پر گر پڑا تھا۔

''جن کے آنے کی امید ہو ان کے انتظار میں جی لیا جاتا ہے مگر جو اس راستے پر چل پڑیں جہاں واپسی کا راستہ ہی نہیں ان کے بغیر کس طرح جیا جاتا ہے رابعہ! تمہیں تو میری آنکھوں کی نمی بے تاب کر دیا کرتی تھی اور اب میں صحرا سے سمندر ہو گیا ہوں مگر تمہیں احساس ہی نہیں۔'' وہ بلک رہا تھا، تڑپ رہا تھا معاً اسے محسوس ہوا کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہو، وہ بے اختیار پلٹا تھا۔

☆☆☆

''یازش! پلیز فون آن کرو پلیز۔'' بتیسویں بار اس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے میں نے بے بسی سے کہا تھا، کل سے اس کا نمبر آف تھا اور میری حالت غیر ہو رہی تھی، میں سب کچھ گوارہ کر سکتا تھا مگر یازش کی خفگی نہیں، پھر بھی میں نے اسے خفا کر دیا تھا، میں جانتا تھا کہ اگر وہ ناراض ہو گئی تو سزا بھی مجھے ہی بھگتنا ہو گی سب جان کر بھی اسے خفا کر دیا تھا۔

اس کا سیل فون آف ہونا اس کی شدید ناراضگی کا ثبوت تھا، میں اب کل سے بستر پر سر پکڑے بیٹھا تھا، میرے وجود سے جیسے کچھ الگ ہوا تھا اسی احساس نے مجھے بخار میں مبتلا کر دیا، میری حالت عجیب سی ہو رہی تھی آنکھوں سے پانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہہ رہا تھا اور میں دیوانوں کی طرح اس کا نمبر ڈائل کئے جا رہا تھا، سوری کے میسجز ٹائپ کرتے کرتے میری انگلیاں درد کرنے لگی تھیں، تنہائی کا احساس مجھے مزید اندر سے توڑ رہا تھا، دفعتاً فون کی ٹون بجی تو میں نے بے تابی سے نمبر دیکھا، اسید کا نمبر تھا میں مایوس سا ہو گیا، اسید بھی ضرورت کے اوقات میں ہی مجھے فون کرتا تھا اس لئے میں نے اوکے کا بٹن پش کیا۔

''السلام علیکم! کیا حال ہیں جناب۔'' وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھا۔

''ٹھیک ہوں یار!'' میرے لہجے میں نقاہت تھی وہ بے چین سا ہو گیا۔

''کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟ تم پریشان ہو۔''

''نہیں یار! بس طبیعت ذرا بوجھل سی ہے۔'' میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کیا ہوا طبیعت کو؟''

''موسم تبدیل ہو رہا ہے شاید اس لئے، تم سناؤ کیسے یاد کیا؟''

''یار! وہ میں شام تک لاہور آ رہا ہوں کچھ احباب بھی ساتھ ہوں گے، تمہاری طرف ہی آئیں گے، گھر پر رہنا۔''

''ہوں ٹھیک، میں گھر پر ہی ہوں۔'' میں نے تکیے پر سر گرا لیا۔

''اوکے پھر شام کو ملاقات ہو گی۔''

''اوکے، السلام علیکم۔'' اس کا فون بند ہوا تو حسان کی کال آنے لگی، میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا اس وقت کسی سے مزید بات کرنے کو اس لئے فون بجنے دیا، فون کافی دیر تک بجتا رہا میں ڈھٹائی سے کان بند کیے پڑا رہا، یازش کا غصہ ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا جب اس کا موڈ بحال ہوتا تو وہ خود ہی بات شروع کر دیتی تھی، میں خود کو مصروف رکھنے کے لئے اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ چلا آیا، وگرنہ دل مزید بوجھل ہوتا جا رہا تھا، اخبار کے لئے ایک دو کالم لکھنے تھے، میں نے نیٹ آن کر لیا اور نیوز اپ ڈیٹس دیکھنے لگا، بی بی سی اردو ڈاٹ کام سے بھی استفادہ حاصل کرنا تھا، معمول کی خبروں کے ساتھ ایک دو چونکا دینے والی خبریں بھی تھیں جو حکومتی عہدیداران کے بیانات پر ہی مبنی تھیں، میں کالمز کے لئے منفرد سا موضوع سوچتا کراچی کے اخبارات کی ویب سائٹس دیکھنے لگا، اس سرگردی نے کافی حد تک میرے اندر کی اداسی کو ختم کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ کمانڈر طارق تھے، جو حوصلہ دینے والے انداز میں اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے مسکرا رہے تھے، پھر وہ اس کے قریب ہی پڑے بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئے، عبداللہ نادم سا ہو کر اب آنکھیں رگڑ رہا تھا۔

''میں تمہارے دکھ کو محسوس کر رہا ہوں عبداللہ! میرے اپنے گھر والے بھی ان درندوں کی بربریت اور ظلم و ستم کا شکار ہو چکے ہیں، میں تمہارا درد سمجھ سکتا ہوں کیونکہ میں کئی بار ایسے دل سوز مرحلوں سے گزر چکا ہوں، میں نے بہت بار اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پیارے دفنائے ہیں۔'' انہوں نے آہستگی سے بات شروع کی۔

''تمہارے والدین کہاں ہیں؟''

''دبئی شفٹ ہو گئے ہیں۔''

''کیا انہیں علم ہے کہ تمہارے چچا۔'' انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

''انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ پہلے ہی ان سے رشتہ ختم کر چکے تھے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ دونوں بھائیوں میں اختلافات تھے۔''

''کیسے اختلافات؟'' وہ اس کا ذہن بٹانے کے لئے چھوٹے چھوٹے سوال کر رہے تھے۔

''مذہبی، سماجی، معاشی، معاشرتی ہر سطح پر وہ ایک دوسرے کے متضاد تھے بلکہ ہیں، چچا مسلمانیت کا حق نبھا رہے ہیں جبکہ پاپا کانگریس نواز ہیں۔''

''پھر تم کیسے، میرا مطلب ہے تمہاری تربیت اور پرورش تو تمہارے والدین نے اپنی طرز پر کی ہو گی جس کے وہ پروردہ ہیں۔''

''جی مگر میری ذہنی شخصیت سنوارنے میں میرے چچا کا ہاتھ ہے، میں شروع سے ہی اپنے دیگر بھائیوں کی نسبت اپنے چچا کے زیادہ قریب رہا ہوں اس لئے۔'' اسے پھر سے رابعہ یاد آ گئی تھی، وہ لب کاٹنے لگا۔

''اب کہاں ہیں تمہارے چچا، وہ تو رات تمہارے ساتھ تھے نا۔''

''صرف وہی بچے ہیں اپنے گھر میں۔'' اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

''وہ گاؤں میں ہی ہیں لاشوں کی تدفین کے بعد ملبہ بھی تو ہٹانا تھا نا، پھر وہ مشن پر چلے جائیں گے، انہوں نے اب جی کر کرنا بھی کیا ہے۔''

''حوصلہ کرو عبداللہ!'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''کیسے حوصلہ کروں، جن کی دنیا اجڑ جائے وہ کہاں سے حوصلہ لائیں۔'' وہ گھٹنوں میں سر دے کر سسکنے لگا۔

''ان کا بھی تو سوچو جن کے گھر کے گھر اجڑ گئے۔''

''کیوں لکھی ہے خدا نے ہماری قسمت میں غلامی، جب آزادی مقدر ہونی تھی تو ہمارے حصے میں غلامی کیوں رہ گئی؟ ہمارے گناہ کیا ہماری نیکیوں کو بھی کھا گئے تھے، آزمائش ہماری قسمت میں لکھ دی گئی، کیوں؟ میں نے اللہ سے کبھی شکوہ نہیں کیا کمانڈر صاحب! مگر کل سے میں جس ذہنی اذیت سے دوچار ہوں میرا ضبط کہتا ہے خدا سے شکوہ کروں۔''

''تمہارا تو ایک دکھ ہو گا عبداللہ! کبھی ان کے چہرے بھی دیکھو جن کو دکھوں نے چاٹ لیا، جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے پھر بھی وہ شکوہ کناں نہیں ہیں، آزمائش انسانوں پر ہی آتی ہیں میرے بچے!''

''تو اب میں کیا کروں، سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹ جائے گا رو رو کر میری آنکھیں پتھرا جائیں گی مگر مجھے قرار نہیں ملے گا کمانڈر صاحب! جنہوں نے دکھ نہ دیکھے ہوں وہ انہیں برداشت بھی مشکلوں سے کرتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے ایک ایک فوجی کو پکڑ کر قتل کر دوں، زندہ گاڑ دوں۔''

''ہاں تمہیں انتقام لینا ہے عبداللہ! بدلہ لینا ہے ان وحشی درندوں سے، لیکن اس کے لئے تمہیں خود کو ہمت دینا ہو گی، ہوش سے کام لینا ہو گا، ہم سب مل کر انتقام لیں گے ان سے مگر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ، جذبات میں اٹھایا گیا کوئی بھی غلط قدم ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے اس لئے عقل مندی کا تقاضہ ہے کہ ہم پلاننگ کے ساتھ میدان میں اتریں۔''

''مگر میں اپنے اندر بھڑکتی آگ کا کیا کروں؟'' وہ سر اٹھا کر ان سے پوچھنے لگا۔

''اسے دہکائے رکھو، اسے بجھنے مت دینا عبداللہ، جہاد آزادی میں یہی آگ تمہارے کام آئے گی، یاد رکھو لوہے پر ہمیشہ جب چوٹ لگاؤ جب وہ گرم ہو۔'' عبداللہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا پھر اپنی گن پر انگلی پھیرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کریک ڈاؤن کیوں ہوا تھا؟'' کمانڈر طارق گہری سانس خارج کرتے گویا ہوئے۔

''یہ بنیئے کی بزدلی کا ثبوت ہے، کل ہمارے شیر دل نوجوانوں نے گھات لگا کر ایک گشتی پارٹی پر حملہ کیا تھا، اس حملے میں چھ بھارتی فوجی جہنم رسید ہوئے، انتقاماً بھارتی فوج نے بزدلوں کی طرح آدھی رات کو میجر گنیش کی قیادت میں گاؤں پر حملہ کر دیا، پہلے انہوں نے مٹی کا تیل اور پٹرول چھڑک کر گھروں کو آگ لگا دی پھر جو جان بچانے کے لئے گھروں سے باہر نکلے انہیں گولیوں سے بھون ڈالا، جب ہم روانہ ہوئے تو ملبے سے لاشیں نکالی جا چکی تھیں، ابھی نہ جانے مزید کتنے لوگ شہید ہوئے ہوں گے۔'' وہ بتا رہے تھے، عبداللہ نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

''فرینڈز ناٹ ماسٹرز'' میں صدر ایوب رقمطراز ہیں کہ۔

''آزادی مفت ہاتھ نہیں آتی اس کے لئے لڑنا پڑتا ہے، کوئی کسی کے لئے نہیں لڑتا ہر ایک کو اپنی لڑائی خود لڑنا پڑتی ہے، پاکستان کی خارجہ پالیسی میں گہری اخلاقی اقدار مضمر ہیں، اس کی بنیاد میں یہ شعور کارفرما ہے کہ سب قومیں آپس میں برابر ہیں اور ہر قوم کو حق حاصل ہے کہ اس کی حکومت اپنے ہاتھ میں ہو اور اس کے اپنے نصب العین کے مطابق ہو، پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بڑے بڑے مقاصد سلامتی اور ترقی ہیں۔''

میرے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی، میں اس وقت پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے ایک فیچر تیار کر رہا تھا، اسی مقصد کے لئے صدر ایوب کی کتاب بھی کھول لی کہ دیکھیں تو سہی، ان ساٹھ باسٹھ سالوں میں کہاں تک ترقی ہوئی ہے، میں نے صفحہ پلٹا اور یونہی نظر ثانی کرنے لگا تو نگاہ ایک جگہ رکی۔

''تاریخ نے ہمیں بڑی بڑی حکومتوں کے متضاد مفادات کی راہ میں لا کھڑا کیا ہے، ہمارے محل وقوع کی وجہ سے ہمیں جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقی وسطیٰ میں بڑی مہنگی اہمیت حاصل ہے، لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ہندوستان ہمارے وجود کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر خود کو آمادہ نہیں کر سکا، جس کی وجہ سے کئی مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ہندوستان کے اس رویے کو سوائے مریضانہ ذہنیت کے اور کسی طرح تعبیر نہیں کیا جا سکتا، ہندوستانی لیڈر مسلمانوں سے گہری نفرت کرتے ہیں اور چونکہ انہیں اپنے جذبے سے ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اس لئے وہ ایک مسلسل ذہنی کشمکش کا شکار رہتے ہیں، ہندوستان نے شروع ہی سے ہماری راہ میں مشکلیں پیدا کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔'' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے میں نے کتاب سینے پر رکھ لی اور حالیہ صورتحال کے متعلق سوچنے لگا، ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ صحیح کیا ہے غلط کیا؟ دوست کون ہے اور دشمن کون پھر بھی جان بوجھ کر انجان بنے رہتے ہیں، خود کو لاعلم اور لاتعلق ظاہر کرتے ہیں؟ ہم واقعی معصوم ہیں یا حد سے زیادہ شاطر جو بھی ہے مگر اس کا بھگتان پوری قوم اور ملک کو بھگتنا پڑ رہا ہے، امن و آشتی تو کہیں بھی نہیں ہے آج، انتشار اور منافقت کی آگ ہر گھر تک پہنچ چکی ہے، اس نفرت نے ہمیں دوست دشمن کی تمیز بھلا دی ہے، میں نے پھر کتاب پر نظریں دوڑائیں۔

''ہندوستان نے ہمارے لئے مہاجرین کی بحالی کا زبردست مسئلہ اسی لئے پیدا کیا تھا کہ ہماری معیشت مفلوج ہو جائے، اس کے ساتھ ہی

اس نے ہمیں وہ ساز و سامان بھی دینے سے انکار کر دیا جس میں ملک کی تقسیم سے پہلے ہمارا حصہ تھا، اس نے ہمیں ان دریاؤں کے بہاؤ کا رخ بدل دینے کا اور ان کا پانی روک دینے کی دھمکی دی جو ہمارے ملک میں بہتے ہیں، پھر اس نے تمام معاہدوں اور اصولوں کے خلاف جموں اور کشمیر کی ریاست کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا اور اپنی فوجیں وہاں جمع کر کے ہمارے ملک کی سلامتی کے لئے ایک مستقبل خطرہ پیدا کر دیا، ان سب باتوں کی تہہ میں ہندوستان کی یہ ہوس کار فرما تھی، کہ وہ تو پاکستان کو خود میں ضم (جذب) کر لے یا اسے اپنا حاشیہ نشین بنا لے، ہندوستانی لیڈروں نے اپنے ارادوں کو ڈھکا چھپا نہیں رکھا تھا، آچاریہ کریلانی نے جو 1947ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر تھے، با اعلان کہا تھا کہ ''نہ تو کانگریس اور نہ قوم اکھنڈ ہندوستان کے دعوے سے دستبردار ہوئی ہے'' اسی زمانے میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے جو پہلے انڈین ہوم منسٹر تھے اور کانگریس پارٹی کے ''مرد آہن'' کہلاتے تھے یہ کہا تھا۔'' بہت دیر نہ گزرے گی کہ ہم دوبارہ ایک ہو کر اپنے ملک کی اطاعت گزاری میں اہم شریک ہو جائیں گے۔

ابھی مزید بہت کچھ پڑھنے کو باقی تھا مگر میں نے بیزاریت سے کتاب بند کر دی، کیا یہ سب باتیں ہماری لئے نئی ہیں کیا ہم جانتے نہیں کہ بھارت پاکستان کے لئے کیا جذبات رکھتا ہے، جو ''اعلیٰ ظرف'' دوستانے کی باتیں کرتے ہیں انہیں گجرات، احمد آباد کے حالات نظر نہیں آتے کہ وہاں مسلمان جانوروں سے برتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، ہندوؤں کی انتہا پسند تنظیمیں مسلمانوں کو دیس نکالا دینے کے درپے ہیں، ان کا تعصب اور منافقت کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں پھر بھی ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے اچھے حالات کے منتظر ہیں جیسے اچھا سوچ لینے سے سب اچھا ہی ہو جائے گا، میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ ڈور بیل کی تیز آواز نے مجھے حقیقت کی دنیا میں لا پھینکا، غالباً اسید اور اس کے دوست وغیرہ آ گئے تھے، میں بستر کی شکنیں درست کرتے ہوئے دروازہ کھولنے اٹھ گیا۔

☆☆☆

اسی رات انہوں نے وہاں سے کوچ کر لیا تھا، ایک دوسری پناہ گاہ تک پہنچنے کے لئے انہیں تمام دن سفر کرنا پڑا تھا اور رات کے اندھیرے میں وہ کمین گاہ پہنچ چکے تھے، وہاں انہوں نے تین دن مختلف منصوبوں کو تشکیل دینے میں گزارے، کمانڈر طارق نے ریڈیو پہ مرکزی کمان سے گاؤں کے قتل عام کا بدلہ لینے کی اجازت طلب کی تھی، دو دن بعد انہیں ''ہاں'' کی صورت میں جواب ملا تھا پھر ایک نئی بحث چھڑ گئی کہ ٹارگٹ کون سی جگہ کو بنایا جائے، تفصیلی بحث کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ کارروائی سری نگر گلمرگ، شاہراہ پر کی جائے گی، جوان کے ٹھکانے سے ایک دن کی مسافت کی دوری پر تھی۔

جگہ کی نشاندہی کا فیصلہ ہوتے ہی سب وہ ایمونیشن کے انتظامات میں لگ گئے، مجاہدین کی انٹیلی جنس نے اطلاع دی کہ اس شاہراہ سے اگلے دو روز میں ایک بڑا قافلہ رسد لے کر گزرنے والا ہے، اندازے کے مطابق اس میں تیس گاڑیاں، ٹرک اور بکتر بند شامل تھیں اور قریباً ڈھائی سو فوجی تھے، پناہ گاہ میں اس وقت کل سترہ مجاہدین موجود تھے، ان میں سے دو پناہ گاہ میں رہنا لازمی تھا گویا صرف پندرہ مجاہدین اس کارروائی میں شریک ہو سکتے تھے، ڈھائی سو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوجیوں کے مقابل یہ تعداد نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اللہ کی راہ میں لڑنے والے کبھی دشمن کی تعداد سے نہیں گھبراتے، ان کے عزم و استقلال کے مقابل عدو کی طاقت کچھ نہیں ہوتی، وہ اس خاصیت سے مالا مال تھے تاہم اصل مسئلہ اسلحے کا تھا، ان کے پاس کل دس کلاشنکوف رائفلیں، چھ ہلکی مشین گنیں، دو بھاری مشین گنیں اور دو اسنائپر رائفلز تھیں تین راکٹ لانچر کے ساتھ درجن بھر راکٹ اور کچھ دستی بم بھی تھے، یہ ان کا کل اسلحہ تھا جو دشمن فوج کے مقابلے میں محدود تھا، کمانڈر طارق نے مرکزی کمانڈر سے رابطہ کر کے مزید ایمونیشن طلب کیا تھا، ان کی درخواست منظور کر لی گئی تھی، اس کے بعد تجربہ کار مجاہدوں نے مل کر نقشے پر حملے کے لئے سب سے مناسب مقام چن کر نشان لگائے اور حملے کی تفصیلات طے کرنے لگا۔

عبداللہ سب سے کم عمر بھی تھا اور نہ تجربہ کار بھی لیکن اس کے اندر کے جوش اور ولولے نے اسے کندن بنا دیا تھا، تیسرے روز شام کے وقت انہوں نے سفر کا آغاز کیا کیونکہ زیادہ تر سفر رات کو ہی کئے جاتے تھے۔

یہ شاہراہ اہم ترین شاہراہ تھی جس کے اردگرد جا بجا فوجی کیمپ اور مورچے موجود تھے، مرکزی کمان نے ایمونیشن کی فراہمی کے لئے ایک مقام کی نشاندہی کی تھی وہاں پہنچ کر انہوں نے مجاہدین سے سامان لیا جس میں دو گرنیڈ تھرور رائفلوں اور مشین گنوں کے میگزین اور کچھ ریموٹ کنٹرول بارودی سرنگیں تھیں، وہ مجاہد بھی ان کے ساتھ ہی سفر میں شریک ہو گئے، وہ تمام رات سفر کرتے رہے اور اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا تو وہ سری نگر، گلمرگ شاہراہ سے صرف چند میل کے فاصلے پر تھے۔

کمانڈر طارق اور ابو جعفر نے انہیں جنگل میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود اس مقام کا جائزہ لینے چلے گئے جہاں سے انہیں فوجی قافلے پہ حملہ کرنا تھا، جانے سے قبل انہوں نے بھیس بدل کر مقامی گوجروں جیسا حلیہ بنا لیا تھا، وہ سب وہیں ان کا انتظار کرنے لگے، گھڑی کی سوئیاں سرعت سے آگے بڑھ رہی تھیں لیکن ان کی واپسی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

"یہ کہاں رہ گئے ہیں، تین گھنٹے تو ہونے لگے ہیں انہیں گئے ہوئے۔" سیف اللہ خالد نے بے چینی سے پہلو بدلا، پریشانی سب کے چہروں سے مترشح تھی۔

"کہیں انڈین فوج نے انہیں پکڑ نہ لیا ہو۔" راشد حسین نے کہا تو عبداللہ کا دل بیٹھنے لگا کیونکہ اگر وہ لوگ پکڑے گئے تھے تو ان کا مشن بھی خطرے میں پڑ گیا تھا، دفعتاً انہیں فائرنگ کی آواز سنائی دی۔

"میرا اندازہ درست ہے کمانڈر صاحب اور ابو جعفر کا فوج سے ٹکراؤ ہو گیا ہے۔" راشد نے درخت کی اوٹ سے صورتحال کا جائزہ لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

"اب کیا ہو گا؟ ہمارا پورا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔" عبداللہ پر تو گھبراہٹ طاری تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا انشاء اللہ، اللہ سے بہتری کی امید رکھو۔" عبید اللہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"کمانڈر صاحب اتنی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہیں، ہو سکتا ہے کوئی اور مسئلہ ہو۔"

وہ اسی گومگو کیفیت میں گھر کے بیٹھے تھے کہ یہیں جمع رہیں یا یہاں سے نکل جائیں، عین ممکن تھا کہ بھارتی فوجی کمانڈر طارق اور ابو جعفر کو

گرفتار کر کے ان سے باقی ساتھیوں کے بارے میں اگلوا لیتے لیکن اگر وہ بچ کر نکل آتے تو یہاں ساتھیوں کی عدم موجودگی انہیں پریشانی میں مبتلا کر سکتی تھی پھر وہ انہیں کہاں تلاش کرتے پھرتے، اسی تذبذب کی کیفیت میں مزید ڈھائی گھنٹے گزر گئے، ان کی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی، یہاں کب تک چھپے رہنا تھا انہیں۔

"میرا خیال ہے ہمیں تھوڑا سا آگے جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے، یہاں تو شام ڈھل جائے گی بیٹھے بیٹھے۔" سیف اللہ خالد نے کہا تو عبداللہ نے سب سے پہلے تائیدی انداز میں سر ہلایا، سلیم جان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ انہیں خشک پتوں کی سرسراہٹیں سنائی دیں۔

"خاموش۔" وہ سب سانس روک کر بیٹھ گئے، ان کے ہاتھ اپنی اپنی گنوں پر جم گئے تھے اور وہ کسی بھی غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کے لئے تیار تھے۔

"تم لوگ کہاں ہو؟" کمانڈر طارق کی گمبھیر آواز ابھری، وہ سب بے تاب سے ہو کر درختوں سے نیچے اترنے لگے، پھر ان پر نظر پڑتے ہی وہ سب وہیں ٹھٹھک گئے، کیونکہ کمانڈر طارق کے لباس پر خون کے بڑے بڑے دھبے تھے اور وہ تنہا ہی تھے، ابو جعفر ان کے ہمراہ نہیں تھا۔

"کمانڈر کیا ہوا؟ یہ خون کیسا ہے؟" سیف اللہ خالد آگے بڑھے۔

"دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟"

"کیا انڈین آرمی سے مڈ بھیڑ ہو گئی؟"

انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی، کمانڈر طارق نے بوجھل سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر انہیں صبر کی تاکید کی اور پھر دلگرفتہ لہجے میں بولے۔

"ابو جعفر شہید ہو گئے ہیں۔"

"کیسے؟" وہ سب ایک دم چپ ہو گئے، گویا موت کی خاموشی چھا گئی ہو۔

"ہم گھات کے مقام پر معائنہ کر کے واپس آ رہے تھے کہ غلطی سے راستہ بھٹک کر ایک فوجی کیمپ کے سامنے جا نکلے، وہاں موجود فوجیوں نے ہم پر فائر کھول دیا، میں تو آڑ میں ہو گیا مگر ابو جعفر تیزی نہ دکھا سکے انہیں کئی گولیاں لگیں، وہ زخمی حالت میں تھے تو میں انہیں تیزی سے اٹھا کر روانہ ہوا مگر وہ راستے میں ہی شہید ہو گئے، بزدل بنیئے کو میرا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں ہوئی ورنہ وہ مجھے بھی، یہ خون ابو جعفر کا ہی ہے، میں نے راستے میں ایک جگہ انہیں دفن کر دیا ہے اور خود راستہ تلاش کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"ان للہ وان الیہ راجعون۔" وہ باآواز بلند ان للہ پڑھ کر ابو جعفر کی مغفرت کی دعا کرنے لگے عبداللہ کی آنکھوں میں پھر سے نمی تیرنے لگی تھی، ایک اور چرکہ لگا تھا دل پر۔

"کمانڈر کیا مشن ختم ہو گیا۔" ایک ساتھی نے پوچھا تو ان کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ غرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"نہیں، یہ مشن ہماری زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گا انشاء اللہ۔"

☆☆☆

"یازش کمال ہے یار! اتنی چھوٹی سی بات پر اتنی ناراضگی۔" رات کو اس کی اداس شاعری پہ مبنی میسجز آئے تو میں نے اس کی ضدی طبیعت پر تاسف کیا اور فوراً ہی اسے کال کی مگر......؟

"یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے، ہمیں اگنور کیوں کیا؟" وہ حق جتا رہی تھی میں مسکرانے لگا۔

"بخدا میں کبھی تمہیں اگنور نہیں کر سکتا، یار کل ہم انتصار صاحب کے پاس تھے، انتصار صاحب کو جانتی ہو نا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی ہاں جانتے ہیں، اچھی طرح، ہمارے ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے۔''

''ہاہاہا۔'' میں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا، یہی تو بات تھی اس کی، میری طبیعت دو منٹ میں بشاش ہو جاتی تھی۔

''زیادہ دانت نہ نکالیں گر جائیں گے، انتصار صاحب کے پاس کیا کام تھا؟''

''یار بچارے حسان کی جاب کا مسئلہ تھا نا۔''

''حل ہو گیا کیا؟''

''ہوں ہو گیا، تم کیا کر رہی ہو؟ غصہ کیسے ختم ہوا؟''

''بس ہو گیا اور ہم کمپیوٹر پہ کچھ کام کر رہے تھے؟''

''گیم کھیل رہی ہو گی۔'' میں نے مسکراہٹ دبائی۔

''اپنی خصوصیات نہ بتایا کریں ہمیں۔'' وہ چڑ گئی۔

''دسمبر کے لئے آرٹیکل لکھ لیا؟''

''ہوں، کب کا، پوسٹ بھی کر دیا، ہمیں ایک بک چاہیے تھی۔''

''کون سی؟''

''پاک بھارت تعلقات پہ ہو۔''

''او کے مل جائے گی کچھ اور۔''

''ہمارا پکوڑے کھانے کا موڈ ہو رہا ہے۔'' اس نے کہا تھا میں پھر قہقہہ لگا بیٹھا۔

''یہ آج کس خوشی میں اتنے دانت نکل رہے ہیں، پرائز بانڈ نکل آیا ہے کیا؟''

''ہاہ..... اپنی ایسی قسمت کہاں ظالم! اور سناؤ کرتی کیا ہو ان دنوں غصے کے علاوہ۔''

''جھک مارتی ہوں۔'' پھر غصہ؟

''بس یہی کام آتا ہے تمہیں، کبھی پیار سے بات بھی کر لیا کرو۔''

''یہ کیسے کرتے ہیں؟'' وہ صاف انجان بن رہی تھی مجھے شرارت سوجھی۔

''میں کر کے بتاؤں سویٹ ہارٹ۔''

''جی نہیں شکریہ، وہ بک جو لکھ رہے تھے اس کا کیا بنا؟'' اس نے جلدی سے بات بدلی۔

''کمپوزنگ کے لئے دی ہے۔''

''عنوان کیا رکھیں گے؟''

''تم بتا دو کوئی سوٹ ایبل سا نام۔''

''او کے سوچ کے بتائیں گے، اچھا ہم کچن میں جا رہے ہیں بائے۔''

''ایک کپ چائے مجھے بھی۔''

''او کے۔'' اس نے سائل دی تھی۔

☆☆☆

حملے کے لئے جو مقام چنا گیا تھا، وہاں سڑک دائرے کی شکل میں وادی سے گزر رہی تھی یہ تقریباً ایک کلومیٹر طویل حصہ تھا، اس کے ایک طرف پہاڑی ڈھلوان تھی، جس پر چیئر اور صنوبر کے گھنے اور طویل قامت درخت تھے، دوسری طرف پیالہ نما گہری کھائی، سڑک اس کھائی کے کنارے سے ہی گزرتی تھی، گھات کے لئے چار مقامات چنے گئے، دو وادی کے کناروں پر اور دو قد کے فاصلوں سے درمیان میں، کیونکہ بکتر بند گاڑیاں ہمیشہ قافلے کے شروع اور آخر میں ہوتی ہیں اس لئے راکٹ لانچر اور گرینڈ تھرور وادی کے شروع اور آخر میں لگائے گئے، درمیانی حصے میں بھاری مشین گنیں نصب کی گئی تھیں اور سڑک سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر وہ سب اپنی اپنی کلاشنکوفوں سمیت مورچہ زن ہو گئے۔

معلومات کے مطابق فوجی کانوائے کو نصف رات کے بعد یہاں سے گزرنا تھا، اگرچہ وہ لوگ تعداد میں کم تھے، ایمونیشن بھی محدود تھا

مگر ان کے حوصلوں اور عزم کی پختگی بہت بلند تھی، ان کے دل جذبہ جہاد سے لبریز تھے، ان کے سینوں پر جو داغ تھے انہیں اب بھارتی فوج کا رزیل لہو ہی دھو سکتا تھا، عبداللہ ایک بڑے پتھر کے پیچھے پوزیشن لئے تھا مگر اس کا ذہن بھول بھلیوں میں گم ہو رہا تھا، تمام ساتھی کمانڈر طارق کے سگنل کے منتظر تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبداللہ کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو رہی تھی، رفتہ رفتہ اس کا ذہن کہیں اور کھو گیا، وہ سوپور کی اس وادی میں پہنچ چکا تھا جہاں عبداللہ تھا اور رابعہ۔

رابعہ کی کھنکتی ہوئی ہنسی تھی، اس کی چوڑیوں سے بھری گداز بانہیں اور چمکدار آنکھوں میں چھلکتی شرارت، اس کا گلاب چہرہ تھا اور نرمل وجود۔

''عبداللہ!'' وہ کتنی حلاوت سے گویا ہوئی تھی، اس کی سماعت میں شرنیاں سی گھل جاتی تھیں مگر اگلا لمحہ بہت وحشت ناک تھا۔

رابعہ کا نرمل اور کومل بدن سلگ رہا تھا، اس کے بدن کو آگ کی لپٹوں نے سیاہ اور داغدار کر ڈالا تھا، اس کے وجود کی نرمی پگھل رہی تھی، دیکھتے دیکھتے اس کا وجود پنجرہ بن گیا تھا، ہڈیوں کا پنجر جو قبر کی گہری تاریک کھائی میں مدفن ہو چکا تھا، عبداللہ کا نفس تیز ہونے لگا، رابعہ کی یاد نے اس کی آنکھیں جلا دیں تھیں، اس سے پہلے کہ وہ سمندر ہوتا اس کے ساتھی نے اسے ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا، وہ چونک کر دیکھنے لگا، سارے منظر بھک سے اڑ گئے تھے، سامنے روشنیوں کی ایک قطار محو سفر تھی، اس نے تاروں کی چھاؤں میں ٹائم دیکھا تو ساڑھے گیارہ کا وقت تھا، اگر یہ ان کا مطلوبہ فوجی کانوائے تھا تو یہ قبل از وقت آ گیا تھا، اس نے روشنی کی قطاروں سے اندازہ لگایا تو تقریباً ڈھائی درجن گاڑیاں تھیں، سب سے آگے ایک جیپ تھی، جو شاید پٹرولنگ کی وجہ سے آگے تھی، یہ کانوائے سے پانچ سو گز کے فاصلے پر آ رہی تھی۔

''لگتا ہے ہمارا شکار آ چکا ہے۔'' اس کے ساتھی نے سرگوشی کی تو عبداللہ نے رائفل پر گرفت مضبوط کر لی وہ دس کے قریب مجاہد تقریباً دو سو فٹ لمبے محاذ پر بیٹھے تھے، پٹرولنگ بکتر بند جیسے عبداللہ غلطی سے جیپ سمجھا تھا، نصف دائرہ وادی میں داخل ہوئی اس پر گھومنے والی سرچ لائٹ لگی ہوئی تھی جو مستعدی سے چاروں طرف گردش کر رہی تھی، وہ سب اپنی اپنی جگہ چوکس ہو کر بیٹھ گئے، سرچ لائٹ کے پیچھے ٹروٹ سے باہر نکلا فوجی ایل ایم جی تھامے چوکنا ہو کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

کشمیر کے حالات نے صرف کشمیریوں کو ہی نہیں بلکہ بھارتی سورماؤں کو بھی حد درجے اعصاب زدہ کر دیا تھا، وہ معمولی سی آہٹ پر بھی بے تحاشہ فائرنگ شروع کر دیتے ہیں ذہنی و اعصابی طور پر وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے، فوجیوں میں فرار، خودکشی اور اپنے ہی ساتھیوں پر فائرنگ کرنے کے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں، خطے کے حصول کے لئے لڑی جانے والی یہ جنگ سالہا سالوں سے اہل کشمیر اور انڈین آرمی کے مابین تعصب اور منافرت کو ہوا دے رہی ہے، حق خودارادیت کا منشور بھارتی سرکار کی سیاست، منافرت اور حریصانہ فطرت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا، خودی کی جنگ کو انا کی جنگ سمجھ کر خود ساختہ مقروضات کی بناء پر حدود کا تعین کر دیا گیا تھا حالانکہ کشمیر کی جنگ اس کے باسیوں کی بقا، حریت اور اسلام کی جنگ ہے، کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے، یہ بانی پاکستان کا فرمان تھا جیسے اکھنڈ بھارت کے اعلیٰ برداروں نے زبردستی اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشور کا حصہ بنا لیا ہے اور جو پاک بھارت دوستانے کے جھنڈے گاڑنے کے درپے ہیں انہیں کشمیر سے سروکار ہے نہ ان ہزاروں لاکھوں کشمیریوں سے جو روز مرتے ہیں روز جیتے ہیں، نصب صدی گزرنے کے بعد بھی ان کے حوصلے، عزم اور جوش و جذبہ جوں کا توں جوان ہے انہوں نے اپنے اندر کی آزادی کو مرنے نہیں دیا، ان کے آزاد ذہن غلامی کو قبول کرنے سے انکاری ہیں اور انہیں یقین ہے کہ ان کے شہداء کا لہو رائیگاں نہیں جائے گا (انشاءاللہ العزیز)۔

سرچ لائٹ گھماتی بکتر بند آہستہ آہستہ وادی کے دوسرے کونے کی طرف بڑھ رہی تھی اور کانوائے وادی میں داخل ہو چکا تھا، گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس نے پورے ماحول کو روشن کر رکھا تھا، وہ سب اس وقت ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ حملہ کا آغاز کر دینا چاہیے تھا کمانڈر طارق نے وہاں بچھی ریموٹ کنٹرول بارودی سرنگ کا بٹن دبا دیا، ایک اعصاب شکن دھماکا ہوا اور سرنگ پر چڑھنے والے ٹرک کے پرزے اڑ گئے، اس کا بچا کھچا ڈھانچہ اچھل کر سڑک سے نیچے کھائی میں جا گرا، اس پہ سوار فوجیوں کی آہ و بکا کرنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی، بارودی سرنگ کے زوردار دھماکے سے سڑک کے وسط میں اتنا بڑا شگاف پڑ گیا تھا کہ وہاں سے اب کسی گاڑی کا گزرنا ممکن نہیں رہا تھا، لہٰذا پورا قافلہ وہیں رک گیا تھا، چند لمحوں کے توقف سے کانوائے کے پچھلے حصے میں بھی ایک اور دھماکہ ہوا تھا آسمان تک زمین لرزی تھی، پچھلے حصے میں موجود گاڑی اور فوجیوں کا بھی وہی حشر ہوا تھا، اب گاڑیاں نہ آگے جا سکتی تھیں اور نہ پیچھے درمیان میں پھنس گئی تھیں، فوراً ہی تمام گاڑیوں کی لائٹس بجھ گئیں اور ان پر موجود ایل ایم جی اور بھاری مشین گنوں نے اندھا دھند فائر اور گولے برسانے شروع کر دیئے بدحواس اور بوکھلاہٹ کا شکار بھارتی اردگرد درختوں اور پہاڑوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔

دفعتاً ایک لٹریسر فائر ہوا جو بلندی پہ جا کر سفید روشنی کی شکل میں جلنے لگا تھا، سڑک کا منظر ایک بار پھر واضح ہو گیا تھا، اب ان مجاہدوں کو حرکت میں آنا تھا جنہوں نے راکٹ لانچر اور گرینڈ تھرور سنبھال رکھے تھے، راکٹ اور گرینڈ بیک وقت آ کر کانوائے پر برسے مگر دو نشانے خطا گئے تھے لیکن تین نے اپنا ہدف تلاش کر لیا تھا، مزید تین گاڑیوں کی تباہی سے بھارتی فوجی اتنے گھبرائے کہ گاڑیوں سے چھلانگیں لگا کر پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، اسی اثناء میں مزید راکٹ اور گرینڈ بھی برستے رہے اور باری باری گاڑیاں اور فوجی اپنے اسلحہ سمیت دھڑا دھڑ جلنے اور تڑپنے لگے۔

اب کمانڈر طارق نے نیلا ٹریسر فائر کیا تھا، جو اس بات کی علامت تھا کہ اب مشین گنوں اور انسائیر رائفلوں والے مجاہدین حرکت میں آ جائیں، ٹریسر فائر ہوتے ہی پناہ کی تلاش میں دوڑتے فوجیوں پر گویا آسمان سے آگ کی صورت موت برسنے لگی تھیں کیونکہ وہ نیچے کھلے ماحول میں تھے اس لئے موت با آسانی اپنے شکار جھپٹ رہی تھی۔

☆☆☆

مجھے اردو بازار یعنی اپنے سسرال کی خاک چھانتے ہوئے اچانک خیال آیا کہ یازش نے پاک بھارت تعلقات پر ایک کتاب طلب کی تھی، چند پرانے میگزین اور اپنے مطلوبہ جرائد خرید کر میں نے مزید کتابیں دیکھنے کے لئے دوسرے اسٹال کی طرف قدم بڑھائے تو ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔

جناب طارق اسمٰعیل ساگر صاحب جو تحقیقی اور تاریخی کتب کی دنیا کا اہم ترین اثاثہ سمجھے جاتے ہیں ان سے کل ہی تو ملاقات ہوئی تھی اور وہ اپنے کسی میگزین کی لانچنگ کا ذکر کر رہے تھے، ان سے اس سلسلے میں بہتر رہنمائی مل سکتی تھی

☆☆☆

پروگرام کی تفصیلات پر بحث کر کے وہ لوگ نماز ظہر پڑھنے لگے، پھر دوپہر کا کھانا تناول کر کے فارغ ہی ہوئے تھے جب ایک مجاہد بھائی نے اطلاع دی کہ ساتھی آ چکے ہیں، وہ سب ان کے استقبال کے لئے اٹھ گئے، اسی اثناء میں دروازہ کھول کر دو افراد اندر داخل ہوئے، ایک قدرے ادھیڑ عمر شخص تھا، جس کی سرخ رنگت کی داڑھی سے سجے چہرے پر بلا کی سختی اور سنجیدگی تھی، مگر اس کی پیشانی چمک رہی تھی، دوسرا خاصا نوعمر تھا، حمزہ شاہ کو اسے دیکھ کر حیرت ہوئی، سرخ و سفید رنگت پر ہلکی بھوری چھوٹی سی داڑھی، گہری براؤن چمکدار آنکھیں جن میں بلا کی معصومیت بھی تھی اور کاٹ بھی، گلابی ہونٹ اور تیکھا تلوار جیسا ناک، اس نے سر پر سفید رنگ کا صافہ پگڑی کی صورت لپیٹ رکھا تھا، سیاہ لباس میں اس کی رنگت دہک رہی تھی، حمزہ شاہ جانے کیوں چند لمحوں تک اس کے خوبصورت چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا، حمید الدین ان کا تعارف کرواتے ہوئے دوبارہ نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔

''ان کی کم عمری پر مت جایئے گا شاہ صاحب، یہ ہمارے ننھے مجاہد ہیں مگر جوش اور ولولہ خوب ہے، اچھے خاصے جنگجو ہیں، پچھلے کچھ عرصے سے انہوں نے بھارتیوں کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔'' حمید الدین نے حمزہ شاہ کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کم عمر نوجوان کی نوعمری سے خائف ہے کیونکہ جس مشن پر وہ جا رہے تھے وہ اس کے لئے ناموزوں لگ رہا تھا۔

''آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں۔'' حمزہ شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھا جو پہلے ہی بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''جی انشاءاللہ، آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔''

ادھیڑ عمر مجاہد جس کا نام ابوعکاشہ بتایا گیا تھا اسے بھی اپنے ساتھی پر پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔

''ویسے بھی اتنی سی عمر سی یہ جذبہ اور شوق جہاد، الحمدللہ خوب ہے۔'' حمزہ نے متاثر ہو کر کہا تھا۔

''آپ بھی تو کم عمری سے ہی مجاہد کی زندگی جی رہے ہیں۔''

''اچھا..... آپ کیسے جانتے ہیں۔'' وہ دوستانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

''میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''کمانڈر حمزہ شاہ کے نام سے واقفیت ہونا الگ بات ہے مگر آپ لوگ تو غالباً ملے بھی پہلی بار ہیں۔'' حمید الدین نے کہا تو حمزہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''یاد کریں، ہم اس سے پہلے بھی ایک دو بار مل چکے ہیں۔'' وہ جیسے اسے تجسس میں ڈال کر حمزہ لے رہا تھا، اس بار حمزہ نے اسے سر تا پا غور سے دیکھا۔

''ہم عظیم کے گھر پر ایک دو بار مل چکے ہیں۔''

''اوہ..... عبداللہ ڈار..... یہی نام بتایا ہے نا آپ نے۔''

''جی میں عبداللہ ڈار ہی ہوں، عبدالاحد ڈار کا بیٹا۔''

''ہاں میں جانتا ہوں، مگر آپ تو.....'' وہ حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی رازداں ٹھہرا

عتیقہ ملک

"مسٹر زیدی!

آپ یقیناً بہت خوش ہیں کہ دو روز پہلے آپ نے اکلوتے بیٹے کی منگنی کی ہے مگر میں آپ کو یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ اپنی خوشیوں کی عمارت میرے خوابوں کے محل کو مسمار کر کے اس کے ملبے پر کھڑی کر رہے ہیں، میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا، ایمان جسے آپ اپنی متوقع بہو کے روپ میں دیکھ رہے ہیں، مجھے یہ شدید محبت کرتی ہے اور میں بھی اسے بے پناہ چاہتا ہوں، ہم دونوں اپنی زندگی ایک ساتھ گزارنے کا عہد کر چکے ہیں اور اگر کوئی تیسرا ہم دونوں کے درمیان آئے گا تو میں اسے مسل کر رکھ دوں گا، میں اپنی محبت کی خاطر جان دینے کا بھی حوصلہ رکھتا ہوں اور لینے میں بھی عار محسوس نہیں کروں گا، اس لئے میرا آپ کو مشورہ ہے کہ میرے راستے سے ہٹ جائیے، آپ کا بیٹا ایک بہت خوبصورت ویل ایجوکیٹڈ اور ویل آف بزنس مین ہے، اس کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے، ایمان کے علاوہ کوئی بھی اچھی سی لڑکی پسند کریں اور اس کی شادی کر دیں، مجھے اعتراض نہیں ہوتا، یہ ایمان کے ساتھ اپنے بیٹے کی منگنی کا ڈرامہ جو آپ نے کیا ہے اسے جلد از جلد ختم کر دیں، ورنہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا، اس صورت میں آپ اپنے اکلوتے بیٹے کو کھو دیں گے اور آپ کے پاس صرف پچھتاوا رہ جائے گا۔"

آپ کا خیر خواہ

منگنی کو دو روز ہی گزرے تھے کہ مسز

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیدی یہ خط اٹھائے ان کے گھر آن پہنچی تھیں، ملازمہ کی زبانی ان کی آمد کا سن کر وہ ڈرائنگ روم میں انہیں سلام کرنے آ رہی تھی، اندر داخل ہونے سے پہلے ان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

''سچی بات تو ہے کہ مجھے اس قسم کے فضول لیٹر کی ایک بات پر بھی یقین نہیں ہے لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ آپ لوگوں سے کم از کم ڈسکس تو کر لوں کہ یہ کون گھٹیا انسان ہے جو ایمان کی کردار کشی کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں انتہائی قدم اٹھانے کی دھمکیاں بھی دے رہا ہے، آخر اس کا سراغ لگانے کی کوشش تو کرنی چاہیے۔'' اندر آتی ایمان کے قدم کسی انہونی کے احساس سے لڑکھڑانے لگے تھے، مگر چونکہ آنٹی کی اس پر نظر پڑ چکی تھی، سو اس نے خود کو کمپوز رکھتے ہوئے انہیں سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی!''

''وعلیکم السلام آؤ بیٹا! ادھر میرے پاس بیٹھو۔'' انہوں نے انتہائی محبت سے اسے پاس صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''آپا آپ جانتی ہیں ہمارا اتنا لمٹیڈ سا ماحول ہے ایمان کالج کے علاوہ کہیں آتی جاتی نہیں ہے نہ ہی ہم نے اتنی آزادی دے رکھی ہے کہ یہ یوں کسی سے میل جول......''

''استغفراللہ بہن میں نے کب کہا کہ ایمان کا کسی سے رابطہ ہوگا یقیناً یہ سب کسی دشمن کی سازش ہوگی مگر اب اس بندے کا پتہ تو چلے یہ ہے کون؟'' آنٹی زیدی امی کی بات کاٹ کر فوراً بیچ میں بول پڑی تھیں۔

''آنٹی آپ کو پتہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے خاندان میں کتنے ہی لوگوں کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو گھٹیا اور تھرڈ کلاس طریقہ سوجھا ہو۔'' خط اب بھائی کے ہاتھ میں تھا اور وہ سرخ چہرے کے ساتھ آنٹی کو وضاحتیں دے رہا تھا۔

''چائے بنا کر لاؤ ایمان!'' بھائی نے اسے حتی الامکان نرمی سے کہا مگر اس کے سرد تاثرات اسے ہلا گئے تھے، وہ فوراً اٹھ کر باہر نکل گئی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس اچانک نئی افتاد پر غور کرنے لگی تھی۔

''کون ہے یہ، کون ہے جو اس قسم کے خطوط لکھ رہا ہے۔'' آنٹی زیدی کے جاتے ہی بھائی خطرناک تیوروں سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

''اسد...... اسد یہ کیا کر رہے ہو؟'' امی تیزی سے درمیان میں آئی تھیں۔

''جوان بہن پر ہاتھ اٹھاؤ گے، سنا نہیں مسز زیدی کیا کہہ رہی تھیں کہ کوئی سازش......''

''ہاں...... ہاں...... سازش، ان کے سامنے میں نے بھی بھرم رکھنے کو کہہ دیا ورنہ دنیا جہان کی لڑکیوں کی منگنیاں ہوتی ہیں، اس کی انوکھی منگنی ہوئی ہے جو دنیا اس کے پیچھے سازش کرنے کو پڑ گئی۔''

''نہیں امی آپ ہٹیں مجھے اس سے پوچھنے دیں کہ کون ہے کہ جس کے ساتھ عہد و پیمان کر کے یہ ہمارے منہ پر کالک مل رہی ہے۔''

''بھائی مجھے نہیں پتا، میں قسم کھاتی ہوں میں نہیں جانتی یہ سب کون لکھ رہا ہے؟'' کانپتی آواز کے ساتھ اس نے اپنی طرف سے حتی الامکان صفائی دی تھی۔

''بیٹا بیٹھ کر آرام سے سوچو پتا نہیں کیا ہو اور ہم کیا سمجھ رہے ہیں۔'' امی نے لجاجت سے کہا تو وہ ایک دم صوفے پر گر سا گیا تھا۔

''امی کوئی بات ضرور ہے کوئی یوں ہی یہ سب کچھ نہیں لکھ رہا، آگ ہوتی ہے تو دھواں اٹھتا یہاں گھر والوں کی نظروں میں دھول دھونک کر مستقبل سنوارتی نظر آتی ہیں، میرا دل کہتا ہے کوئی بات ہے ضرور۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' اب جبکہ وہ قدرے نرمی سے ماں کو سمجھا رہا تھا تو انہوں نے غصے سے اسے وہاں جانے کا کہہ دیا تھا۔

کمرے میں آ کر وہ بہت دیر تک اپنی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی، اگرچہ بھائی کے سامنے وہ انکار کر کے آ گئی تھی، مگر یہ سلسلہ کہاں سے شروع ہوا تھا، اس سے تو وہ واقف ہی تھی، اب کہاں جا کر ختم ہوگا یہ معلوم نہ تھا، وہ آنے والے وقت کا تصور کر کے بے حد پریشان ہوتی رہی، کچھ ایسا بھی تھا جس سے وہ مکمل طور پر بے خبر تھی، جو اس کے وہم و گمان کا بھی حصہ نہیں بن سکتا تھا۔

☆☆☆

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے بھئی، اپنے جگر کا ٹکڑا پردیس میں بھیج کر کون سے ماں باپ ہیں جو سکھ کی نیند سوتے ہوں گے، بہرحال یہ بھی سچ ہے کہ مجھ سے زیادہ تمہاری ماما کو تمہاری آمد کا انتظار ہے، دراصل تمہاری آمد کے ساتھ ہی ایک چاند سی بہو بھی اپنے آنگن میں لانے کے دن گن رہی ہیں۔'' مسز زیدی لان میں گھاس پر جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھیں، جب زیدی صاحب فون پر باتیں کرتے ہوئے اس طرف آتے دکھائی دیئے تھے، مسز زیدی نے دعا مختصر کی اور جلدی سے جائے نماز تہہ کرتے ہوئے اٹھ کر کارڈلیس ان کے ہاتھ سے لیا تھا۔

''بس بیٹا اب بہت پڑھ لیا بہت گھوم پھر لیے اب مجھ میں اس سے زیادہ انتظار کا حوصلہ نہیں ہے۔'' سلام دعا کے بعد وہ بے چینی سے شروع ہو گئیں، جانتی تھیں کہ نبیل سیاحت کا دیوانہ ہے پہلے بھی کئی مرتبہ سمسٹر کے اختتام پر وہ کسی نہ کسی ملک کی سیر کے لئے نکل جاتا تھا، جبکہ مسز زیدی کی خواہش ہوتی تھی تو وہ اس دوران پاکستان کا چکر لگائے، اب تو وہ اس کی واپسی کے دن گن رہی تھیں، سو فوراً پیش بندی کرنے میں لگ گئی تھیں۔

''بس ماما آپ آنکھیں بند کریں اور مجھے اپنے پاس پائیں گی۔'' گویا اس کا واپسی کا پروگرام پکا تھا۔

''وری گڈ ہم کب تک امید رکھیں؟'' انہوں نے پوچھا تو نبیل ہنس پڑا تھا۔

''ماما آپ تو...... واقعی...... اچھا ایک دو روز میں ٹکٹ کروا کے آپ کو انفارم کرتا ہوں ویسے سچ بتائیں کیا پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں، ایک چاند سی......'' وہ شرارت سے کہتے کہتے رک گیا تھا۔

''ارے بیٹا ان کا بس چلے تو تمہاری ماما تمہیں سیدھے ائیرپورٹ سے میرج ہال لے جا کر ہتھکڑیاں پہنا دیں۔'' کارڈلیس ایک مرتبہ پھر زیدی صاحب نے اچک لیا تھا۔

''یقیناً تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''آں...... ہاں...... اعتراض...... اب ماما کہہ رہی ہیں تو میں بھلا ان کی بات ٹال سکتا ہوں۔'' اس نے کچھ سوچنے کی ایکٹنگ کی اور پھر گویا سرنڈر کر دیا تھا۔

☆☆☆

''مسز زیدی دو تین روز سے کلب نہیں آ رہیں؟'' جاگنگ ٹریک پر مسز وسیم نے مسز آصفہ کے ساتھ چلتے ہوئے یونہی پوچھا تھا۔

''بھئی وہ آج کل بہت بزی ہیں ان کا اکلوتا بیٹا جو لندن سے واپس آ رہا ہے۔'' مسز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آصفہ خاصی باخبر تھیں، سو ان کی معلومات میں اضافہ کر ڈالا تھا۔

''اچھا تبھی تو...... وہ چند روز سے غیر حاضر ہیں۔'' مسز وسیم نے سر ہلایا تھا۔

''بہت خوش ہیں، ایک تو اکلوتا بیٹا ایجوکیشن کمپلیٹ کر کے واپس آ رہا ہے اور وہ بھی گوریوں کے دیس سے اکیلا، آج کل اس کے لئے لڑکیاں تاڑتی پھر رہی ہیں۔''

''ارے واقعی مسز وسیم کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔''

''کہہ رہی تھیں کہ باپ کے ساتھ مل کر کچھ نیا بزنس سٹارٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، مگر بزنس تو سیٹ ہوتا رہے گا، اس کے واپس آتے ہی سب سے پہلا کام اس کے سر پر سہرا سجانے کا کروں گی۔''

''پھر تو بہت اتاؤلی ہو رہی ہیں اور ٹھیک ہی ہے کہ ماؤں کو بیٹوں کی خوشیاں دیکھنے کا ارمان بھی تو بہت ہوتا ہے۔'' مسز وسیم نے کچھ پرسوچ انداز میں جواب دیا تھا۔

''جو لڑکی مسز زیدی کی بہو بنے گی، بہت لکی ہو گی، کروڑوں کے بزنس کا اکلوتا وارث، ماشا اللہ اتنا ہینڈسم اور اتنا سلجھا ہوا، پچھلے سال جب آیا تھا تو میری ایک دو مرتبہ آتے جاتے ملاقات ہوئی تھی، اتنی عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے۔'' مسز آصفہ کی باتیں سنتے ہوئے مسز وسیم پر سوچوں کے نئے در وا ہو رہے تھے۔

''اپنے باپ پر گیا ہو گا۔'' انہوں نے کچھ بے خیالی میں کہا تھا۔

''ہاں واقعی؟ مسز زیدی تو کچھ چلتر سی طبیعت کی ہیں، زیدی بھائی بڑے نائس مین ہیں یقیناً انہی کی کاپی ہے۔'' مسز آصفہ نے بھی تائید کی تھی۔

☆☆☆

''ایکسکیوزمی!'' وہ سیکنڈ فلور کے گراؤنڈ پر ٹہل ٹہل کر جرنلزم کے نوٹس کو رٹے مار رہی تھی، جب ایک آواز پر مڑ کر دیکھا تھا، سانولے سے کمپلیکشن کی تقریباً اسی کی ایج فیلو لڑکی اس سے مخاطب تھی، چہرے پر خاصا خوشگوار تاثر لئے انداز دوستانہ تھا۔

''جی!'' وہ بھی چہرے پر خیر مقدمی تاثر لئے چند قدم اس کی طرف بڑھ گئی مگر بہر حال درمیان میں گلی تھی کچھ فاصلہ پھر بھی قائم رہا۔

''آپ کے فلور پر بال چلی گئی ہے، دو بچے لینے کے لئے گئے تھے۔'' وہ چھت کی دیوار پر ہاتھ رکھے سوالیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''ہاں ابھی آئے تو تھے، میرا خیال ہے وہ واپس چلے گئے ہیں، گیٹ سے نکل چکے ہوں گے۔'' ایمان نے ایک پل کو سوچ کر بتایا تھا۔

''ہم لوگ ادھر چوہدری انکل کے گھر میں کرائے دار ہیں چند دن پہلے ہی شفٹ ہوئے ہیں۔'' لڑکی کا ارادہ کچھ گپ شپ کا تھا سو اپنی جگہ پر جمی کھڑی تھیں۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' ایمان نے مسکرا کر استفسار کیا تھا۔

''نیلوفر!'' اس نے مسکرا کر بتایا تھا۔

''مجھے ایمان کہتے ہیں۔'' جواباً ایمان نے بھی تعارف کروایا تھا، پھر دس پندرہ منٹ تک ان کے درمیان گپ شپ کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ بابا جان کے آواز دینے پر اسے نیلوفر سے معذرت کر کے اندر جانا پڑا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو مام!'' لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے وہ شام کی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مالی کو پودوں کی کانٹ چھانٹ سے

متعلق ہدایات دے رہی تھی، جب نائلہ تیار ہو کر باہر نکلی تھی۔

''کہاں کی تیاری ہے بھئی؟'' انہوں نے خاصی توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''مام! میں ذرا اپنی فرینڈ کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس نے گاڑی کی چابی جھلاتے ہوئے بتایا تھا۔

''اچھا بیٹھو مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں؟''

''او کے مام میرے پاس تھوڑا سا ٹائم تو ہے۔'' نائلہ نے کلائی پر بندھی نفیس سی گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا، مسز وسیم بیٹی کو قدرے تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

''پڑھائی کو خود پر کچھ زیادہ ہی سوار کیا ہوا ہے، باقاعدگی سے پارلر جایا کرو خود پر توجہ دو۔'' انہوں نے ہدایات جاری کی تھیں۔

''واٹ مام میں اچھی نہیں لگ رہی کیا؟'' خاصی ٹپ ٹاپ سے تیار ہو کر نکلی تھی سو کانشس ہو کر پوچھنے لگی تھی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو میری جان! مگر میں چاہتی ہوں اس سے بھی اچھی لگو بلکہ سب سے اچھی لگو۔''

''خیریت؟ اس کی کیوں ضرورت پیش آ گئی۔'' اس نے آنکھیں اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے شرارت سے پوچھا تھا۔

''نبیل پاکستان آ چکا ہے۔'' انہوں نے اطلاع دی تو نائلہ کے چہرے پر رنگ پھیل گئے تھے۔

''واؤ، کب مام آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' اس نے خاصے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

''ویسے تم بھی ہاتھ لگو تو تب نا، اس سے بھی خاص بات یہ کہ مسز زیدی جلد از جلد اس کے سر پر سہرا سجانا چاہتیں ہیں۔''

''مام آپ بھی نا، آپ نے کبھی آنٹی زیدی سے بنا کر نہیں رکھی، یہیں دیکھیں نا وہ کب سے پاکستان آیا ہوا ہے اور میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' وہ کچھ یاسیت سے کہہ رہی تھی۔

''ملاقات کون سا مشکل ہے، میں سوچ رہی ہوں اگلے مہینے تمہاری سالگرہ کا اچھا سا فنکشن ارینج کرتی ہوں۔'' مسز وسیم پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

''بس تم ذرا خود کو پالش کرو۔''

''مگر میری سالگرہ تو ستمبر میں......'' ماں کی تنبیہی نظروں پر وہ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

☆☆☆

''سچ مجھے بہت خوشی ہوئی تھی یہ دیکھ کر کہ چوہدری انکل کے ہاں نئے کرائے دار آئے ہیں۔'' ایمان نے گرل پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے نیلوفر کو بتایا تھا۔

''اچھا اس سے پہلے کرایہ داروں سے تمہاری بنتی نہیں ہو گی یا پھر ان میں تمہاری ایج کی کوئی لڑکی نہیں ہو گی۔'' نیلوفر نے قیاس آرائی کی تھی۔

''لڑکی تو کیا لڑکا بھی کوئی نہیں تھا اور بننے کی بھی خوب رہی، ایک ادھیڑ عمر انکل تھے پتہ نہیں زمین سے اگے تھے یا آسمان سے ٹپکے تھے، میں نے کوئی ملنے ملانے والا بھی کوئی نہیں دیکھا تھا، سو ان سے تو میری ہیلو ہائے ہونے سے رہی۔'' ایمان نے خاصا مفصل جواب دیا تھا۔

چند ہی دنوں میں ایمان اور نیلوفر کی اچھی خاصی فرینڈ شپ ہو گئی تھی، نیلوفر نے بتایا تھا کہ ان کا گھر چند گلیاں چھوڑ کر ہی تھا مگر گھر میں کنسٹرکشن کا کچھ کام ہونے کی وجہ سے وہ لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف دو ماہ کے لئے اس گھر میں آئے تھے، وہ دونوں ایک دوسرے کے گھر تو نہیں جاتی تھیں مگر دیوار پر کھڑے ہو کر ڈھیروں باتیں کر لیتیں۔

''یہ جو سامنے والی ثمن آنٹی ہیں، ہمارے گھر میں میلاد کی دعوت دینے آئی تھیں، مجھے بہت اچھی خاتون لگیں؟'' نیلوفر نے اسے بتاتے ہوئے ثمن آنٹی پر کمنٹس بھی پاس کیئے تھے۔

''تم جاؤ گی؟'' ایمان پوچھ رہی تھی۔

''آف کورس، ہم ہر فنکشن اور پارٹی میں شرکت کے بہانے ڈھونڈتے ہیں تو میلاد کی بابرکت محفل سے غیر حاضری کی وجہ؟''

''بات تو تمہاری بالکل درست ہے میں خود کوشش کروں گی اگر امی فارغ ہوئیں تو؟''

''اور اگر آنٹی فارغ نہ ہوئیں تو؟'' نیلوفر نے سوال اٹھایا تھا۔

''تو پھر مجھے کہیں اکیلے جانے کی عادت نہیں ہے۔'' ایمان نے مسئلہ بیان کیا تھا۔

''تو میرے ساتھ چلے چلنا، اکٹھے چلیں گے۔'' نیلوفر نے آفر دی تھی۔

''یہ بھی ٹھیک ہے امی سے پوچھوں گی۔'' ایمان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

☆☆☆

''بیگم صاحبہ! کوئی مسز وسیم آپ سے ملنے آئیں ہیں؟'' نوکر نے لاؤنج میں آ کر بتایا تھا۔

''مسز وسیم؟'' مسز زیدی جو نبیل کا سر گود میں رکھے اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھیں چونک گئی۔

''تو بھی ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ نا؟ کھڑا کیوں کر رکھا ہے۔'' وہ فوراً اٹھتے ہوئے بولیں تھیں۔

تبھی لاؤنج کے دروازے سے مسز وسیم اندر داخل ہوئیں مگر وہ اکیلی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ان کی بیٹی نائلہ وسیم بھی ان کے ساتھ تھی۔

''بھئی ہم کوئی مہمان تھوڑی ہیں جو ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے۔'' مسز وسیم خوشدلی سے مسز زیدی کے گلے ملتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ادھر پاس ہی روڈ پر گاڑی خراب ہو گئی تھی، تو میں نے نائلہ سے کہا جب تک ڈرائیور مکینک کو لے کر آتا ہے، تمہاری خیریت پوچھ لیتے ہیں، کتنے دنوں سے نظر نہیں آئیں۔'' مسز وسیم نے اچانک نازل ہونے کی وجہ بیان کی تھی۔

''ارے نبیل بیٹا! آپ کب آئے؟'' مسز وسیم نے اچانک یوں پوز کیا جیسے نبیل کی آمد اور موجودگی سے قطعی بے خبر تھیں۔

''السلام علیکم آنٹی!'' اس نے اچانک داغے گئے سوال کا جواب دینے کی بجائے شا... سے سلام کیا تھا۔

''بس چند روز پہلے ہی واپس لوٹا ہے۔'' مسز زیدی نے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

''آپ لوگ بیٹھیں نا۔'' وہ دونوں ماں... آگے بڑھ کر صوفوں پر براجمان ہوئیں تو... زیدی بھی ان کے سامنے ہی ٹک گئی تھیں جبکہ نب... کونے میں قدرے فاصلے پر الگ تھلگ صوفے پر بیٹھ کر میچ دیکھنے میں مگن ہو گیا تھا... زیدی انہیں نبیل کی آمد کے ساتھ ہی پیدا ہو... والی مصروفیات کا ذکر بتانے لگی تھیں۔

''نائلہ بیٹا آپ نبیل کے پاس جا کر... نا؟'' نائلہ چونکہ بار بار پہلو بدل رہی تھی سو اس... بیزاری محسوس کر کے مسز زیدی نے کہا تھا۔

''جی آنٹی!'' وہ مسکرا کر کہتی ہوئی فورا... کھڑی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کر رہی۔'' وہ نبیل کے پاس بیٹھنے سے پہلے صوفے پر پشت پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہی تھی۔

''ارے نہیں بیٹھیں پلیز۔'' وہ ذرا سا ایکٹو ہو کر بیٹھ گیا مگر نظریں ابھی بھی ٹی وی سکرین پر جمی تھیں۔

''آپ کو کرکٹ سے بہت دلچسپی ہے؟'' نائلہ نے اس کی توجہ اپنی طرف دلائی تھی۔

''آپ کو نہیں ہے۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''آں..... مجھے ذہن پر زور ڈالنا پڑتا ہے کہ کرکٹ اور ہاکی میں کیا فرق ہے، کرکٹ بیٹ سے کھیلی جاتی ہے اور ہاکی..... ہاکی سے..... کرکٹ کے ہیرو عمران خان ہیں اور ہاکی کے ان شیر خان۔'' یہ حقیقت تھی کہ گیمز کے معاملے میں اس کی انفارمیشن اور دلچسپی حیرت انگیز حد تک صفر تھی، نبیل نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر حیرت سے اس کی تفصیلات سنیں اور آخری بات پر زور سے ہنس پڑا تھا۔

''خدارا جان شیر خان کی اتنی انسلٹ تو مت کریں۔'' اب وہ دلچسپی سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کہ نائلہ کو اپنی کامیابی محسوس ہوئی تھی۔

''بائے داوے فیلڈ میں آپ کی انفارمیشن اتنی پرفیکٹ ہوتی ہیں نا صرف گیمز کی حد تک۔'' وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا، اس کی دوستانہ طبیعت سے نائلہ کو لگا اس کا ٹارگٹ اتنا مشکل نہیں ہے۔

''میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی، ایکچوئلی مجھے کسی بھی کھیل وغیر سے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے ہاں پاکستان انڈیا کا میچ ہو تو کسی سے بھی پوچھ لیتی ہوں کہ کون ہارا، کون جیتا۔'' اس نے فوراً ہی پینترا بدل کر قدرے سنجیدگی سے وضاحت کی مگر نبیل کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ سجی تھی۔

''اینی وے، آپ سنائیں، کیا کچھ کر کے آئے ہیں اور آئندہ کیا تیر مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟'' اس نے دوستانہ انداز میں موضوع بدلا تو نبیل نے ریموٹ ہاتھ میں لے کر میوٹ کا بٹن پریس کیا تھا۔

☆☆☆

اس نے گرل سے چوہدری انکل کے گھر میں کتنی دفعہ جھانکا مگر نیلوفر کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، بالآخر اندر آ کر ان کے گھر کا نمبر ملایا تھا۔

''کہاں ہو نیلوفر؟ ثمن آنٹی کے گھر نہیں چلنا ہے؟'' فون پر دوسری طرف نیلوفر ہی تھی سو ایمان نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

''ہاں یار! میں بالکل تیار ہوں، ایسا کرو ہمارے گھر آ جاؤ ادھر ہی سے چلے جائیں گے۔''

''اوکے میں آ رہی ہوں۔'' اس نے فون رکھتے ہوئے کہا اور آخری نظر آئینے پر ڈالی تھی۔

سفید شیفون جارجٹ کا ہلکی سی ایمبرائیڈری والا سوٹ پہنے ہاتھوں میں گجرے ڈالے اس نے اپنی تیاری پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی اور بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح پھیلا کر اوڑھا تھا۔

''بھائی چلیں۔'' لاؤنج میں اسد اسی کے انتظار میں ٹی وی کے چینل چینج کر رہا تھا سو فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا، چوہدری انکل کے گیٹ کی بیل بج کر اس نے ذرا سا دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا، سامنے ہی نیلوفر اپنے گھنے بالوں کو سلجھانے میں الجھی ہوئی تھی، وہ اسد کو جانے کا اشارہ کر کے اندر آ گئی تھی۔

''تم تو کہہ رہی تھیں کہ بالکل تیار ہوں۔'' اس نے نیلوفر کو دیکھ کر منہ بنایا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تیار تو ہوں، بس یہ بال خشک نہیں ہو رہے تھے، ان کو سمیٹ لوں پھر چلتے ہیں۔'' اس نے وضاحت کی تھی۔

''ابھی تم نے لیپا پوتی بھی کرنی ہو گی؟'' اسے سچ مچ کوفت ہوئی تھی۔

''لیپا پوتی کوئی خاص نہیں کرنی اور تم یہاں کیوں بیٹھ رہی ہو اندر چلو۔''

''تم تیار ہو کر آجاؤ میں تب تک یہیں بیٹھتی ہوں۔'' وہ کرسیوں کو چھوڑ کر قریب ہی جامن کے درخت سے بندھے جھولے پر بیٹھ گئی تھی، چوہدری انکل کے گھر کا باغیچہ اسے بے حد پسند تھا، جامن اور بادام کے درخت اور رنگا رنگ بہار دکھاتے پودوں کو اکثر جھانک کر دیکھتے ہوئے وہ اپنی نظروں کو تر و تازگی پہنچاتی تھی، خصوصاً ساون میں شدید بارش ہوتی کبھی بادل گھر آتے ٹھنڈی ہوائیں چلتی یا دسمبر کا کن من کرتا موسم اسے چوہدری انکل کے گھر لان اپنی طرف کھینچنے لگتا تھا اور اس وقت تو بیٹھنے کا موقع مل رہا تھا، سو فوراً بول اٹھی تھی۔

''او کے میں جلدی سے تیار ہو کے آتی ہوں۔'' نیلوفر عجلت میں کہتے ہوئی اندر غائب ہوئی تھی جبکہ وہ مزے سے ہلکے ہلکے جھولے لینے لگی تھی، ماحول کی خوبصورتی کو دل میں اتارتے ہوئے آنکھیں بھی تقریباً بند ہو چلی تھیں۔

''یا خدا! میں تو راستہ بھول کر کوہ قاف میں آ گیا ہوں۔'' ایک مردانہ آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں، گیٹ نیم وا تھا وہ کون تھا اور کس وقت اندر آیا اسے خبر نہ ہوئی تھی، دو پرتپش سی نظریں شوخی سے اس پر مرکوز تھیں۔

''دیکھو ایمان یہ دوپٹہ اس سوٹ پر.....'' نیلوفر تیز تیز بولتی ہوئی اندر سے برآمد ہوئی تھی۔

''ارے سکندر بھائی آپ آ گئے، اچھا ہے بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ آرام کر رہی، گھر کا خیال رکھیے گا۔'' نیلوفر سامنے کھڑے سکندر کو دیکھ کر چونکی اور پھر ہدایات دینے لگی تھی۔

''چلو ایمان! میرا یہ دوپٹہ کیا لگ رہا ہے اس سوٹ کے اوپر میچ تو کر رہا ہے نا۔'' نیلوفر نے مشورہ لیتے ہوئے قدم بڑھائے تو ایمان نے کچھ کہے بغیر اس کی تقلید کی تھی، دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا وہ وہیں کھڑا انہیں بغور جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

''ملک صاحب! ہمیں ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے کر کے ابھی گھر بھی پہنچنا ہے اور موسم کے آثار بھی کچھ اچھے نہیں لگ رہے۔'' زیدی صاحب نے شگفتگی سے کہتے ہوئے ملک عارف سے چلنے کی ایک بار پھر اجازت چاہی جو ان کی گاڑی کے شیشے پر جھکے گفتگو لپیٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

زیدی صاحب اپنی وائف کے ساتھ اپنے جگری دوست ملک عارف کے گاؤں ان کی بیوی کی مزاج پرسی کے لئے آئے تھے، انہیں پچھلے مہینے عارضہ قلب کے باعث ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونا پڑا تھا، دیرینہ تعلقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا آنا تو بنتا تھا مگر دو گھنٹے بیٹھنے کے بعد اجازت لے کر گاڑی میں آن بیٹھے تو بھی ملک عارف کی باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

''اچھا پھر اجازت، لیکن آپ لوگ رک جاتے تو بہتر تھا کیوں بھابھی!'' چلتے چلتے انہوں نے پھر رکنے کی دعوت دی تھی۔

''ایک تو آپ دوستوں کی کیسی باتیں ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، عورتوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں آپ لوگ، ٹھیک ٹھاک بارش برسنے کا موسم ہو رہا ہے۔'' سڑک پر آتے ہوئے گاڑی نے سپیڈ پکڑی تو مسز زیدی نے ایک نظر بدلتے

ہوئے موسم پر ڈالتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

ہوا میں خاصی تیزی آ گئی تھی اور بادلوں کے ٹکڑے بھی اِدھر اُدھر حرکت کرتے دکھائی دے رہے تھے، مگر موسم اس قدر شدت اختیار کر جائے گا اس کی تو انہیں قطعی امید نہ تھی، شہر پہنچنے تک ہوا کی تیزی طوفان میں بدل گئی تھی، درخت بھی گویا زمین بوس ہو کر سیدھے ہوتے اور دوبارہ سجدہ ریز ہو جاتے، بجلی کی کڑک الگ دل دہلائے جا رہی تھی، گھر تک پندرہ بیس منٹ کا سفر درپیش تھا، زیدی صاحب نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی مگر تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی اچانک ہی رک گئی تھی، دو تین مرتبہ سٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر انجن غرا کر خاموش ہو گیا، شدید طوفان کے باوجود اتر کر گاڑی کا بونٹ کھولا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مسئلہ کیا ہے۔

''ایکسکیوزمی انکل! کیا پرابلم ہے؟ میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟'' پانی میں شرابور ایک جوان نے بائیک سے اتر کر گیٹ پر بیل دی اور پھر سے بائیک پر سوار ہوتے ہوئے انہیں دیکھ کر رک گیا تھا۔

''بیٹا وہ دراصل.....''

''میرا خیال ہے آپ کی گاڑی خراب ہو گئی ہے، بہتر یہی ہو گا کہ اسے یہیں لاک کر دیں اور چل کر اندر بیٹھیں جونہی موسم ٹھیک ہو گا، مکینک کو بلا لیں گے۔'' تبھی گیٹ کھلتے دیکھ کر اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹ کر جواب دیا تھا، وہ یقیناً اسی گھر کا مکین تھا، تبھی اندر آنے کی دعوت دے رہا تھا، زیدی صاحب کے پاس اس کی بات پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

''پلیز بیٹھیں۔'' وہ انہیں اپنی ہمراہی میں اندر لا کر کہہ رہا تھا، تبھی کچن سے ایک نفیس سی خاتون برآمد ہوئی تھیں، وہ خاصی شائستگی سے سلام دعا کرنے لگی تھیں۔

''انکل میرا نام اسد ہے یہ میری مدر ہیں؟'' اس نے اپنا اور ماں کا تعارف کروایا تھا۔

''مسز اور مسز شکیل زیدی۔'' زیدی صاحب نے مسکرا کر جواباً اپنا بھی تعارف بتایا تھا۔

''امی میں ذرا چینج کر کے آتا ہوں۔'' مختصر سے تعارف کا مرحلہ طے کرنے کے بعد اسد اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس کی واپسی تک اسد کی ماں تسنیم بیگم چائے سرو کرنے کے ساتھ انہیں کمپنی دینے لگیں، اسد بھی تھوڑی دیر میں ان کے ساتھ تھا، زیدی صاحب اور ان کی بیگم کو اسد اور اسکی ماں کے ملنسار انداز نے بہت متاثر کیا تھا، تسنیم بیگم کالج میں لیکچرر تھیں، جبکہ اسد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا، بیٹی ایمان گریجویشن کی سٹوڈنٹ تھی، سلام کر کے غائب ہوئی تو پھر اس کی شکل نظر نہیں آئی تھی۔

''آپ کے میاں کہاں ہوتے ہیں؟''

باہر طوفانی بارش شدت اختیار کر چکی تھی سو گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر جاری ہی رہا، باتوں باتوں میں بیگم زیدی نے پوچھ ڈالا تھا۔

''جہاں سے جا کر کوئی واپس نہیں آتا، ایمان اور اسد بہت چھوٹے تھے جب ٹریفک ایکسیڈنٹ میں وہ ہمیں چھوڑ گئے۔'' تسنیم بیگم کے بتانے پر وہ دونوں ان کے حوصلے اور ہمت کے حقیقتاً دل سے قائل ہوئے جنہوں نے بیوگی کے ساتھ بچوں کی اتنی اچھی تربیت کی تھی، تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہنے والی بارش میں مختلف موضوعات زیر بحث آئے تھے، تسنیم بیگم ان کے پاس آ بیٹھیں تو تبھی کچن میں ملازمہ کے ساتھ جا کر مصروف ہو جاتیں، جبکہ اسد مستقل ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی پاس بیٹھا رہا، موسم کچھ بہتر ہوا تو وہ بائیک پر جا کر ایک مکینک کو بلا لایا تھا، گاڑی ٹھیک ہونے کے باوجود ماں بیٹے نے بہت اصرار سے انہیں ڈنر پر روکا جو تقریباً تیار ہی تھا تو انہیں انکار کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔

''ایمان بیٹا بابا جان سے پوچھو، کھانا کمرے میں بھجوا دوں یا ہمارے ساتھ کھائیں گے؟'' ایمان باہر نکلی تو ٹیبل پر ملازمہ کے ساتھ کھانا لگاتی تسنیم بیگم نے بیٹی کو آواز لگائی تھی، وہ سر ہلا کر واپس مڑی تھی۔

''ہم آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔'' بچوں کے انداز سے چہکتی ہوئی ایمان ایک وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی باہر نکلی جس پر ایک باریش بزرگ براجمان تھے۔

''یہ ہمارے دادا جان ہیں۔'' اسد نے دونوں کے دیکھنے پر تعارف کرایا تھا۔

''کچھ عرصہ پہلے ان کے دائیں دھڑ پر فالج کا اٹیک ہوا تھا، علاج سے کچھ بہتری تو ہوئی لیکن چلنا پھرنا ان کے لئے خاصا مشکل ہے۔''

''السلام علیکم!'' زیدی صاحب نے ڈائننگ چیئر سنبھالتے ہوئے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام! میاں ٹھیک ہو، کام کیسا جا رہا ہے۔'' انہوں نے خاصے لٹھ مار انداز میں جواب دیا جو زیدی صاحب کو عجیب لگا تھا۔

''آپ لوگوں کے لان میں جو پھول ہیں نا وہ سرخ رنگ کے ہیں، ہمارے ہاں ایسے پھول نہیں ہوتے۔'' وہ اب اسد سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

''ایمان بیٹا تم کھانا کھاؤ، میں بابا جان کو دیکھ لیتی ہوں۔'' سب کے سامنے ڈشز رکھتی تسنیم بیگم نے ایمان سے کہہ کر بابا جان کے قریب چیئر سنبھالی تھی، سب نے کھانا شروع کیا مگر وہ خود کھانے کے بجائے نوالے توڑ توڑ کر ان کے منہ میں ڈال رہی تھیں گویا وہ کوئی ننھے بچے ہوں۔

''بچے تو ٹھیک ہیں؟ کتنے دن کے لئے آئی ہو۔'' کھانا کھاتے ہوئے انہوں نے بہو سے سوال کیا تو زیدی صاحب نے بے ساختہ حیران ہو کر چمچ پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

''آپ لوگ یہاں کبھی کبھار آتے ہیں؟'' مسز زیدی نے الجھ کر پوچھا تھا۔

''آصف کی اچانک ڈیتھ کے چند سالوں بعد بابا جان مینفلی ایگزاسٹ ہونے لگے تھے، اور جب سے فالج کا اٹیک ہوا ہے بھولنے کی بیماری بہت بڑھ گئی ہے۔'' انہوں نے نوالہ بناتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

''تم پہلے لاہور میں رہتی تھیں نا ارشاد صاحب کی بیٹی ہو، مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے؟'' بابا جان نوالہ چبانا روک کر سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''آپ پہلے کھانا کھا لیں پھر سوچیئے۔'' تسنیم بیگم نے نرمی سے ٹوکا تو وہ سر ہلا کر کھانا کھانے لگے تھے، ڈنر کے دوران دو نئے نفوس کو اندازہ ہوا بابا جان تو بھولنے کی نہیں زیادہ بولنے کی بھی بیماری ہے، مگر اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات مکینوں کا ان کے ساتھ رویہ تھا، اس دور میں جہاں ایسے بزرگوں کو وجود کونے کھدروں میں نہ ہونے کے برابر ہے، وہاں ان کی پسند و ناپسند تو اس درجہ رویت دینا باعث حیرت تھا۔

''امی آپ کھانا کھائیں۔'' ایمان نے جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ کر ماں کے ہاتھ سے پلیٹ لی اور بابا جان کو کھانا کھلانے کی ڈیوٹی سنبھالی تھی۔

''ویسے تو ایمان کمرے میں کھانا کھلا دیتی ہے لیکن کبھی کبھار بالکل نارمل ہو جاتے ہیں، ایسے میں کوئی بات محسوس کر لیں تو ہفتوں گم سم رہتے

ہیں اس لئے ہم لوگ خیال رکھتے ہیں کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔'' تسنیم بیگم نے کھانا کھاتے ہوئے انہیں بتایا تھا، باقی سب لوگ کھانا کھا چکے تھے مگر مسٹر اور مسز زیدی، تسنیم بیگم کے انتظار میں کچھ دیر مزید بیٹھے رہے اور پھر اجازت لے کر گاڑی میں آبیٹھے۔

''گریٹ۔'' زیدی صاحب کو اس فیملی کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''نبیل کی آمد کی خوشی میں جو فنکشن کرنا ہے اس میں ان لوگوں کو ضرور انوائٹ کریں۔'' سو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے انہوں نے بیگم سے اظہار خیال کیا تو انہوں نے بھی مسکرا کر تائید کی تھی۔

☆☆☆

''ایمی..... ایمی کہاں غائب ہو بھئی۔'' کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے اس نے نیلوفر کی آواز سنی اور تیزی سے باہر کی طرف بھاگی تھی۔

''دو مرتبہ چھت پر چڑھ کر تمہیں تلاش کر چکی ہوں، بالآخر آواز ہی دے ڈالی کہ پتہ تو چلے محترمہ صبح سے کہاں غائب ہیں۔'' نیلوفر منڈیر پر بازو ٹکائے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''یار وہ آج کل تھرڈ سمسٹر کے ایگزامز چل رہے ہیں تو کمرے میں بند ہو کر اس کی تیاری کر رہی تھی۔'' ایمان نے بتایا تھا۔

''پھر تو میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا ہے۔''

''بالکل نہیں، بلکہ میں ابھی بکس بند کر کے اٹھی ہوں، تم سناؤ سارا دن کیا کرتی رہیں۔''

''ہماری چھوٹی پھپھو اوکاڑہ میں رہتی ہیں ان کے بیٹے کی شادی ہے، بھابھی تو شاید نہ جائیں، ان کی وجہ سے امی بھی رک گئی، میں اور بڑے بھیا جائیں گے، اس کی تیاری کر رہی ہوں کچھ شاپنگ کا بھی پروگرام ہے۔'' نیلوفر نے اپنی مصروفیات کی تفصیل بتائی تھی۔

''کتنے دنوں کے لئے جاؤ گی؟ جلدی واپس آجانا۔'' ایمان نے پوچھتے ہوئے جلدی آنے کا بھی کہہ دیا تھا۔

''ہفتہ تو لگ ہی جائے گا، یہ سوٹ کتنا پیارا ہے اور ایمبرائیڈری بھی، کسی اچھی بوتیک سے لیا ہوگا۔'' نیلوفر نے اس کے پیرٹ گرین کلر کے سوٹ کو ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔

''یہ تو اب بہت پرانا ہو چکا ہے پچھلے سال عید پر بنوایا تھا اور جناب اس قدر رال ٹپکانے کی ضرورت نہیں، بازار سے کپڑا لے کر روڈ پہ جو چھوٹی سی مارکیٹ ہے آپ بھی وہاں سے چند سو میں یہی ایمبرائیڈری کروالیں۔''

''ارے واقعی؟ لگتا تو ایسے ہے جیسی کسی اچھے ڈیزائنر کا ہوا پھر تو میں بھی بنوا لیتی ہوں، بلکہ شادی میں پہننے کے لئے ایک سوٹ کی سلیکشن تو ہوگئی۔'' نیلوفر اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

وسیم ولا کا لان روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا، مسز وسیم نے نائلہ کی سالگرہ کا اہتمام خاصے وسیع پیمانے پر ارینج کیا تھا، مہمانوں کی آمد شروع ہوتے ہی نائلہ نے آنٹی زیدی کے گھر فون کھڑکا ڈالا تھا جو اتفاق سے نبیل نے رسیو کیا تھا۔

''امی اور انعم تیار ہو رہی ہیں۔'' نائلہ کے پوچھنے پر اس نے کہا تھا۔

''کیا مطلب؟ آپ نہیں آرہے؟'' نائلہ نے بے حد حیرت سے سوال کیا تھا۔

''وہ..... میں..... دراصل.....'' وہ اس کے اس قدر استحقاق سے پوچھنے پر گڑبڑا گیا تھا۔

''یہ آئیں بائیں شائیں کو ایک طرف رکھیں اور فوراً یہاں پہنچیں، میں نے آنٹی کا پوچھنے کے لئے فون تھوڑا کیا ہے، میں تو آپ کا اور انعم کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویٹ کر رہی ہوں۔'' نبیل کی بہن سے بھی تھوڑی بہت ہیلو ہائے تھی سو اس نے مروتاً ساتھ انعم کو بھی گھسیٹا تھا۔

''ایکچوئلی وہ آج دن میں میری کچھ مصروفیت.....''

''میں دن کی بات نہیں کر رہی جناب، میں ابھی کا کہہ رہی ہوں اس سے پہلے کہ لوگوں بھیج کر آپ کو منگواؤں آپ اپنے قدموں پر تشریف لے آئیں۔'' اس نے خاصے مان بھرے انداز میں دھمکی دی تھی۔

''اوہ تو آپ میں یہ گنس بھی ہیں۔'' وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

''ہمارے گنس کے بارے میں آپ کو کہاں پتہ، بہرحال زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں، خود سے آجائیں گے تو کچھ نہیں کیا جائے گا۔''

''پھر مکر نہ جایئے گا، میں تو سچ مچ ڈر گیا ہوں، بائے اینڈ سی اگین۔'' اس نے فون رکھ دیا تھا۔

آنٹی زیدی اور انعم کی آمد میں تھوڑی سی تاخیر ہوئی تو اسے یقین ہونے لگا کہ یہ تاخیر یقیناً نبیل کی تیاری کے باعث تھی، جس کا نائلہ کے ساتھ ساتھ مسز وسیم کو بھی بے چینی سے انتظار تھا، ان کی نگاہیں بار بار ستائشی انداز میں نائلہ کی طرف اٹھ رہی تھیں، جو باریک نیٹ کے سفید فراک میں ہلکے ہلکے میک اپ کے ساتھ کوئی پری لگ رہی تھی، زیدی فیملی کے انتظار کے باعث کیک کٹنے میں بھی دیر ہو رہی تھی، جب مسز زیدی کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی جسے نبیل ہی ڈرائیو کر رہا تھا، مسز وسیم اور نائلہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر ان کے استقبال کے لئے بڑھی تھی۔

''لگتا ہے کہ فنکشن کے چیف گیسٹ بھی پہنچ گئے۔'' مسز آصفہ کی نندان کے کان میں گھس کر کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆

''نسیم دیکھنا دروازے پر کون ہے؟'' بیل بجی تو اس نے ڈسٹنگ کرتی ملازمہ کو آواز دی تھی۔

''جی بی بی جی دیکھتی ہوں۔'' نسیم نے ہاتھ میں پکڑا کپڑا ایک طرف رکھا۔

''اوہ تو محترمہ گھٹر صاحبہ کچن میں گھسی ہیں۔'' نیلوفر کی آواز پر وہ چونک کر مڑی تھی۔

''نیلی تم؟'' خوشگوار حیرت کے ساتھ ایمان نے اسے گلے لگایا تھا۔

''کہاں تھا نا کہ شام میں چکر لگاؤں گی۔''

''آؤ باہر بیٹھتے ہیں کچن میں بہت گرمی ہے۔'' وہ اسے لے کر کچن سے باہر نکلی تو سامنے صوفے پر سکندر ایستادہ تھا، مروت میں سلام کیا تو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا تھا، تبھی بابا جان کے آواز دینے پر اسد ان کے کمرے کی طرف معذرت کرتا چلا گیا تھا۔

''کیا حال ہیں ایمان؟'' وہی پرتپش نظریں ایمان کا گھراؤ کر رہی تھیں وہ کنفیوژ ہوتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی جب نسیم بیگم اپنے کمرے سے برآمد ہوئی تھیں۔

''ارے نیلوفر بیٹی آئی ہے؟'' انہوں نے خیر مقدمی مسکراہٹ چہرے پر سجائی تھی۔

''آنٹی یہ میرے بھائی ہیں سکندر!'' سکندر نے کھڑے ہو کر سلام کیا تو نیلوفر نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

''جیتے رہو بیٹا، نیلوفر کبھی کبھی چکر لگایا کریں نا، اچھی فرینڈ شپ ہے آپ لوگوں کی، دیوار پر ٹنگی رہتی ہو۔'' نسیم بیگم کے کہنے پر وہ دونوں

ہنس دی تھیں۔

''آنٹی ایمان بھی تو ہماری طرف نہیں آتی، آج میں ہی بہانے سے آگئی ہوں۔''

''بیٹا آپ کیا کرتے ہیں؟''

''آؤ نیلی ہم اندر کمرے میں بیٹھتے ہیں۔'' تسنیم بیگم سکندر کی طرف متوجہ ہوئیں تو ایمان نے کہا تھا۔

''نسیم ہماری چائے کمرے میں دے جانا۔'' اس نے اندر جاتے ہوئے ملازمہ کو ہدایت کی تھی۔

☆☆☆

نائلہ چند شاپنگ بیگز اٹھائے روڈ کے دوسری طرف موجود اپنی گاڑی کی طرف جا رہی تھی، جہاں اس کا ڈرائیور کھڑا انتظار کر رہا تھا، سڑک کراس کرنے کے لئے اس نے دوسری طرف سے آتی ٹریفک کی طرف توجہ کی مگر اگلے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھی، بلا سوچے سمجھے اس نے ہاتھ ہلایا تھا، نبیل کی گاڑی چند قدم آگے جا کر ریورس ہوئی اور اس کے قریب آن رکی تھی۔

''خیریت میم؟'' گاڑی کا شیشہ فولڈ کرتے ہوئے وہ خاصی بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔

''ڈرائیور نے مجھے پک کرنا تھا مگر پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا ہے، اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو مجھے ڈراپ کر دیں گے؟''

''شیور وائے ناٹ۔'' اس نے فرنٹ ڈور کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، نائلہ شاپنگ بیگ ڈیش بورڈ اور پچھلی سیٹ پر پھینکتے ہوئے اس کے برابر آن بیٹھی اور خود پر انتہائی تھکن طاری کرتے ہوئے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا دیا تھا۔

''لگتا ہے آج آپ نے خوب شاپنگ کی ہے؟'' اس کے انداز کو دیکھتے ہوئے نبیل نے پوچھا تھا۔

''اف مت پوچھیں تھکن اور بھوک سے برا حال ہے گھوم گھوم کر حلق بھی خشک ہو رہا ہے۔''

''چلیں پھر آپ کو کچھ کھلاتے ہیں۔''

اگرچہ وہ لنچ کرنے گھر جا رہا تھا مگر اتنا بھی بے مروت نہیں تھا کہ اس کی بھوک پیاس کی دھائی تو نظر انداز کر دیتا، سو ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ماما دیکھیں تو میری ایکٹنگ کی داد دیں۔'' اس نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے خود کو سراہا تھا اور گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔

دوسری طرف شاپنگ مال کے باہر کھڑا اس کا ڈرائیور حیران پریشان سوچ رہا تھا کہ کیا کرے کہ اس نے تھوڑی دیر پہلے نائلہ بی بی کو ایک گاڑی کو ہاتھ دیتے اور پھر اس میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' آڈر کرنے کے بعد نائلہ کو خیال آیا تو وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے واش روم جانے کا بہانہ کر کے اٹھی تاکہ ڈرائیور کو گھر جانے کا کہہ دے۔

اس کی برتھ ڈے کے اگلے ہفتے زیدی فیملی نے نبیل کے آنے کی خوشی میں ایک گرینڈ فنکشن کیا تھا، یقیناً اس کے پس پردہ مقصد یہ بھی تھا کہ نبیل اپنے لئے لڑکی منتخب کر لے اور نائلہ کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ ان کی گڈ لک میں تو آ ہی چکی ہے اب ٹاپ لسٹ پر آنا باقی ہے، مگر اس کے بعد نبیل سے کوئی رابطہ بھی نہیں ہو سکا تھا، کہ روز روز خود سے ملنے کا بہانہ بونگا لگتا اور نہ ہی وہ خود کو اس حد تک گرا سکتی تھی، آج خوش قسمتی سے تقدیر نے اسے یہ موقع فراہم کر دیا تھا، اسے نبیل کی آنکھوں میں دوستی اور خلوص کا رنگ تو نظر آتا تھا مگر جو رنگ وہ دیکھنے کی متمنی تھی، وہ فی الحال مقصود تھا اور اس کے لئے اسے کچھ جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے کے دوران ہی اس نے الحمرا میں پینٹنگ کی نمائش کا ذکر چھیڑ دیا کہ نبیل کی آرٹ سے متعلق دلچسپی کے بارے میں سن ہی چکی تھی، خود گریجویشن میں فائن آرٹ سبجیکٹ ہونے کی بدولت اسے کچھ شدید بھی تھی، پرسنل نمبر کا تبادلہ کرتے ہوئے وہ نمائش اکٹھے دیکھنے کا وعدہ کرکے اٹھے تھے یوں آئندہ باہر ملنے کا سلسلہ بھی ہوگیا تھا۔

☆☆☆

''ایمان بی بی! وہ سکندر صاحب ہیں نا وہ مجھ سے آپ کا نمبر مانگ رہے تھے؟'' نسیم نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تو ایمان کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔

''میرا نمبر؟'' اس نے پریشانی سے نسیم کی شکل دیکھی تھی۔

''جی موبائل نمبر۔'' نسیم نے وضاحت کی تھی۔

''وہ..... تم..... تمہیں..... میرا مطلب ہے تم انہیں کیسے جانتی ہو؟''

''جی میں چند مہینے پہلے ان کے گھر میں کام کرتی تھی۔'' نسیم نے بتایا تھا۔

''تم نے انہیں بتایا نہیں کہ میرے پاس موبائل نہیں ہے۔''

''جی کیا پتہ انہوں نے کوئی ضروری بات کرنی ہو۔'' نسیم نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے قیاس آرائی کر ڈالی تھی۔

''تم انہیں یعنی میرا تو بس یہی نمبر ہے جو گھر کا ہے۔'' ایمان نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ دیا تھا۔

''اچھا جی، وہ چھوٹے کاکے کے جوتے لینے تھے آپ کے پانچ سو روپے ہوں گے، بیگم صاحبہ تنخواہ دیں گی تو واپس کر دوں گی۔'' نسیم موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچ رہی تھی، سو فوراً ہی اپنی ضرورت بھی بیان کر ڈالی، ایمان کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا کر اٹھی اور الماری سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر اسے پکڑا دیا تھا۔

☆☆☆

''امی میرا خیال ہے آپ کا وہاں جانا فضول ہے۔'' اسد بیڈ پر نیم دراز ماں کو تیار ہوتے دیکھ کر قدرے ناگواری سے کہہ رہا تھا۔

''اسد کیوں فضول بات کر رہے ہو؟ اتنے خلوص سے بیگم زیدی خود انوائٹ کرنے آئی تھیں، اب نہیں جائیں گے تو انہیں کتنا محسوس ہو گا۔''

''امی وہ ہمارے لیول کے لوگ نہیں۔''

''اسد بیٹا آپ لیول میں کب سے پڑنے لگے، میں نے تو آپ کو ہمیشہ اچھائی اور برائی کا لیول بتایا ہے۔'' انہوں نے بال سمیٹتے ہوئے اس کو مڑ کر دیکھا تھا۔

''مگر امی!۔''

''جب تم نے انہیں گھر آنے کا کہا تھا اگر وہ نہ آتے تو تمہیں فیل ہوتا۔''

''اس وقت ان کی مجبوری تھی اور ہمارا فرض تھا کہ.....''

''اب انہوں نے ہمیں بہت خلوص سے انوائٹ کیا ہے اور ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کے انوائٹیشن کو ریجیکٹ کرکے ان کے خلوص کی توہین نہ کریں۔'' اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے کر انہوں نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بے دلی سے گاڑی کی چابی اٹھا کر ان کے ساتھ نکلا تھا۔

چار کنال پہ بنے وسیع و عریض زیدی ولا کو دیکھ کر انہیں اندازہ ہوا واقعی وہ ان کے سٹیٹس کے ہرگز نہیں تھے، مگر جس گرم جوشی سے زیدی صاحب اور ان کی بیگم نے تسنیم بیگم کا استقبال کیا

اس سے وہ بے حد متاثر ہوئیں، ان کی بیٹی انعم تو گویا تسنیم بیگم کی دیوانی ہو رہی تھی، اپنی دوستوں کے جھرمٹ سے بلا کر بیگم زیدی نے انعم کا تعارف ان سے کروایا تھا، انہوں نے ذرا سا گال تھپتھپایا تو وہ فٹ سے ان سے آ کر لگ گئی۔

''ہائے آنٹی سچ مجھے آپ سے ملنے کا اتنا شوق تھا میں نے ماما سے کہا بھی تھا کہ آپ کے ہاں مجھے بھی ساتھ لے کر جائیں مگر ماما خود ہی چلی گئیں، آپ ایمان کو کیوں نہیں لے کر آئیں؟'' اس نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے شکوہ بھی کر ڈالا تھا۔

''آنٹی اسد نہیں آیا؟'' بے حد شائستہ اطوار کا مالک وجیہہ پرسنالٹی رکھنے والا نبیل بھی بے حد خوش اخلاقی سے ملا اور اسد کے بارے میں پوچھنے لگا تھا، گویا نہ صرف انہوں نے گھر میں ان کی پوری فیملی کو ڈسکس کیا تھا، بلکہ ان کی آمد کا انتظار بھی سبھی کو تھا۔

☆☆☆

لاشعوری طور پر اس کے دل پر انتظار کا موسم چھانے لگا تھا، وہ فون کی بجتی بیل پر چونک جاتی، کئی مرتبہ پہلی بیل پر ہی فون اٹھا لیتی۔

''ایمان بی بی! آپ کا فون ہے؟'' نسیم نے کمرے میں جھانک کر بتایا تو وہ اس کے لبوں کی مسکراہٹ پر چونک اٹھی تھی۔

''کس کا فون ہے؟''

''جی وہ سکندر صاحب کا فون ہے۔'' اس نے آنکھیں گول گول گھماتے ہوئے بتایا تھا۔

''امی..... امی کہاں ہیں؟'' ایمان اپنے دل کے چور سے گھبرا کر پوچھ اٹھی تھی۔

''جی وہ بڑے صاحب کو کھانا کھلا رہی ہیں۔'' نسیم کے بتانے پر اسے اطمینان ہوا بابا جان کھانا کھانے میں بہت دیر لگاتے تھے۔

''ہیلو!'' دل کی اتھل پتھل دھڑکنوں پر قابو پا کر وہ ٹیلی فون سٹینڈ تک آئی تھی۔

''ایمان!'' سوالیہ انداز میں خاصی بے تکلفی سے اس کا نام لیا گیا تھا۔

''جی بول رہی ہوں۔''

''میں سکندر بات کر رہا ہوں۔''

''جانتی ہوں۔'' گھبراہٹ میں کچھ بے تکا سا اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''کیا آپ پہلے سے جانتی تھیں کہ میں آپ کو فون کرنے والا ہوں۔'' بات کو بدل کر شوخی سے حیرت کا اظہار ہوا تھا۔

''جی نہیں مجھے ملازمہ نے بتایا تھا کہ آپ کا فون ہے۔''

''اف یہ دل خوش فہم۔'' دوسری طرف خود کلامی میں گویا خود کو ڈانٹا گیا تھا، وہ خاموش رہی۔

''آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس۔''

''میری امانت؟''

''نیلوفر آپ کی شرٹ دے کر گئی تھی کہ آپ کو واپس دے آؤں، کس وقت واپس کرنے آؤں۔''

''جب آپ مناسب سمجھیں، امی آج کل گھر پر ہی ہوتی.....''

''کیا گھر پر آنا ضروری ہے؟''

''نہیں آپ پوسٹ آفس جا کر کوریئر کر دیں۔'' ایمان نے برجستہ کہا تو اس کا قہقہہ رسیور میں گونجا تھا۔

''آپ کہیں باہر مل سکتی ہیں؟''

''گیٹ سے باہر؟''

''نہیں میں آپ کے کالج آ جاؤں گا، وہ پوسٹ آفس کے قریب ہی ہے۔''

''آئم سوری میرے لئے ممکن نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

''تمہاری سسٹر کی شادی کو پانچ مہینے ہو گئے اور تم اب لا کر تصویریں دکھا رہی ہو؟'' حنا نے البم کھولتے ہوئے اعتراض کیا تھا۔

''کیا کرتی یار، کتنی مرتبہ آپی سے کہا مگر وہ لانا ہی بھول جاتی تھیں، کچھ عرصہ تو فیملی میں ہی مووی اور تصویریں اِدھر اُدھر گھومتی رہی، اب بھی کتنی دفعہ کہنے پر آپی لائی ہیں۔''

''تصویریں دیکھ کے لگ رہا تھا کہ فنکشن خاصے شاندار تھے۔'' ایمان۔ز تبصرہ کیا تھا۔

''ساتھ ساتھ تعارف تو کرواتی جاؤ۔'' وہ تینوں البم پر ایک ساتھ جھکی ہوئی تھیں جب حنا نے بغور دیکھتے ہوئے نائلہ سے کہا تھا۔

''یہ بھائی کے ابو، چچا، یہ خالہ، یہ آپی کی ساس اور.....'' تمام تفصیل میں اگلے پیریڈ کا گھنٹہ بج گیا تھا۔

''میں آج کا پیریڈ گول کروں گی۔'' نائلہ نے البم بند کرتے ہوئے اعلان کیا تھا۔

''میں بھی.....'' ایمان نے مختصر کہا تھا۔

''کیوں؟'' حنا نے ان دونوں کو تیکھی چتونوں سے گھورا تھا۔

''ٹیسٹ کی تیاری نہیں ہے۔'' ان دونوں کا ایک ہی جواب تھا۔

''اچھا میں تو چلوں، ٹیسٹ مس کرنے پر میڈم عطیہ کل جو عزت افزائی کریں گی۔''

''اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' اس کے جانے کے بعد نائلہ نے ایمان کی طرف رخ کیا تھا۔

''کون سی بات؟''

''وہی جو اس وقت محترمہ کے دل میں ہے اور چہرے پر درج ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''اس بات کو چھوڑو کہ مجھے کیسے پتہ چلا، غالباً یہ سوچ وچار کا جال شادی کی تصویریں دیکھ کر بنا ہے مگر کیوں؟'' وہ پھر کریدر ہی تھی۔

''وہ میں نے تمہیں سکندر کے بارے میں بتایا تھا، وہ ان تصویروں میں موجود ہے۔'' اب وہ بغیر بحث کے بتانے لگی تھی۔

''واقعی کون؟''

''یہ تو تم ہی بتاؤ گی کہ وہ کون ہے؟''

''جو تمہارے پڑوس میں حال میں آباد ہوا ہے اور کم بخت نے تمہارے دل پر قبضہ کر لیا ہے، وہی نا۔'' نائلہ نے حیرت بھری شرارت سے کہا تھا۔

''تم بالکل غلط جگہ پر اٹک گئی ہو۔'' نائلہ کچھ سنجیدہ ہوئی تھی۔

''کیوں؟''

''اس لئے کہ موصوف کا چال چلن میرے انداز کے مطابق ٹھیک نہیں ہے۔''

''تم نے کیسے جانا ہے؟''

''شادی میں اسے دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا۔''

''ہو سکتا ہے تمہارا اندازہ غلط ہو۔''

''ہو تو سکتا ہے کیونکہ یہ محترم آپی کے سسرالی رشتے دار غالباً دولہا بھائی کی پھپھو کے بیٹے ہیں میری اس سے شادی کے بعد کبھی ملاقات نہیں ہوئی، میرا خیال ہے آپی لوگوں کا بھی ان کی طرف آنا جانا نہیں ہے، کیونکہ ان کے منہ سے بھی میں نے کبھی سکندر یا ان کی فیملی کا ذکر نہیں سنا ہے۔'' نائلہ نے اس کے قیاس کی تائید کرتے ہوئے تفصیل بتا ڈالی تھی۔

☆☆☆

''پلیز تھوڑی دیر کے لئے اس ٹاپک کو بند کر دیں، سارا دن آفس میں رہ کر بزنس کو گھر

کیوں لے آتے ہیں۔'' مسز زیدی نے ٹرے اپنی طرف کھسکاتے ہوئے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا اور بیٹے اور شوہر سے مخاطب ہوئی تھیں، جو کافی دیر سے نئے اسٹیبلشڈ بزنس پر تفصیلی بات چیت کر رہے تھے۔

''جیسے آپ کا حکم۔'' زیدی صاحب نے مصنوعی عاجزی اور شرارت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ نے تو آتے ہی بچے کو بزنس میں کر بیٹھ گئے میرا سارا پلان صفر ہوتا نظر آ رہا ہے۔''

''آپ کہیں تو بزنس کو ختم کر دیتے ہیں۔'' زیدی صاحب فرمانبرداری کے علمبردار بنے کھڑے تھے۔

''نبیل بیٹا اب آپ کوئی فائنل فیصلہ کر ہی لیں۔'' مسز زیدی نے روئے سخن بیٹے کی طرف موڑا تھا۔

''کیسا فیصلہ ماما؟'' چائے کا کپ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے نبیل نے الجھن بھرا سوال کیا تھا۔

''آئی مین، اتنی ساری لڑکیاں ملنے ملانے میں دیکھ چکے ہیں، فنکشن میں بھی ہمارے سرکل کی کریم آئی تھی اب کوئی لڑکی فائنل کریں تاکہ بات آگے بڑھائی جا سکے۔''

''ہاں بیٹا آپ کی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں، کوئی لڑکی پسند ہے تو بتائیں۔'' زیدی صاحب بھی سنجیدہ تھے۔

''ماما میں تو جتنی لڑکیوں سے ملا ہوں سب ہی اچھی تھیں۔''

''نہیں بھیا!'' انعم ٹی وی آف کرتے ہوئے چیخ اٹھی تھی۔

''سب نہیں صرف ایک، اتنی ساری لڑکیوں سے آپ کی شادی کیسے ہو سکتی ہے اور پھر میں اکلوتی نند اتنی ساری بھابیوں سے کیسے نبٹوں گی۔'' انعم کے دھائی دینے پر وہ تینوں بے ساختہ ہنس پڑے تھے، جبکہ انعم کی شرارت بھری پریشانی دیکھے جانے کے لائق تھی۔

''نہیں بھئی میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ سب ہی اچھی.....''

''یہ تو ہم بھی مان رہے ہیں کہ سب ہی اچھی تھیں، مگر ان میں سب سے اچھی آپ کو کون سی لگی؟'' مسز زیدی نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

''میں بتاتی ہوں نازش آنٹی کی بیٹی زارا۔'' انعم نے ٹانگ اڑائی تھی۔

''مسز وسیم کی بیٹی نائلہ۔'' مسز زیدی نے اپنی چوائس پیش کی اور غور سے نبیل کا چہرہ جانچنے لگیں۔

''بیٹا آپ کو تو اس سے بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے نا۔'' اس کی خاموشی پر بالآخر انہوں نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''جسٹ فرینڈ۔'' نبیل نے مختصر جواب دیا تھا۔

''کیا مجھ ناچیز کی رائے بھی لی جائے گی؟'' زیدی صاحب نے مداخلت کی تھی۔

''آپ کے منہ سے پٹی ہٹانی پڑے گی کیا۔'' مسز زیدی ہنس کر شوہر سے کہہ رہی تھیں۔

''بھئی مجھے تو ایمان بہت پسند آئی۔'' زیدی صاحب نے رائے دی تھی۔

''مسز تسنیم کی بیٹی ایمان؟'' مسز زیدی نے چونک کے حیرت بھرا استفسار کیا تھا۔

☆☆☆

اپنے آپ میں مگن رہنے والی وہ لڑکی کچھ الجھی الجھی سی تھی، کتابوں پر نظر جماتی تو الفاظ گڈمڈ ہو جاتے، کچھ ان کی باتیں ذہن کے پردے سے ٹکراتیں تو ان کے محسوس کر کے وہ کچھ خواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بننے لگتی۔

دل کے آنگن میں کوئی خوش گمان پھول کھل رہا تھا، خواہشوں کے آنگن میں خوشبو کے خواب بسیرا کرنے چلے تھے، شاید دل کی کوری دھرتی پر کوئی عکس بننے چلا تھا، کچھ خاموش لفظوں اور بولتی آنکھوں نے دل کے دروازے پر دستک دے ڈالی تھی، ایک بے نام سی اداسی وجود کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی، سامنے والے گھر کے لان پر جمی اس کی آنکھوں میں امید ہلکورے لے رہی تھی۔

مگر حوا کی بیٹی بے خبر تھی کہ خواب رنگوں کو ہتھیلیوں میں قید کرنے کی خواہش بسا اوقات نصیب کی لکیروں پر سیاہی پھیر دیتی ہے۔

آج نیلوفر کی فیملی واپس اپنے گھر شفٹ ہو رہی تھی، کیونکہ ان کے گھر میں کنسٹرکشن کا کام مکمل ہو چکا تھا نیلوفر تھوڑی دیر پہلے ہی اسے خدا حافظ کہہ کر جا چکی تھی، ایمان آصف کو کچھ کھو دینے کا احساس تھا یا پھر کسی انوکھے سندیسے کا انتظار، وہ گرل پر کہنیاں ٹکائے نہ جانے کتنی دیر کھڑی رہی، گلابی آنچل پھڑ پھڑا کر اس کے چہرے سے ٹکراتا اور ہوا میں اٹھکیلیاں کرنے لگتا، اس کی آنکھوں کو اداسی کو کسی بات سے غرض نہ تھی۔

''ایمان بیٹا! اندر آؤ۔'' امی کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی اور ست قدموں سے اندر کی طرف بڑھی تھی۔

''بیگم زیدی کا فون آیا ہے، وہ لوگ آج شام کو ہمارے گھر آرہے ہیں۔''

''کیوں امی!'' اپنے کمرے سے برآمد ہوتے اسد نے ایمان کے زبان پہ آئے سوال کو لفظوں کے معنی دیئے تھے۔

''کیوں سے کیا مطلب؟ بھئی اب اگر انہوں نے خود فون کیا ہے تو میں پوچھتی کہ کیوں؟''

''مگر امی.....''

''کوئی وجہ تو نہیں بتائی مگر اب ڈنر کا اہتمام تو کرنا ہے نا، ایمان تم نسیم سے پوچھ کر ذرا سامان کی لسٹ بنا دو اور اسد آپ ذرا مارکیٹ کا چکر لگا آؤ۔'' وہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھیں تو ایمان نے بے دلی سے ان کی تقلید کی تھی۔

☆☆☆

''شکیل میں تو کہوں گی ایک مرتبہ پھر اچھی طرح سوچ لیں مسز نسیم کے بچے واقعی بہت سلجھے ہوئے تھے مگر وہ لوگ ہمارے سٹیٹس سے بی لانگ نہیں کرتے تو اس بے جوڑ.....''

''بیگم آپ جہاں چاہیں نبیل کی شادی کر دیں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، مگر ساتھ ہی میرا ایک مشورہ ہے احتیاط کے طور پر کسی اولڈ ہوم میں اپنی اور میری رجسٹریشن بھی کروا دیں تو بہتر رہے گا۔'' زیدی صاحب نے بیچ کو مزاح کے رنگ میں کہا تھا۔

''اللہ نہ کرے کیسی باتیں کرتے ہیں۔'' بیگم زیدی نے ہول کر ٹوکا تھا۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے سرکل میں بچیوں کی تربیت کا جو معیار ہے، اس کے حساب سے اگر وہ شادی کے بعد شوہر کی خبر رکھیں تو بہت ہے، ورنہ ایک شوپیس، خود کو سنبھال لے تو بڑی بات ہوگی۔'' انہوں نے بیگم کے زیر غور ناموں پر ڈھکے چھپے الفاظ میں چوٹ کی تھی، کافی ساری بحث و مباحثہ کے بعد طے ہوا تھا کہ نبیل ایک دفعہ ایمان کو دیکھ لے اس کے بعد سب کی مشترکہ رائے سے فیصلہ کیا جائے گا سو اسی مقصد کے لئے وہ ایمان کے گھر جا رہے تھے۔

''ایسی بچی کو ہماری فیملی میں ایڈجسٹ ہونے میں پرابلم ہوگی۔'' بیگم زیدی نے خیال ظاہر کیا تھا۔

''میں آپ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا، مسز نسیم جیسی پریکٹیکل خاتون نے بیٹی کی تربیت میں ایسی کوئی کمی نہیں چھوڑی ہوگی کہ وہ ہماری فیملی میں ایڈجسٹ نہ کر سکے۔'' زیدی صاحب نے ان کی رائے کو مسترد کر دیا تھا، مسز زیدی نے بیگم تسنیم کو اپنے آنے کا بتانے کے لئے فون کر دیا۔

☆☆☆

اگلے تین چار گھنٹے نے نبیل کے خیالات میں خاصی تبدیلی برپا کی تھی، ایمان خوبصورت تھی مگر اس کا دھلا دھلا یا شفاف چہرہ بغیر کسی کاسمیٹک کے پاکیزگی کا تاثر لئے ہوئے تھا، بلیک سوٹ پہنے چائے سرو کرنے سے قبل غالباً وہ نماز پڑھ کر آئی تھی اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے نبیل کی جھکی نگاہیں، اس کے بلیک سوفٹی میں مقید گلابی پاؤں پر ذرا دیر کے لئے اٹک گئی تھیں، اسے دیکھ کر نبیل کو کوئی انوکھا سا احساس ہوا تھا جو اسے باقی سب سے ممتاز کر رہا تھا، شاید وہ اس کی بے نیازی تھی جو اس بے حد ہینڈسم اور شاندار بندے کو شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

''فیصلہ ہو گیا تھا سب سے اچھی لڑکی یہی ہے۔'' ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر سج گئی تھی۔

☆☆☆

شادی کے فنکشن میں اس کی حرکتوں سے مجھے کچھ فلرٹی سا بندہ محسوس ہوا تھا، یہ لڑکیوں پر فقرے پھینکنا اور لائن مارنا کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو جو کچھ آپی نے بتایا ہے وہ تمہاری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونا چاہیے اگلے دن اس نے نائلہ کو نبیل کے پورزل کا بتایا تو نائلہ نے کافی غور و خوض کے بعد اسے حقیقت بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ.....''

''ہنڈرڈ پرسنٹ یار اس کی پھپھو اور ان کی بیٹی اوکاڑہ سے آئی ہوئی ہیں، وہ اس پر فریفتہ پھر رہا ہے اس کے گھر والے رشتے کی بات بھی چلا چکے ہیں۔'' نائلہ نے اسے خوش گمانی کی دلدل سے باہر کھینچا تھا۔

''ویسے یہ نئے موصوف ہیں کون؟ جو بی بنو کے طلب گار بنے ہیں؟'' نائلہ کو خیال آیا تو پوچھنے لگی تھی۔

''اسد بھائی کے طفیل جان پہچان بنی تھی، ان کا اپنا بزنس ہے، کافی ویل آف فیملی ہے، امی اور بھائی تو تقریباً راضی ہیں۔'' ایمان نے بے دلی سے بتایا تھا۔

''اچھا۔''

''میرا مشورہ یہی ہے کہ تم گھر والوں کی بات مان لو۔'' نائلہ کو اس کے حق میں جو مناسب لگا وہی مشورہ دیا تھا اور ایمان کے پاس بھی اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا، اگلے ہی ہفتے نبیل کے پروپوزل کو مثبت جواب دے کر منگنی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

ایمان نے نائلہ اور حنا کے ساتھ نیلوفر کو بھی انوائیٹ کرنے کے لئے اس کو فون کیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں تم سناؤ کہا بزی رہیں، بالکل ہی بھول گئی ہو؟'' ایمان نے اس کے گرم جوش سے ہال احوال پوچھنے پر شکوہ کیا تھا۔

''ارے یار کچھ دن تو گھر کی شاپنگ میں لگ گئے آج کل پھپھو اور ان کی بیٹی آئی ہوئی ہیں ان کے ساتھ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔'' نیلوفر نے بتایا تھا۔

''کیوں کوئی خاص کیا؟'' نائلہ کی دی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تازہ اطلاع کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ معنی خیزی سے کہہ گئی تھی۔

''پھپھو تو بہت خاص ہیں مگر افسوس ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔'' نیلوفر نے گویا حسرت سے کہا تھا۔

''ہاں سکندر بھائی کی بننے کا امکان ضرور نظر آرہا ہے۔'' اس کی خاموشی پر وہ مزید بتانے لگی تھی۔

''میں نے آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ سنڈے کو میری انگیج منٹ ہو رہی ہے اور آپ کی شرکت میرے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔'' فوراً ہی بات بدل کر اس نے کچھ مزاحیہ انداز اختیار کیا تھا۔

''ہیں سچ، کون ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟'' وہ خاصی ایکسائیٹڈ ہو کر پوچھنے لگی تھی اور وہ بھی سب کچھ بھلا کر اسے تفصیل بتانے لگی۔

☆☆☆

وہ خاصی دیر سے پریشان نظریں چھت پر گاڑے ہوئے مسلسل ایک پاؤں ہلا رہی تھی، کالج سے واپس آتے ہی ماں نے اسے جو اطلاع دی وہ اس کے اعصاب پر گویا بم بن کر گری تھی، مسز وسیم نے یونہی بیگم زیدی کو فون کیا تھا مگر انہوں نے جو اطلاع دی وہ بے حد خیر متوقع تھی، کہ نبیل کا رشتہ طے ہو چکا ہے اور جلدی ہی منگنی کا فنکشن ہے، مسز وسیم جو نبیل کو متوقع داماد کے روپ میں دیکھ رہی تھیں یہ سن کر بے حد پریشان ہو گئی تھیں اور نائلہ کا ردعمل کم و بیش ایسا ہی تھا، کافی دیر کی ایکسر سائز کے بعد اس نے پرسوچ انداز اٹھ کر اِدھر اُدھر موبائل کی تلاش میں نظریں دوڑائیں اور پھر لب بھینچ کر مزید کچھ دیر سوچتے ہوئے اس نے نبیل کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ہیلو نائلہ! کیسی ہو؟'' وہ کچھ عجلت میں لگ رہا تھا۔

''نبیل میں تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔'' نائلہ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''بولو میں سن رہا ہوں۔'' وہ غالباً مصروفیت کے باوجود بھی ہمہ تن گوش تھا۔

''آپ چار بجے عثمانیہ میں مجھے مل سکتے ہیں؟'' وہ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرنا چاہ رہی تھی۔

''شیور وائے ناٹ۔'' ملنے کا وعدہ کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا۔

''خیریت تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' ٹھیک چار بجے وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

''میں پریشان لگ نہیں رہی واقعی پریشان ہوں۔''

''تو پھر اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کرو بھئی میں دوستوں کے کام آنے والا بندہ ہوں۔'' نبیل نے اس کو حوصلہ دیا تھا۔

''نبیل آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟'' وہ ٹیبل کی سطح کو گھور رہی تھی۔

''یہ کیسا سوال ہے بھئی، ہم بہت اچھے دوست ہیں اور میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔'' نبیل نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اپنے سابقہ انداز میں جواب دیا تھا۔

''نبیل اگرچہ ہماری سوسائٹی میں لڑکے لڑکیوں کی دوستی بہت کامن ہے لیکن میں ایسی دوستی کی قائل نہیں ہوں۔''

''ویسے بھی ہمارے درمیان جسٹ فرینڈ شپ نہیں ہے۔'' وہ جھنجھلائی تھی۔

''تو؟'' وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

''آئی لائک یو، آئی رئیلی لائک یو نبیل میں فیوچر میں خود کو آپ کے ساتھ دیکھتی ہوں تب.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

''آئی ایم سوری نائلہ، میں نے آپ کو ہمیشہ اچھی دوست کی حیثیت سے دیکھا ہے اور اب تو آپ کو پتا چل ہی چکا ہوگا، میرا انگیج منٹ ہو رہی ہے، اب میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔'' اس نے کندھے اچکا کر دریافت کیا تھا، اس کی آنکھوں میں حقارت یا استہزا کا شائبہ تک نہ تھا، مگر اس کی آنکھوں میں کوئی رنگ بھی تو نہ تھا۔

''یہ شاندار سا شخص میرا نصیب نہیں بن سکتا۔'' اس نے ایک نظر سامنے بیٹھے نبیل پر ڈالی اور لفظ ترتیب دینے لگی نبیل اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

☆☆☆

ایگزامز کے لئے کلاسز فری ہو رہی تھیں اور ایمان اپنی ایجنٹ کی تیاریوں میں مصروف تھی، نائلہ نے بھی کالج جانا چھوڑ رکھا تھا، اپنی پرسنل فیلنگز وہ ماں سے ہی شیئر کرتی تھی، ایمان اور حنا اپنے پرسنلز بتاتیں تو وہ پوری توجہ سے سن کر مشورہ دے دیا کرتی تھی، نبیل پر اپنے جذبات عیاں کر کے بھی وہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی تو تنہائی کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا، ایمان کے بار بار فون کرنے پر وہ منگنی پر جانے کے لئے تیار ہوئی تھی۔

''اب بھی آنے کی ضرورت تھی کالج میں مجھے مبارکباد دے دیتیں نا؟'' وہ مسز تسنیم سے مل کر اوپر ایمان کے کمرے میں آئی تو بیوٹیشن اسے تیار کر رہی تھی، تبھی وہ اسے دیکھتے ہی بول پڑی کر کہہ رہی تھی۔

''فکر مت کرو تمہاری شادی کی مبارکباد تمہیں کالج میں ہی دوں گی۔'' نائلہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر اسے دیکھنے لگی تھی، ریڈ اور سی گرین کلر کے کامدار سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''واؤ بڑا خوبصورت سوٹ ہے یہ کس کی چوائس ہے؟''

''ساری شاپنگ ایمان آپی کی ہونے والی ساس نے کی ہے۔'' ایمان کی کسی کزن نے بتایا تھا۔

''میں بھی کہوں ایمان کی پسند اتنی اعلیٰ کب سے ہو گئی۔'' ایمان کے ہنوز بگڑے موڈ کو دیکھ کر اس نے چوٹ کی تھی، تبھی وہاں موجود لڑکیوں میں ہل چل مچ گئی کہ ایمان کے سسرال والے پہنچ چکے ہیں، تھوڑی دیر بعد ایمان کو نیچے لے جایا گیا جہاں منگنی کی رسم ہونا تھی۔

''تم بھی اٹھو نا؟'' ایمان نے اپنی کزنز کے سنگ چلتے اسے گھورا تھا۔

''میں ذرا بال ٹھیک کر کے آتی ہوں۔'' اس نے بے دلی سے اٹھ کر برش ہاتھ میں لے کر آئینے میں خود کو دیکھا تھا اور ٹیبل سے لپ اسٹک اور لائنر اٹھا کر اپنا میک اپ ٹھیک کرنے لگی، کافی دیر کے بعد وہ لان میں پہنچی تھی، مگر وہاں جا کر زمین و آسمان اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے تھے یا پھر اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے تھے، اسٹیج پر ایمان کے پہلو میں اس کی کزنز کے بیچ ہنستا مسکراتا نبیل اس کے تن من کو جھلسانے لگا تھا وہ غیر محسوس طور پر واپس مڑ گئی۔

☆☆☆

''بیگم صاحبہ کھانا لگا دوں؟'' ملازمہ نے اندر آ کر مسز وسیم سے پوچھا تھا۔

''ہاں لگا دو۔'' انہوں نے مختصراً کہا اور اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل تک آئی تھیں۔

''بیگم صاحبہ نائلہ بی بی کو بھی پر بلاؤں؟'' ملازمہ نے ٹیبل پر ڈشز رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نائلہ واپس آ گئی ہے۔'' ان کا کھانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا تھا۔

''بی بی جی تو کافی دیر پہلے واپس آ گئی تھیں۔''

''اتنا جلدی فنکشن ختم ہو گیا؟'' ملازمہ کے جواب نے انہیں حیران کیا تو وہ اٹھ کر نائلہ کے کمرے میں چلی آئی تھیں مگر نائلہ پر نظر پڑتے ہی ان کی حیرت پریشانی میں بدل گئی تھی، وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''نائلہ بیٹا کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر سینے سے لگاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ماما آپ کو پتہ ہے نبیل کی منگنی کہاں ہوئی ہے؟''

''نہیں مسز زیدی بتا رہی تھیں کہ.....''

''ماما اس کی منگنی ایمان سے ہوئی ہے۔''

''تمہاری دوست ایمان سے؟'' یہ خبر ان کے لئے بھی شاک سے کم نہ تھی، ایمان نے نائلہ سے جب بھی اپنا مسئلہ شیئر کیا اس میں سکندر ہی زیر بحث رہا، اپنے لئے آنے والے پرپوزل میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث اس نے بہت مختصر سی معلومات دی تھی، سو نائلہ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکا کہ وہ پرپوزل نبیل کا ہوگا لیکن اب؟

''ماما میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی، ایمان میں آخر ایسا کیا نظر آیا ہے جو نبیل اور اس کی فیملی نے اسے مجھ پر فوقیت دی، حیثیت خاندان، شکل و صورت، دولت، کسی لحاظ سے بھی وہ ہمارے برابر نہیں ہیں، میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ بے تحاشا ہسٹریک ہو رہی تھی۔

''نائلہ میری جان اپنے آپ کو سنبھالو، بھلا تم کیا کر سکتی ہو؟'' مسز وسیم نے بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''کچھ نہ کچھ ضرور کروں گی۔'' اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔

''میں اس منگنی کو شادی کے انجام تک بھی نہیں پہنچنے دوں گی، کبھی نہیں۔'' اس کا ذہن بڑی تیزی سے تانا بانا بن رہا تھا۔

☆☆☆

''صاحب یہ ڈاکیا دے کر گیا ہے۔'' زیدی فیملی لان میں براجمان سردیوں کی ہلکی ہلکی دھوپ کا مزا لے رہی تھی جب چوکیدار نے ایک لفافہ ان کے حوالے کیا تھا، زیدی صاحب نے آرام سے وہ لفافہ لے کر کھولا مگر تحریر پہ نگاہیں جماتے ہی ان کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

''کیا ہے شکیل، سم؟'' مسز زیدی نے ان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ کاغذ ان کے ہاتھ سے لیا تھا۔

''واٹ از دس؟'' وہ خود بھی کاغذ پر درج تحریر پڑھ کر کچھ کم ہراساں نہ تھیں۔

''ماما مجھے بھی بتائیں آخر کیا ہے جو آپ لوگ اس قدر سیریس ہو رہے ہیں۔'' نبیل نے کاغذ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

''آپ لوگ اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟ آئی تھنگ دس از آل ربش، کچھ چیپ لوگ اس طرح کی گھٹیا حرکتیں کر کے خوش ہو جاتے ہیں۔'' نبیل نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

''لیکن بیٹا اس نے یہ بھی تو لکھا ہے کہ ایمان بھی.....'' بیگم زیدی نے پریشانی سے کہا تھا۔

''یہ سوچنا بھی فضول ہو گا کہ ایمان سے پوچھے بغیر اس کی ماں اور بھائی نے رشتہ طے کر دیا ہو گا، اب اکیسویں صدی میں بھلا ایسا کہاں ہوتا ہے۔'' اس نے بہت ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

''ایمان بہت معصوم بچی ہے، ہماری نظریں

دھوکا نہیں کھا سکتیں۔'' زیدی صاحب نے بیٹے کی تائید کی تھی، مگر نہ جانے مسز زیدی کو کیا خیال آیا کہ وہ مسز تسنیم سے یہ معاملہ ڈسکس کرنے چلی آئی تھیں۔

پریشان حال ایمان کو اس معاملے میں ایک شخص قصوروار نظر آ رہا تھا۔

''اور وہ تھا سکندر!''

☆☆☆

''نائلہ کا فون ہے آ کر بات کر لو۔'' ماں نے کمرے میں جھانک کر قدرے سرد لہجے میں کہا تو وہ تیزی سے فون کی طرف لپکی تھی۔

''شکر ہے نائلہ تم نے مجھے فون کیا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنے ہے۔'' نائلہ کی آواز سنتے ہی وہ بے چینی سے شروع ہو گئی تھی۔

''ایک حیران کن خبر ہے تمہارے لئے، سکندر نے تمہاری منگنی کا سن کر گھر میں شور مچا رکھا ہے کہ وہ تم سے شادی کرے گا اور وہ گھر والوں پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ تمہارے گھر رشتہ لے کر جائیں۔'' نائلہ نے اس کی سننے سے قبل ہی بریکنگ نیوز دی تھی۔

''یہی بات تو میں تم سے کرنا چاہ رہی تھی، تم نے بتایا تھا اور پھر میں نے نیلوفر سے بھی کنفرم کیا تھا، کہ وہ اپنی پھپھو کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا، مگر اب اس ذلیل نے انکل کو دھمکی آمیز خط لکھنا شروع کر دیئے ہیں کہ وہ منگنی کو ختم کر دیں۔'' ایمان نے دانت پیس کر بتایا تھا۔

''پھر؟ تمہارے سسرال والوں کا کیا ردعمل ہے؟'' نائلہ نے بے چینی سے سوال کیا تھا۔

''یار انہیں بالکل یقین نہیں آیا مگر اسد بھائی بہت غصے میں ہیں اور امی بھی بہت پریشان ہیں، ایمان وہ ہر قیمت پر صرف تم سے شادی کرنا چاہتا ہے، بھی گھر والوں سے بات کی ہے، تم ایسا کرو کہ منگنی ختم کروا دو، آئی مین اس رشتے کو ختم کر دو، پھر وہ یقیناً رشتہ بھیج دے گا۔'' نائلہ نے بصد اصرار کیا تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یار، میں نے کون سا اس کے ساتھ عہد و پیمان کیے تھے وہ خود میرے راستے میں آ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کرتا رہا، میں اور بھائی کی عزت پر اپنے کسی غلط فیصلے سے آنچ نہیں آنے دوں گی۔'' اس نے نائلہ کی امیدوں کو خاک میں ملاتے ہوئے کہا تھا۔

''تو تمہارے سسرال والے بعد میں کوئی پرابلم کری ریٹ نہ کریں؟'' نائلہ نے اسے خدشات کی دنیا میں دھکیلنا چاہا تھا۔

''کیوں پرابلم کری ایٹ کریں گے یار، وہ بہت اچھے لوگ ہیں؟'' ایمان نے اسے اپنی ہونے والی ساس کے خیالات سے آگاہ کیا تھا۔

☆☆☆

''مسز زیدی! میں آپ کے شوہر کو انفارم کر چکا ہوں اور آپ پر بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایمان صرف میری ہے، اس کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام سننا بھی میرے لئے باعث اذیت ہے، ایمان کو باہر سیٹل کروانے یا کوٹھی نام کروانے یا پھر اپنی دولت کا لالچ دینے کی ضرورت نہیں یہ سب بے کار ہو گا۔''

فقط آپ کا خیر خواہ

دونوں گھروں میں شادی کے ہنگامے پوری شدت کے ساتھ جاگ اٹھے تھے، زیدی ولا میں دوسرے شہر سے آنے والے مہمانوں کا شور گونج رہا تھا، شام کو مہندی کی مشترکہ فنکشن ہونا تھا، بری کے کپڑے مسز زیدی اپنے سامنے رکھے ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جب ملازم نے بائے پوسٹ آنے والا ایک لفافہ ان کے ہاتھ دیا تھا، اس لفافے کے اندر لکھی تحریر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑھ کر مسز زیدی کے ذہن کو گویا جھٹکا لگا تھا، جو باتیں انہوں نے ایمان کے سامنے کی تھیں ان کا اس خط میں ذکر لکھنے والے کی سچائی کا گواہ تھا کہ ایمان کا یقیناً کسی سے کوئی رابطہ تھا، مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے اپنے دکھتے سر کو دباتے ہوئے سوچا تھا۔

''ایمان بی بی بہت اچھی طبیعت کی مالک ہیں جی، نسیم نے بتایا ہے وہ ہمارے ہمسائے میں رہتی ہے۔'' کچی آبادی سے آنے والی ملازمہ سکینہ نے اپنی ہم پیشہ کا حوالہ دیتے ہوئے چند روز پہلے کہا تھا۔

''سکینہ ادھر آؤ۔''

''جی بی بی جی!'' وہ قالین پر ان کے سامنے آکر بیٹھ گئی تھی۔

''تم بتا رہی تھیں کہ ایمان کے گھر کام کرنے والی ملازمہ نسیم تمہاری ہمسائی ہے۔'' کسی نہ کسی طرح وہ اس معاملے کی مکمل کھوج لگانا چاہتی تھیں سو سکینہ سے پوچھنے لگیں۔

☆☆☆

مسز زیدی کا دل بجھ سا گیا تھا اور پھر شادی کی تمام رسموں کو خوشی کے بجائے خود پر جبر کر کے مکمل کیا تھا، حتیٰ کہ دولہن میرج ہال سے رخصت کروا کر لانے تک گویا ان کا حوصلہ جواب دے گیا تھا، دلہن کو اس کے کمرے میں پہنچانے کے بعد انہوں نے نبیل کو بلایا۔

''نبیل بیٹا ذرا میرے کمرے میں آ کر بات سنو۔'' پھر مہندی کے روز موصول ہونے والا خط اسے دکھاتے ہوئے ایمان کے سامنے کی گئی گفتگو اس کے گوش گزار کی تو وہ بھی ساکت رہ گیا تھا۔

☆☆☆

سب کے جانے کے بعد اس نے آراستہ پیراستہ کمرے کا توصیفی نگاہوں سے جائزہ لیا تھا، وسیع و عریض بیڈ پر براجمان وہ خود بھی پھولوں کی کوئی شہزادی معلوم ہو رہی تھی، کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی دروازے پر کوئی آہٹ نہ ہوئی تو دل کی دھڑکنوں پر قابو پا کر اس نے قدرے ایزی ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی تھی، رات کا تیسرا پہر اختتام پذیر ہونے لگا تو انتظار کی کوفت پلکوں پر نیند بن کر حاوی ہونے لگی مگر وہ بمشکل آنکھیں کھلی رکھ کر بھگانے پر مجبور تھی، دیوار پر لگا کلاک ہر گھنٹے بعد رات کے سرکنے کا اعلان کرتا رہا اور اس کا انتظار حیرت کے ساتھ ساتھ پریشانی میں بدلتا رہا، دوسری طرف لان کے ایک گوشے میں تنہا چیئر پر نیم دراز نبیل بھی نئے کرب سے گزر رہا تھا، پارس سمجھ کر جسے اپنی زندگی سے شریک سفر کے طور پر چنا وہ تو بہت ارزاں سا پتھر نکلا تھا، چند گھنٹے پہلے نظروں سے گزرنے والے چند سطری کاغذ نے اس کے خوابوں کو روند ڈالا تھا، زیدی ولا کے ایک کمرے میں سجے سجائے منتظر وجود کو یکسر فراموش کیے، وہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔

فجر کی اذان کے وقت بالآخر وہ کمرے میں جانے کے لئے اٹھا تھا مگر کمرے میں پہنچ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا، بیڈ کے وسط میں گھٹنوں کے گرد بازوؤں لپیٹے ان کے اوپر چہرہ ٹکائے ایمان نیند سے بوجھل پلکیں لئے دروازے کی سمت تک رہی تھی، ایک پل کے لئے نبیل کے ضمیر نے اسے ملامت کی مگر اگلے ہی لمحے وہ پھر سے ایک عام مرد بن چکا تھا، جس کی ذات سے وابستہ عورت کا کردار مشکوک تھا، اس نے کوٹ اتار کر صوفے پر پٹخا اور ڈریسنگ روم کی بڑھا مگر پھر رک گیا تھا۔

''آپ مجھ سے کیا توقع رکھتی ہیں آپ کا گھونگھٹ اٹھا کر رونمائی کا تحفہ پیش کروں گا مس

ایمان۔'' اس کے الفاظ نے گویا ایمان کے اعصاب پر بم پھوڑ دیا تھا۔

''تو بھول جائیں۔'' انتہائی حقارت بھرے انداز میں کہہ کر وہ ڈریسنگ روم میں چلا گیا تھا، چینج کر کے واپس آیا تو وہ ہنوز اسی انداز میں بیٹھی تھی، نبیل نے ایک بار پھر ترچھی نظر اس پر ڈالنا چاہی مگر اس بار اس کی نظریں ایمان کے چہرے پر بھٹک کر جم سی گئی تھیں، وہ سادگی سے مزین متاثر کن لگی تھی، اب تو سج سنور کر کوئی شاہکار گڑیا لگ رہی تھی، اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں پلکیں جھپکیں تو آنکھوں کی جھیلوں میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر رخساروں پر رواں ہو گیا تھا، نبیل نے بہت کوشش اور ضبط سے نظریں چرائیں تھیں۔

''اتنی طویل صبر آزما رات کا اتنا بوجھل انجام۔'' وہ اپنا جرم بھی نہ پوچھ سکی کہ نبیل دوسری طرف کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا اور لائٹ آف کر دی تھی۔

سن لیا ہم نے
سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اور سن کر اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دھندلے دھندلے سے منظروں مگر
چھیڑتی ہیں تجلیاں تیری
بھول بسری ہوئی رتوں سے ادھر
یاد آئیں تتلیاں تیری
دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
دل یہ کہتا ہے حوصلہ رکھنا

☆☆☆

نبیل کے رویے نے جہاں اسے بری طرح ہرٹ کیا تھا، وہیں شادی کے ہنگامے ختم ہوتے ہی آنٹی زیدی اور انعم کے روپ نے اسے بے حد ہراساں کیا، جس کے ساتھ ایک نئے اور انوکھے بندھن میں بندھ کر اس نے بابل کی دہلیز پار کی تھی، وہ تو اس سے بیگانہ تھا ہی مگر آنٹی کا شہد ٹپکاتا لہجہ بھی گویا مہمانوں کے ساتھ رخصت ہو چلا تھا اور انعم جو پہلے جب ان کے گھر آئی تھی تو نبیل کی بے تابیوں اور اپنی ایکسائٹمنٹ کا احوال سناتے نہ تھکتی تھی اب دیکھتی بھی اس قدر استہزائیہ نگاہوں سے تھی کہ وہ شرمندہ ہو کر الجھنے لگتی تھی، البتہ انکل کا رویہ سب سے جدا اور خاصا مشفقانہ تھا۔

''تشکیل آپ کے لئے کال ہے۔'' شادی سے پانچ روز بعد کی بات تھی وہ لان میں اخبار کی ورق گردانی کرتے انکل کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں جب آنٹی نے کاریڈور میں کھڑے ہو کر آواز دی تھی، وہ انکل کے ساتھ ہی اٹھ کر اندر آ گئی تھی، تب تک ملازمہ کے ذریعے وہ نبیل کو بھی بلا چکی تھیں۔

''کس کی کال تھی؟'' انکل نے صوفے پر بیٹھ کر ان کے چہروں کو بغور جانچا تھا۔

''کوئی آپ کی بہو صاحبہ سے بات کرنا چاہتا ہے، میں نے پانچ منٹ بعد فون کرنے کا کہا ہے۔'' مسز زیدی نے قدرے طنز سے شوہر کو آگاہ کیا اور تنفر بھری نظر اس پر ڈالی تھی، ایمان نے اپنے وزن پر کھڑے رہنے کے لئے صوفے کی بیک کا سہارا لیا تھا۔

''ہیلو۔'' تبھی فون کی بیل بجی تو مسز زیدی نے سپیکر آن کر کے لیس کا بٹن دباتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایمان اتنے دن ہو گئے آپ نے مجھے کال نہیں کی، آپ کو پتہ بھی ہے میں کس شدت سے آپ کی کال کا ویٹ کر رہا ہوں۔" فون سیٹ سے برآمد ہونے والی مردانہ آواز نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے۔

"آگے آ کر بات کرو اس سے۔" مسز زیدی نے اس پر آنکھیں نکالی تھیں۔

"مم..... میں..... کیوں بات کروں میں اسے نہیں جانتی۔" وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی تھی، نبیل بھی لب بھینچ کر اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں نہیں جانتی، میں کسی کو نہیں جانتی۔" اس کے یوں دور ہٹنے پر مسز زیدی نے ہاتھ بڑھا کر فون آف کر دیا تھا۔

"کسی کو نہیں جانتیں؟ سکندر کو تو جانتی ہو نا؟" مسز زیدی نے اس کے اعصاب پر بم دے مارا تھا۔

وہ اپنی ملازمہ سکینہ کے ذریعے ایمان کے میکے میں کام والی نسیم کو ایک نوٹ دے کر اس معاملے کی کرید لگا چکی تھیں۔

☆☆☆

"واٹ آ بریلینٹ آئیڈیا؟" نائلہ نے موبائل فضل کے ہاتھ سے لے کر پاور آف کیا تو مسز وسیم نے سر دھنتے ہوئے کہا تھا۔

"تو مان گئیں کہ آپ کی بیٹی بہت جینئس ہے۔" نائلہ نے ماں سے تائید چاہی تھی۔

"ایسی ویسی..... آخر بیٹی کس کی ہے۔" انہوں نے خود کو بھی کریڈٹ دیا تھا۔

"اپنی ماں کی۔" نائلہ کچھ زیادہ ہی خوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

"ماما آپ فضل کو تو فارغ کریں۔" اس نے پاس ہی مودب کھڑے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں، فضل بھی بہت کام کا آدمی نکلا۔" انہوں نے چند نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھائے تو وہ مودبانہ شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر چلا گیا تھا۔

"ماما اب نبیل کو میرا ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔" نائلہ صوفے پر نیم دراز ماں سے رائے طلب کر رہی تھی۔

"خیر ابھی بھی ہمیں محنت کی ضرورت تو پڑے گی ورنہ۔"

"ماما اس پاکیزہ بی بی نے ہاتھوں چوٹ کھا کر نبیل کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے پھر دیکھیے گا وہ اپنی دیکھی بھالی لڑکی کو ترجیح دے گا اور جتنی فرینڈ شپ اور انڈر سٹینڈنگ اس کی میرے ساتھ ہے اتنا وہ کسی اور سے کلوز نہیں ہے، بس ذرا آج کل میں اس ایمان بی بی کا چیپٹر کلوز ہونے کی اطلاع تو مل جائے۔"

"نائلہ بیٹا تمہیں افسوس ہو گا آفر آل وہ تمہاری دوست ہے؟"

"کیسا افسوس ماما؟" نائلہ ہنسی تھی۔

"خود سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا اور جب معاملہ دل کا ہو تو؟ میرے خیال میں دوستی صرف سرسری سی گپ شپ کا نام ہے جو کالج میں گھومنے پھرنے اور اکٹھے پیریڈ اٹینڈ کرنے کی حد تک ضروری ہے اور جب تک میرے مفادات انوالو نہ ہوں تب تک میں دوستوں سے تھوڑا بہت مخلص رہتی ہوں۔" اس نے اپنا دوستی کا فلسفہ پوری طرح ماں پر واضح کیا تھا۔

"ماما ہمارے بھجوائے گئے سندیوں کا اتنا پاور فل اثر لیا ہے نبیل نے کہ اس نے اپنی دلہن کی طرف دیکھنا گوارہ نہیں کیا تو اس کال کے بعد تو یقیناً چلتا کر دے گا۔" ایمان اپنی دوست کو فون

کر کے اپنی حال صورت سے آگاہ آ کر کے مشورے طلب کرتی رہتی تھی سو نائلہ اس کر کے حالات سے پوری طرح باخبر تھی۔

☆☆☆

"نبیل آپ کے لئے ناشتہ لگاؤں۔" کچھ سوچ کر اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بمشکل کہا تھا۔

"بڑی مہربانی سکینہ خالہ ناشتہ لگا رہی ہیں۔" اس نے سرد سے انداز میں کہہ کر بریف کیس اٹھایا اور باہر نکل گیا تھا، کمرے کے وسط میں پریشان کھڑی ایمان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"مجھے سکندر سے بات کرنی چاہیے، یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہو رہا ہے؟" نبیل دو دن کے لئے بزنس ٹور پر کراچی جا رہا تھا، سو وہ میکے آ گئی تھی۔

"نسیم مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" ماں اور بھائی کو اکٹھے کالج اور آفس کے لئے نکلتے ہی وہ کچن میں چلی آئی جہاں نسیم روزمرہ کا کام نمٹا رہی تھی۔

"جی بی بی کہیے۔" اس نے مصروف سے انداز میں مڑ کر استفسار کیا تھا۔

"ادھر آ کر بیٹھو۔" اس نے چیئر سنبھالتے ہوئے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میں سکندر سے ملنا چاہتی ہوں مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔" نسیم دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوئی تو ایمان نے اپنا مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"بی بی یہ تو کوئی مسئلہ نہیں میں کسی بہانے ان کے گھر چلی جاؤں گی اور موقع دیکھ کر ان سے بات کر لوں گی۔"

"خیال رکھنا اس بات کا امی اور بھائی کو پتہ نہ چلے اور..... میں تمہیں کچھ پیسے دے دوں گی۔" اس نے خود سے کہا تو نسیم کی گویا باچھیں کھل اٹھی تھی۔

"بی بی جی فکر نہ کریں میں آپ کا کام ہوشیاری سے کروں گی۔" جواباً اس نے تسلی بھی دے ڈالی تھی۔

☆☆☆

"نائلہ میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ میں نیلوفر کو ساری صورت حال بتا کر اس کے ذریعے سکینہ کو تنبیہ کروں۔" ایمان نے مشورہ لینا چاہا تھا۔

"نہیں بالکل بھی نہیں، دیکھو نیلوفر اس کی بہن ہے اور اس کے سامنے تو وہ کسی صورت اعتراف نہیں کرے گا کہ اس نے کوئی ایسی حرکت کی ہے۔" نائلہ نے جلدی سے کے خیال کو رد کر دیا تھا۔

"مگر مجھے بالکل مناسب نہیں لگ رہا کہ میں اس سے ملنے پارک چل پڑوں۔"

"اف اوہ یار تم کون سا ڈیٹ مارنے جا رہی ہو، اپنا پرابلم سولو کرنے کے لئے ضروری بات کرنا چاہتی ہوں اس میں اتنا کنفیوژ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" نائلہ نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ نسیم ان کا سیل نمبر لے اور میں اس سے فون پر ہی....."

"فون پر بات کرنا اور ہے یار جبکہ فیس ٹو فیس اس مسئلے کو حل کرنا زیادہ بہتر ہو گا، میرے خیال میں تو یہی مناسب ہے کہ تم اس سے مل کر واضح الفاظ میں بات کرو کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے ورنہ تم اپنے گھر والوں کو بتا دو گی۔"

"چلو پھر یوں ہی ٹھیک سہی۔" ایمان بالآخر اس کے دلائل کے سامنے قائل ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس نے تمہیں ملنے کے کون سا ٹائم دیا ہے۔'' نائلہ پوچھ رہی تھی۔

''کل شام چار بجے۔''

''اوکے پھر تمہیں کل رات فون کروں گی۔'' نائلہ نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا اور سم چینج کر کے میسج ٹائپ کرنے لگی تھی۔

ادھر نبیل نے سیل آن کیا تو جو میسج ابھرا اسے پڑھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی، کچھ سوچ کر اس نے ماں کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

☆☆☆

سکندر ہوٹل کے باہر دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اسے نسیم کے ساتھ آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور چند قدم آگے چلتا ہوا پارک کے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا تھا، نسیم گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی رک گئی جبکہ ایمان تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے برابر جا پہنچی تھی۔

''زہے نصیب آپ تو کہتی تھیں آپ باہر نہیں مل سکتیں آج ہماری قسمت کیسے جاگ گئی۔'' ایمان تیسری بار اس کی گفتگو سن رہی تھی، جس میں عامیانہ صاف جھلکتا نظر آتا تھا۔

''گھٹیا انسان میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارے ساتھ بے حد برا ہو گا۔''

''ایمان آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے سمجھ نہیں آیا؟'' وہ بے تکلفی سے اس کا نام لیتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

''تم کیوں میرے سسرال کے ایڈریس پر دھمکی آمیز خطوط اور فون کالز کرتے رہتے ہو، تم نے میری زندگی کیوں اجیرن کر رکھی ہے۔''

''میں؟'' اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''سکندر میں تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔'' وہ روہانسی ہونے لگی۔

''میں ایک معزز شخص کی بیوی ہوں تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے.....''

''اوہ تو آپ کی شادی ہو چکی ہے۔'' ایمان کو اس کے معصوم بننے پر بے طرح غصہ آیا تھا۔

''گھٹیا انسان اب اگر تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں تمہارے گھر آ کر ایسا ہنگامہ کروں گی کہ تم یاد رکھو گے۔'' شدید غصے سے کہہ کر وہ جھٹکے سے واپس مڑی اور گیٹ سے باہر چل دی تھی۔

☆☆☆

نبیل کو آج واپس آنا تھا، سو اس نے صبح ہی بھائی سے ڈراپ کرنے کا کہہ دیا، اسد اسے گیٹ پر اتار کر خود آفس چلا گیا تھا، اندر آ کر آنٹی کو سلام کیا تو بہت روکھا پھیکا سا جواب دے کر وہ ملازمہ سے بات کرنے لگی تھیں، وہ نئے سرے سے پریشانی میں گھر گئی تھی۔

تقریباً دس بجے اس نے نبیل کی گاڑی کو ٹیرس سے اندر آتے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر کمرے میں چلی آئی، کافی دیر کے انتظار کے بعد نبیل کمرے میں نہ آیا تو وہ نیچے چلی آئی آنٹی کے کمرے سے نبیل کی آواز آ رہی تھی، وہ دروازے کے آگے بلا سوچے سمجھے رک گئی۔

''نسیم اور اسد واقعی بہت اچھے ہیں، لیکن ان کی بیٹی یہ گل کھلاتی پھرے، ہماری عزت کو پارکوں اور ہوٹلوں میں غیر مردوں کے ساتھ رولتی پھرے، تو یہ ہماری برداشت سے باہر ہو گا، سکینہ کے ذریعے میں نے نسیم (ملازمہ) سے سب پتا کرا لیا ہے، ایسے میں فیصلہ بہت ضروری ہو گیا ہے بیٹا۔'' آنٹی کی آواز پر اسے چکر آ گیا تھا، وہ تو

کچھ سمجھ رہی تھی کہ اس نے سکندر کو وارننگ بھی دے دی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا مگر۔

''ماما میں نے وکیل سے کہہ دیا ہے طلاق کے پیپرز تیار کرے، اس قصے کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔'' نبیل کی اگلی بات پر وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں تھوڑا ریسٹ کروں گا۔'' باہر کھڑی ایمان تو جیسے پتھر کی ہو چکی تھی، وہ فی الفور اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی، باہر نکلتے ہی نبیل کی نظر ساکت کھڑی ایمان پر پڑی تو وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک کر رکا اور پھر تیزی سے اوپر کی جانے والی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

''نبیل بات سنیں پلیز۔'' اس نے اندر آ کر مری ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''جی فرمایئے؟'' وہ ٹیبل پر سیل فون پٹخ کر طنز سے کہہ رہا تھا۔

''آپ..... آپ یوں مت کریں..... میں..... اسے بتانے گئی تھی کہ..... پلیز آپ ایسا نہیں کریں۔''

''ایمان بی بی! آپ دو فیملیز کی آنکھوں میں دھول جھونک جو کچھ کرتی پھر رہی ہیں اس کا حل یہی ہے کہ میں آپ کو طلاق دے دوں تاکہ آپ اپنے من پسند شخص کے ساتھ مرضی کی زندگی گزارنے کے لئے آزاد ہوں، یقیناً وہ آپ کو ابھی بھی اپنا بنانے کے لئے تیار ہو، میں اور میرے گھر والے جس ذہنی اذیت سے گزر رہے ہیں ہمیں بھی اس سے چھٹکارا مل جائے گا۔'' تلخی سے کہہ کر کوٹ اتار کر الماری میں پھینکتے ہوئے وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔

''نبیہ..... ی..... ل.....'' اس کا شوہر شادی کے ایک ماہ اسے طلاق کی نوید سنا رہا تھا، ایمان کے سر میں درد کی شدید لہر اٹھی جو اسے بے حال کر گئی تھی، اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر الفاظ ادا ہوئے تو ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے نبیل نے کچھ عجیب سے احساس کے تحت مڑ کر دیکھا تھا، وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے لہرا رہی تھی۔

''ایمان..... ایمان..... بات سنو..... کیا ہو رہا ہے تمہیں..... میں۔'' وہ پلٹ کر تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور اسے کندھوں سے تھام لیا تھا، اس نے اپنی طرف سے کچھ تسلی آمیز الفاظ ادا کرنے کی کوشش کی مگر ایمان کچھ سننے اور سمجھنے کی حدود سے نکل چکی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یک طرفہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے؟ ایمان اتنے دن سے میرے ساتھ رہ رہی تھی، خود سے سب کچھ فرض کرنے کی بجائے مجھے اس سے صاف صاف بات کر لینی چاہیے تھی، کہیں کچھ غلط ہے ایسا جو ہم سمجھ نہیں پائے، اگر ایمان اس شخص میں اتنی الوالعزم ہے کہ اس کے ساتھ فیوچر پلاننگ کرتی پھر رہی ہے تو پھر طلاق کی بات پر اس کا اتنا شدید ردعمل کیوں؟'' ہسپتال کے کاریڈور میں ایمرجنسی یونٹ کے باہر سب کے ساتھ بیٹھا نبیل اپنے سر کو مسلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''آخر اسے ہوا کیا ہے؟'' تسنیم بیگم آنسو صاف کرتے ہوئے ایک بار پھر اس سے پوچھ رہی تھی۔

''آنٹی! مجھے نہیں پتا میں تو خود ابھی ابھی واپس آیا تھا۔'' اس نے انہیں ٹال دیا اور کاریڈور میں چکر لگانے لگا تھا۔

''آپا پلیز آپ ہی بتائیں ایمان کو کیا ہوا ہے۔'' اس کی ماں کے دل کو قرار نہیں تھا، سو وہ مسز زیدی سے مخاطب ہوئی تھیں، تبھی ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر برآمد ہوا تھا۔

''آپ کی پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے، ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے اعصاب کسی شدید صدمے یہ خوف کو برداشت نہیں کر سکے، آپ اسے معمولی سا نروس اٹیک بھی کہہ سکتے ہیں، ناؤشی از بیٹر بٹ بی ویری کیئر فل ورنہ ان کی کنڈیشن سیریس ہو سکتی ہے، آپ چاہیں تو ان سے مل لیں لیکن خیال رکھیے ان کے سامنے کوئی ٹینشن کری ایٹ کرنے والی بات مت کیجئے گا۔"

"میں...... میں ایمان کو دیکھتی ہوں۔" تسنیم بیگم تیزی سے ایمان کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں۔

"نہیں آنٹی پلیز ابھی آپ یہیں رکیں۔" نبیل نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر زبردستی روکا کہ اگر وہ ہوش میں آنے کے بعد صرف ماں کو اپنے سامنے دیکھتی تو نہ جانے کیا سوچ لیتی اور پھر وہ خود اس کے پاس جا کر اس کی ٹینشن کو کم کرنے کی کوئی تدبیر کرنا چاہ رہا تھا۔

"نہیں...... نبیل...... مجھے۔"

"امی پلیز آپ نبیل کو اندر جانے دیں، سب لوگوں کا اکٹھے جانا ٹھیک نہیں۔" اسد نے ماں کو روک کر نبیل کو اندر جانے کا اشارہ کیا تھا، وہ خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

"ایمان!" نبیل نے بیڈ کی پٹی پر بیٹھ کر اسے پکارا تھا۔

"نبیل...... میں...... آپ......"

"کچھ نہیں ہوا ایمان، پلیز بی ریلیکس بی بریو۔" نبیل نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔

"آپ...... مجھے...... ڈائی...... ورس۔"

"بالکل بھی نہیں، تم چاہو گی تو ہم ساتھ رہیں گے فار ایور۔"

"مگر آپ کہہ رہے کہ وکیل سے......"

"تم وہ سب بھول جاؤ ہمارے درمیان کوئی مس انڈر سٹینڈنگ ہو گئی تھی لیکن اب ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"آپ وکیل کو منع کر دیں کہ وہ......"

"میں وکیل کو منع کر چکا ہوں۔" اور پھر اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا، وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"اب کیوں رو رہی ہو؟"

"میں نے اسے یہ بتانا تھا کہ میرا پیچھا چھوڑ دے، میں پہلی بار اس سے بات کرنے......"

"گھر چل کر آرام سے بات کریں گے اور تم مجھے نہ بھی بتاؤ تو مجھے تمہاری سچائی کا یقین ہو چلا ہے، ابھی آنٹی تم سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہیں۔" نبیل نے ایک بار پھر اسے روک دیا تھا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"ماما ہم لوگ جو کچھ سوچ اور سمجھ رہے تھے کم از کم ویسا کچھ نہیں ہے، ایمان سے کوئی غلطی ضرور ہوئی ہے، جو ہماری غلط فہمی کا سبب بن رہی ہے، مگر کوئی کلیو ایسا بھی ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔" نبیل کے باہر آنے کے بعد باقی سب لوگ تو ایمان کے کمرے میں چلے گئے جبکہ مسز زیدی وہیں رک گئی تھیں، نبیل الجھے الجھے انداز میں ان سے کہہ رہا تھا۔

"میں تو تمہاری بات سمجھنے سے قاصر ہوں بیٹا!" مسز زیدی کو واقعی کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔

"ایمان کے پاس سیل فون نہیں ہے، پھر اس نے ملازمہ کے ذریعے اسے بلوایا اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس اس شخص کا نمبر نہیں ہے، پھر ایمان ملازمہ کو ساتھ لے کر اس سے ملنے کیوں گئی، مطلب کہ یہ اس کی روٹین نہیں تھی ورنہ گھر سے پانچ منٹ کی واک پر موجود پارک میں اکیلے جانے میں اسے ہچکچاہٹ نہ ہوتی اور

سب سے بڑی بات یہ کہ اس نے میرے منہ سے طلاق کا لفظ سن کر اپنے حواس کیوں کھو دیئے؟"

"بات تو تمہاری بالکل درست ہے۔" مسز زیدی غیر جانبداری سے سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"ماما پہلے بھی ہم نے ایمان کے ساتھ جو بی ہیو کیا وہ بالکل مناسب تھا، پلیز اب آپ خود کو اس کے ساتھ لائٹ رکھیے گا۔" نبیل نے کہنے پر وہ سر ہلا کر پھر سے سوچنے لگ گئی تھیں۔

☆☆☆

نبیل کا رویہ اس کے ساتھ یکسر مہربان ہو گیا تھا، انکل تو پہلے ہی بہت شفقت سے پیش آتے تھے لیکن اب تو آنٹی اور انعم بھی اس کا خاصا خیال رکھ رہی تھیں، اس نے نبیل کو تمام تر معاملے سے آگاہ کر دیا تھا۔

"پتہ نہیں نبیل کو مجھ پر یقین آ گیا ہے یا پھر میرے ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، انسانیت کے ناطے مجھ سے نرمی سے پیش آ رہے ہیں مناسب وقت پر پھر کوئی فیصلہ کر ڈالیں۔" اس کے ذہن میں ایک خیال نے سر اٹھایا تو وہ نائلہ سے مشورہ لینے کا سوچنے لگی تھی۔

"نبیل سو جائیں تو پھر اسے فون کروں گی۔"

کچھ دیر بعد نیم غنودگی میں نبیل کو بیڈ کے دوسری طرف سے ایمان کے اٹھنے کا احساس ہوا مگر وہ ساکت پڑا رہا، یہاں تک کہ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی، اس کے جانے کے بعد وہ آہستگی سے سلیپر پہن کر باہر نکلا اور اپنے کمرے کے دروازے کے باہر سائیڈ پر رکھے فون سیٹ کی طرف دیکھا جو غائب ہو کر ساتھ والے کمرے میں منتقل ہو چکا تھا، بند دروازے کے پیچھے بہت آہستگی سے ایمان کی باتوں کی آواز آ رہی تھی، نبیل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا

تو ایمان کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا تھا، نبیل نے ریسیور اٹھا کر کریڈل پر ڈال دیا تھا۔

"میں اپنی فرینڈ سے بات کر رہی ہوں۔" نبیل نے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھ کر وہی نمبر سی ایل آئی سکرین پر سے اپنے موبائل پر ڈائل کیا مگر اسے شدید جھٹکا لگا کہ یہ نمبر تو اس کی فون بک میں پہلے سے موجود تھا اور "نائلہ" کی صورت سکرین پر چمک رہا تھا، اس نے زور سے سانس خارج کی، سارا کھیل ایک لمحے میں اس کی نظروں کے سامنے واضح ہوا تھا۔

"کمرے میں چلو۔" اس نے ایمان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اٹھایا تھا۔

"آپ نائلہ سے خود بات کر کے دیکھ لیں، میں آپ کی بات کرواتی ہوں۔" ایمان کو لگ رہا تھا پھر اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ چکا ہے سو کمرے میں آ کر صفائی پیش کر رہی تھی۔

"میں اس سے بات کر چکا ہوں۔" نبیل نے بہت سکون سے بتایا تھا۔

"کب؟ مگر اس نے تو مجھے نہیں بتایا، آپ یونہی کہہ رہے ہیں۔" ایمان پہلے تو حیران ہوئی پھر بے یقینی سے سر ہلایا تھا۔

"نائلہ ہی تمہاری وہ دوست ہے جس سے تم سارا معاملہ شیئر کرتی رہی ہو اور وہ تمہیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتی رہی ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ زہر آلود ہوا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ میری دوست کا نام نائلہ ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر پوچھ رہی تھی۔

"تم نے ہی بتایا تھا۔" وہ تفصیل بتانے کے بجائے اسے ٹال گیا تھا۔

"نائلہ پریشان ہو رہی ہو گی کہ میں نے اچانک فون کیوں بند کر دیا، میں اس سے بات کر لوں آپ بھی بات کیجئے گا، وہ بہت براڈ مائنڈڈ ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ آپ سے بھی بات کرلے گی۔''

''میں جانتا ہوں کہ وہ کتنی برا ڈ مائنڈ ہے۔'' وہ دھیمے سے بڑبڑایا تھا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' ایمان کو اس کا زیرلب کچھ کہنا سمجھ نہ آیا تھا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ رات کے اس پہر بیوی کو چھوڑ کر بھلا کسی اور لڑکی سے بات کرنا اچھا لگوں گا۔'' نبیل نے پوری توجہ سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کچھ حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

''نبیل آپ اپنے دوست کو ڈنر دے رہے ہیں تو میرے وہاں جانے کی کیا تک بنتی ہے۔'' وہ الماری کھول کر ڈریس سلیکٹ کرتے ہوئے جھنجھلا کر کہہ رہی تھی۔

''بھئی میں تمہیں اس سے ملوانا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ کے دوست سے مل کر کیا کروں گی۔'' وہ مزید بے زار ہوئی تھی۔

''تم اس کی شخصیت کی جانچ پڑتال کرنا تمہیں خیال رکھنا چاہیے بھئی تمہارا شوہر کسی غلط کمپنی میں نہ پڑ جائے۔'' وہ کچھ محظوظ ہو کر کہہ رہا تھا۔

''آپ کا دوست ہے تو اچھا ہی ہوگا۔'' اس کی باتوں میں ایمان کا دھیان کپڑوں سے ہٹ گیا تھا۔

''وہ میرا دوست نہیں میری دوست ہے۔'' نبیل اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا اور الماری میں لٹکے ملبوسات پر نظر دوڑا رہا تھا۔

''ایک ہی بات..... کیا؟ وہ نئی میل فرینڈ ہے۔'' وہ یکدم پلٹ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''دیکھا پہلے کیسے سرسری سا لے رہی تھیں اور اب جیسے کرنٹ لگ گیا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے ہینگ شدہ بلیک کام والی ساڑھی نکال کر اس کے سامنے کی تھی۔

''مجھے ساڑھی باندھنا نہیں آتا۔'' اس نے بہانہ بنایا تھا۔

''ماما سے سیکھ لو۔'' اس نے بے نیازی سے مشورہ دیا تو وہ بے دلی سے چینج کرنے چلی گئی تھی۔

''مجھے تو اس میں چلنا بھی اتنا مشکل لگتا ہے، زندگی میں صرف ایک دفعہ کیٹ واک کے دوران ساڑھی باندھنے کی غلطی کی تھی، اتنا ڈر لگا کہ دل چاہ رہا تھا سٹیج پر بیٹھ جاؤں۔'' واپس آ کر آئینے میں خود کو دیکھ کر منمنائی تو نبیل کی ہنسی نکل گئی تھی۔

''جلدی کرو پارلر بھی جانا ہے۔'' وہ والٹ اور سیل فون اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''پارلر کیوں جائیں گے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''شاپنگ کرنے، پارلر کیوں جاتے ہیں؟'' وہ اسے بازو سے پکڑ کر باہر کا رخ کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

☆☆☆

جو چلا گیا مجھے چھوڑ کر وہی آج تک میرے ساتھ ہے

وہ تیار ہوتے ہوئے مسلسل گنگنا رہی تھی، اس کے رنگ رنگ سے جیسے سرشاری پھوٹ رہی تھی، بے پایاں خوشی نے اس کی ذات کا گھیراؤ کر رکھا تھا، اس کے خیال میں اس نے جو چاہا پا لیا تھا، اس کی منزل قریب تو تھی، اسے چھوڑ کر جانے والا لوٹ آیا تھا اس کی واپسی کے پیچھے نائلہ کی اپنی ذہانت کا امر تھا، اس کھیل کے تمام تر مہرے اس نے بہت معاملہ فہمی سے ترتیب دیئے تھے بھی تو کامیابی نے اس کے در پر دستک دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، جو ٹھوکر کھا کر پلٹنے اس کا ساتھ یقیناً بہت پائیدار ہوتا ہے، پف کرتے ہوئے اس نے خود کو آئینے میں دیکھ کر سوچا تھا، آج کا دن اس کے لئے زندگی کا سب سے اہم دن تھا، جیسے کوئی آسمان کو چھو لے، فضا میں اڑنا سیکھ لے، چاند کو ہاتھ لگا آئے، ستاروں کو دامن میں بھر لے، یا پھر نائلہ وسیم کی طرح کامیاب ہو کر فتح کے جشن کی تیاری کرے، نبیل نے ڈنر پر انوائٹ کرنے کے لئے فون کیا تھا کہ وہ اس سے کچھ بہت ضروری بات کرنا چاہتا تھا، اگرچہ آج وہ اسے انتظار کی لذت سے روشناس کرانا چاہتی تھی، مگر بے اختیار مقررہ وقت سے تھوڑا پہلے ہی ہوٹل پہنچ گئی اور ریزرو ٹیبل پر بیٹھ کر موبائل سے کھیلتے ہوئے اس کے انتظار میں وقتاً فوقتاً انٹرنس ڈور کی طرف نظر ڈالتی رہی، ایک دم اس کی آنکھوں کو جیسے کوئی دھوکا ہوا تھا، یہ منظر حقیقت بھلا کیسے ہو سکتا تھا، انٹرنس ڈور سے نبیل اندر داخل ہوا اور ایک ثانیے کے لئے کسی اور کے ہم قدم ہونے کا انتظار کیا تھا، بلیک ساڑھی میں ہنستی مسکراتی اور جگمگاتی ہوئی ایمان اس کے ہمراہ چلی آ رہی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ دونوں اس کی ٹیبل کے پاس پہنچے تو نبیل نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا، وہ میکانکی انداز میں کچھ کہے بغیر کھڑی ہو گئی۔

''میٹ ٹو مائی مسز۔''

''ارے نائلہ تم۔'' ایمان نے حیران ہوتے ہوئے آگے بڑھ کر پتھرائی ہوئی نائلہ کو گلے لگایا تھا۔

''نبیل، نائلہ میری دوست ہے آپ مجھے نائلہ سے ملوانا چاہتے ہیں مگر ہم دونوں تو پہلے ہی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر نبیل کو مخاطب کیا تھا۔

''کبھی کبھی یہ جو ہمارا ایک دوسرے کو جاننے کا دعویٰ ہوتا ہے نا مسز، وقت آنے پر بالکل بودا ثابت ہوتا ہے۔'' نبیل نے ان دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی چیئر سنبھالی تھی، نائلہ نے اپنی کیفیت سے نکل کر بہت چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ زیادہ فلسفہ نہ بولیں ان فیکٹ میں اور نائلہ بہت اچھی فرینڈ ہیں۔'' ایمان نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے جواب دیا تھا۔

''ہر انسان اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں غلط فہمیوں کا شکار ضرور ہوتا ہے، یہ دوست، دشمن کی فلاسفی بھی کچھ عجیب ہے۔''

''کیا مطلب؟'' ایمان نے اسے چونک کر دیکھا وہ اس کی ایکسائٹمنٹ کا جواب بڑے عجیب انداز میں دے رہا تھا۔

''آپ ہماری شادی میں تو شریک نہیں ہو سکیں کہ کراچی گئی ہوئی تھیں مگر ہم حق دوستی ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں لو اس خوشی میں آج کی شام آپ کے نام۔'' نبیل مینو کارڈ نائلہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہم آپ کو پہلے انوائٹ کرتے مگر کچھ دوستوں کی طرف سے ایسے سندیسے موصول ہوئے کہ لائف ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔'' نبیل نے ایک بار پھر ایمان کی بات کو نظر انداز کر کے مینو کارڈ پر نظریں جماتے ہوئے کہا تو نائلہ کا چہرہ یک دم تاریک پڑ گیا تھا، ایمان بے حد الجھ کر اور حیران ہو کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کوئی ایسا فرد جس کے سامنے تم نے ماما کی کہی باتیں دہرائی ہوں۔'' نبیل نے چند روز پہلے اس سے سوال کیا تھا اور تب اس کا ذہن خالی ہی رہا تھا مگر اب؟ ایمان کے ذہن میں کوئی چھما کا ہوا اور وہ جیسے گم صم ہو گئی تھی۔

''ایکسکیوز می!'' نائلہ بمشکل کہہ کر اٹھی تھی۔

''کیا ہوا مس بدھو بالا؟'' نبیل نے ایمان کے سامنے چٹکی بجائی جو وحشت زدہ سی ہو گئی تھی۔

''آئی ایم سوری گائز، ماما کی کال آئی ہے مجھے ارجنٹ جانا ہوگا۔'' تبھی نائلہ واپس آ کر ان سے معذرت کرتی ٹیبل پر اپنا پرس اٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔

''نبیل پلیز گھر واپس چلیں، میرا سر چکرا رہا ہے۔'' نبیل جو بہت پرسکون بے انداز میں ایمان کے چہرے کے تاثرات بغور ملاحظہ کر رہا تھا، فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا، انجان ساری کہانی سمجھ گئی تھی وہ جسے دوست سمجھ کر اپنے راز کلیئر کرتی رہی تھی وہی تو اس کی سب سے بڑی دشمن تھی۔

پارکنگ سے نکل کر روڈ پر آتے ہوئے ان دونوں کی نظر ایک ساتھ نائلہ پر پڑی جو ہارے ہوئے انداز میں ست روی سے سڑک کنارے چلتی جا رہی تھی، نبیل نے مسکرا کر ایمان کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسٹیئرنگ پر رکھ کر تھپتھپانے لگا تھا۔

پندرہ سال بعد شہر کے مصروف بزنس ٹائیکون نبیل زیدی کی مسز ایمان نبیل نے آٹ سکول کے فنکشن میں چیف گیسٹ کی حیثیت سے ایک بچی کو آٹو گراف بک پر لکھا۔

''نوخیز کلی جب اپنے دل کی بات سرسراتی ہوا کو راز دار بنا کر اس کے سپرد کرتی ہے تو اس کی اپنی عزت کے کانچ شیشے پر گویا بے رحم پتھر سے پہلی ضرب پڑتی ہے۔''

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-
خمار گندم 200/-
دنیا گول ہے 225/-
آوارہ گرد کی ڈائری 200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے 200/-
نگری نگری پھرا مسافر 175/-
خط انشاجی کے 200/-
بستی کے اک کوچے میں 165/-
چاند نگر 165/-
دل وحشی 165/-
آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-
انتخاب کلام میر 160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-
طیف غزل 120/-
طیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری راہ طلب میں

ہما عامر

''سویرا! ایک شام کی ہی تو بات ہے، پلیز اپنا وہ رائل بلیو سوٹ مجھے دے دو۔'' تقریباً دس منٹ سے وہ ٹیرس پر کھڑی سویرا کو مسکا لگا رہی تھی۔

''میں نے کہا نہ میں نے وہ سوٹ ابا کی برتھ ڈے پر پہننے کے لئے رکھا ہے، تمہیں دوں گی تو تم اس کا ستیاناس کر دو گی۔'' سویرا ابھی ایک کائیاں تھی، ماہینہ نے برملا سوچا۔

''اس سے پہلے میں نے تمہاری کس کس چیز کا ستیاناس کیا ہے۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

''میرے وہ سینڈل تو تمہیں یاد ہوں گے جو شاہ میر نے بھجوائے تھے اور وہ لپ اسٹک جو ثانیہ نے میری برتھ ڈے پر گفٹ کی تھی، اتنا کافی ہے یا مزید گنواؤں۔'' سویرا نے کھلے دل سے اس کی انسلٹ کی۔

''خدا تم جیسی بے مروت کزن کسی کو نہ

ناولٹ

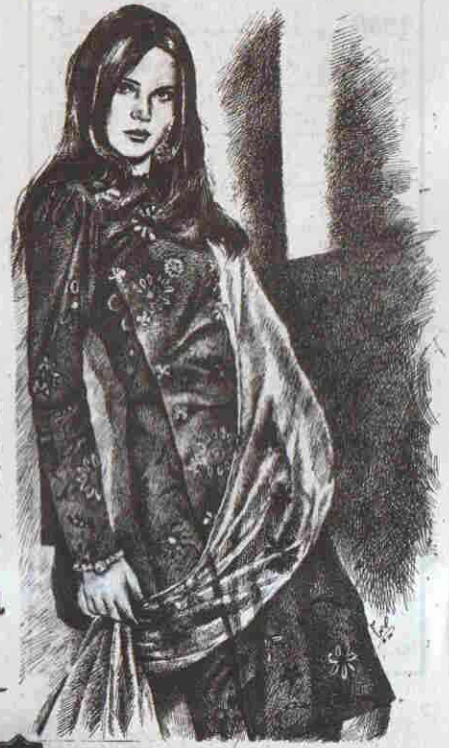

دے۔'' اس نے ناراضی کے اظہار کے لئے رخ بدلا تو نظر سیدھی سڑک پر جا ٹھہری جہاں گرے کلر کی اکارڈ صفیہ لاج کے آہنی گیٹ پر آ رکی تھی، چونکانے والی بات یہ تھی کہ اکارڈ کا فرنٹ ڈور کھول کر ثانیہ باہر نکلی تھی۔

''سویرا ذرا دیکھنا یہ ثانیہ کس کے ساتھ آئی ہے۔'' ماہینہ نے پل میں سب کچھ بھول کر سویرا کو ٹہوکا مارا تو سویرا بھی جھک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہینڈسم سے بندے کو بغور دیکھنے لگی۔

''یہ تو فہد ابراہیم کا بڑا بھائی ہے۔'' سویرا اسے پہچان چکی تھی، ثانیہ، صفیہ لاج کے عالی شان گیٹ سے اندر داخل ہو چکی تھی، ہنڈا اکارڈ بھی سڑک پر آگے بڑھ چکی تھی۔

''یہ ثانیہ کو ڈراپ کرنے آیا تھا، ثانیہ نے کبھی بتایا نہیں کہ وہ معاذ ابراہیم کو جانتی ہے۔'' ماہینہ کو کچھ کھٹک رہا تھا۔

''وہ ثانیہ کا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔'' سویرا نے دائیں جانب دیکھا جہاں ثانیہ درختوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھنڈے سے نکل کر مرکزی عمارت کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"میں پہلے بھی کئی مرتبہ ثانیہ کو معاذ ابراہیم کے ساتھ دیکھ چکی ہوں۔" سویرا نے مزید کہا۔

"دس از ناٹ فئر اسے ہمیں بتانا چاہیے کہ اس کی اتنے ہینڈسم بندے سے دوستی ہے۔" ماہینہ کو یہ سب ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"چھوڑو بھی ہو گی کوئی وجہ۔" سویرا نے موضوع ختم کرنا چاہا۔

"منگنی کی تقریب میں ثانیہ نے اپنے کی کلاس فیلوز کو انوائٹ کیا تھا لیکن یہ معاذ ابراہیم ان میں شامل نہیں تھا۔" ماہینہ نے مزید کہا۔

"ان دنوں معاذ ابراہیم آؤٹ آف کنٹری تھا۔" سویرا کی معلومات قابل داد تھیں، ماہینہ خاموش رہی البتہ اس کے چہرے پر سوچ کی واضح لکیریں تھیں، ہادی کی آواز پر وہ چونک پڑی۔

"ماہی! امو جان تمہیں اپنے حجرے میں بلا رہی ہیں۔" سولہ سالہ ہادی نے امینہ جہاں کا پیغام دیا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"مارے گئے امو جان نے مجھے اپنا دوپٹہ دھونے کو دیا تھا، میں اسے سرف میں ڈال کر بھول گئی ہوں۔" ماہینہ بری طرح بدحواس ہو کر باتھ روم کی جانب بھاگی جبکہ سویرا صفیہ لاج کی جانب دیکھنے لگی جہاں پورچ میں شاہ زر کھڑا تھا، لائٹ بلیو جینز اور میرون شرٹ میں وہ کہیں جانے کی تیاری میں لگ رہا تھا، کچھ دیر بعد وہ اپنی سٹی میں بیٹھ کر چلا گیا جبکہ سویرا اسی جگہ کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

☆☆☆

تین دن بعد آج وہ کالج گئی تھی، واپسی پر گھر میں غیر معمولی سناٹا نظر آیا، امو جان کا تخت بھی سنسان پڑا تھا، کچن میں شنو برتن دھو رہی تھی۔

"سب لوگ کہاں ہیں شنو۔" اس نے ریفریجریٹر سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے پوچھا۔

"ماہی بی بی وہ گرینی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے سب اس طرف گئے ہیں۔" شنو کا اشارہ صفیہ لاج کی جانب تھا۔

"کیا ہوا گرینی کو؟" ماہینہ کے لہجے میں تشویش در آئی تھی۔

"اب یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے، شاہ زر صاحب بتا کر گئے ہیں کہ گرینی کی طبیعت خراب ہے۔" شنو نے بتایا تو ماہینہ پانی پینے کے بعد، بنا یونیفارم تبدیل کیے، امینہ ہاؤس اور صفیہ لاج کے درمیانی گیٹ کے ذریعے صفیہ لاج آ گئی لاؤنج عبور کر کے وہ گرینی کی خواب گاہ میں آ گئی، گرینی اپنے جہازی سائز کے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز تھیں، جبکہ امینہ بیگم نزدیکی کاؤچ پر بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں، ربا، خوشبو اور سویرا بھی وہیں بیٹھیں گپیوں میں مصروف تھیں۔

"شنو بتا رہی تھی کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔" اس نے بلند آواز میں سلام کرنے کے بعد صفیہ جہاں سے دریافت کیا۔

"ہاں تو بی بی اور کیا کرے یہ بڑھیا ٹانگوں کے درد سے مجبور ہوں تمہاری طرف آ نہیں سکتی کئی دنوں سے چھوٹی کے ساتھ مل بیٹھنے کے لئے دل مچل رہا تھا، اپنی بیماری کی خبر بھجوائی ہے، تب تم سب لوگ آئے ہو، گھر میں دیکھو تو رونق لگ گئی ہے۔" گرینی نے ایک جانب بیٹھی لڑکیوں کو دیکھ کر کہا۔

"دونوں دادیاں مل کر اب دادا جان کے ساتھ گزارے دنوں کو یاد کریں گی۔" سویرا، ربا کے کان میں سرگوشی کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تاکہ کچن کا پھیلاوا سمیٹنے میں ثانیہ کی مدد کر سکے دوپہر کا کھانا تو وہ سب کھا ہی چکے تھے۔

"ماما کہاں ہیں؟" اس نے خوشبو کو مخاطب کیا۔

"نیلم مما تو سمیرا آنی کے کمرے میں آرام کرنے گئی ہیں۔" خوشبو نے بتایا۔

"تم کچن میں جا کر ثانیہ سے کہو تمہیں کھانا نکال دے۔" گرینی کو اس کے کھانے کی فکر ہوئی جبکہ امو جان تنقیدی نظروں سے اس کا یونیفارم دیکھ رہی تھیں۔

"امو جان میں گرینی کی طبیعت کی خرابی کا سن کر گھبرا گئی تھی، اسی لئے یونیفارم بدلنے کا خیال بھی نہیں رہا۔" وہ صفائی میں بولی۔

"ٹھیک ہے پہلے کھانا کھا لو پھر جا کر کپڑے بدل آنا۔" امو جان تسبیح روک کر نرمی سے بولیں تو وہ کچن میں آ گئی۔

"پلیز جلدی سے کھانا نکال دو آج تو میں نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا۔" اس کی دہائی پر ثانیہ جو کھانا گرم کر رہی تھی مسکرا دی۔

"تم کب آئیں؟" اس نے پوچھا۔

"بس کچھ دیر پہلے۔" اس نے ثانیہ کو جواب دیتے ہوئے سویرا کو دیکھا، جس نے کشرڈ کا باؤل ڈائننگ ٹیبل پر رکھا تھا۔

"اوہو یہ اہتمام میرے لئے ہے۔" اس نے ابرو چڑھا کر شرارت سے کہا۔

"زخرف کھانا کھانے آ رہا ہے، تم بھی اس کے ساتھ ہی کھانا کھا لینا میں گیرینی کے روم میں جا رہی ہوں۔" سویرا اس کا موڈ خراب کر کے چلی گئی۔

"ماہی تم کھانا شروع کرو زخرف آتا ہی ہو گا۔" ثانیہ نے شامی کباب اور بریانی کی ڈش ڈائننگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ویٹ کر لیتی ہوں ثانیہ۔" وہ پژمردہ لہجے میں بولی، زخرف کی گھر میں موجودگی کا سن کر اس کے انداز میں تھکن اتر آئی تھی، بے نام سی تھکن۔

"السلام وعلیکم!" وہ بلند آواز میں کہتا ہوا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا، ماہی پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹھک گیا، پھر ایک بھرپور نظر ڈال کر اسے مخاطب کیا۔

"کیا آج پھر نیلم مما نے تمہارا ناپسندیدہ قیمہ بنایا ہے۔" لہجہ بے حد کٹیلا تھا، ماہینہ کا ڈوب مرنے کو دل چاہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ثانیہ اس کی مدد کو آئی۔

"زخرف، گرینی نے امو جان سمیت سب کو بلوایا ہے، عادل چاچو سمیت سب ادھر ہی ڈنر بھی کریں گے، ماہینہ تم کھانا شروع کرو، بھائی کی تو ایسے ہی بولنے کی عادت ہے۔" زخرف اس سے ڈیڑھ سال بڑا تھا کبھی وہ اسے بھائی کہتی تھی تو کبھی نام لے کر پکارتی تھی، ثانیہ نے ماہینہ کی پلیٹ میں شامی کباب ڈالا، جبکہ ماہی نے آنسوؤں کا گولہ بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اتارا تھا، (نجانے اسے مجھ سے کیا دشمنی ہے)۔

"تمہاری نند نے کیا اپنی زبان گروی رکھ دی ہے۔" وہ کھانا شروع کر چکا تھا۔

"پلیز زخرف، ماہی تمہاری بھی کزن ہے، اسے کھانا کھانے دو۔" ثانیہ نے کہا تو وہ کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا، بقیہ وقت وہ ماہینہ کے وجود سے بے نیاز بنا کھانے سے انصاف کرتا رہا، جبکہ ماہی کے حلق میں نوالے پھنس رہے تھے، کھانا ختم کر کے وہ گرینی کے کمرے میں چلا گیا، جبکہ ماہینہ یونیفارم بدلنے کا بہانہ کر کے امینہ ہاؤس آ گئی، یونیفارم بدل کر وہ ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی، ٹی وی دیکھتے دیکھتے جانے کب سے اس کی آنکھ لگ گئی، شنو کی آواز پر اس کی نیند ٹوٹی۔

"ماہی بی بی مغرب کا وقت ہو رہا ہے اب تو اٹھ جائیں۔" وہ کسلمندی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آج تو ظہر اور عصر بھی نکل گئیں۔" وہ بالوں میں کیچر لگاتی ہوئی باتھ روم کی جانب بڑھ گئی، اس کا ہرگز بھی ڈنر کے لئے صفیہ لاج جانے کا ارادہ نہیں تھا، مگر جب بابا نے آفس سے واپس آ کر صفیہ لاج جانے کا قصد کیا تو اسے بھی دھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا، بقول بابا کے۔

''بڑی امی کو برا محسوس ہوگا کہ ماہی گھر پر اکیلی ہے۔'' عادل چاچو پہلے ہی جا چکے تھے، صفیہ لاج کے سٹنگ روم میں اس وقت عادل چاچو کے علاوہ گرینی، امو جان، اظہر چاچو، سمیرا آنٹی اور نیلم مما بھی موجود تھیں، سفیر احمد کے ساتھ ماہینہ کو آتے دیکھ کر نیلم نے ماہی کو گھوری سے نوازا، وہ انہیں شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی، صفیہ جہاں بھی سفیر احمد کو دیکھ کر خوش ہوگئی تھیں۔

''شاہ زر کا کب واپس آنے کا ارادہ ہے۔'' اظہر چاچو کو باتوں کے دوران خیال آیا۔

''ایک سال بعد کا کہہ رہا ہے، تب ہی شادی بھی کر دیں گے، تب تک ثانیہ چاہے تو کوئی کورس کر لے۔'' سفیر احمد نے کولڈ ڈرنک سرو کرتی ثانیہ کو دیکھ کر کہا۔

''بابا جان میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔'' ثانیہ نے ٹھنک کر کہا۔

''میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہے، بہرحال تم جہانگیر بھائی سے پوچھ لو۔'' سفیر احمد نے ریلیکس ہوتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی سے پوچھ لیا ہے، انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن بابا جان نے اجازت نہیں دی۔'' ثانیہ نے منہ بناتے ہوئے زخرف کی بابت کہا۔

''کہاں ہے زخرف بلاؤ اسے، میں بات کرتا ہوں۔'' سفیر احمد نے کہا تو ماہی منظر سے ہٹنے کے لئے کچن میں آ گئی، جہاں سمیرا آنٹی چولہے کے آگے کھڑی تھیں، شنو برتن صاف کر رہی تھی جبکہ سویرا اور خوشبو اٹالین رائس کے لئے سبزیاں کاٹ رہی تھیں، ساتھ میں باتیں بھی چل رہی تھیں، کھانے کے وقت تک شاہ زر اور عدن بھی آ چکے تھے، ان دونوں کو دیکھ کر اظہر چاچو نے سکون کا سانس لیا، وہ دونوں حیدر آباد گئے تھے، شاہ زر کے دوست کی بہن کا ولیمہ تھا، دونوں کافی تھکے ہوئے تھے لیکن امو جان کو دیکھ دونوں کھل اٹھے، بالخصوص عدن کو نیلم سے والہانہ لگاؤ تھا، وہ سال کا تھا وہ جب ماں معمولی سی بیماری میں چل بسی تھیں سو وہ بھی نیلم کی گود میں تو کبھی سمیرا کی گود میں پلا بڑھا تھا، کھانے کی میز پر ماہی نیلم کی برابر کی کرسی پر بیٹھی تھی تاکہ زخرف کی گوہر افشانی سے بچ سکے، مگر کب تک، کھانے کے بعد سارے بزرگ سٹنگ روم میں آ بیٹھے جبکہ ینگ جنریشن نے لاؤنج میں ڈیرا ڈال لیا انہیں کوئی فکر نہیں تھی، بقول شاہ زر ویک اینڈ ہے اور گرینی نے سوچ سمجھ کر طبیعت کو خراب کیا ہے۔

کافی بنانے کی ذمہ داری ماہی نے لے لی تھی، سٹنگ روم میں کافی پہنچا کر وہ کافی سمیت لاؤنج میں آ گئی، سامنے ہی زخرف اپنی تمام وجاہتوں سمیت موجود تھا، سنہری آنکھوں کی چمک ماہی کو دیکھ کر کچھ اور بڑھ گئی تھی، فرداً فرداً سب کو کافی کے مگ پکڑاتی وہ زخرف کے سامنے پہنچی تو وہ بول اٹھا۔

''چینی ڈالی ہے نہ۔'' نظریں اس کے منہ سے چہرے کا طوائف کر رہی تھیں، تیکھی سی ناک میں سفید نگ لشکارے مار رہا تھا۔

''ڈال دی ہے۔'' وہ سویرا کی جانب متوجہ تھی جو خوشبو سے باتوں میں مگن شاہ زر کو دیکھ رہی تھی۔

''میں نے سوچا کہیں دوپہر کا بدلہ لینے کے لئے مجھے بنا چینی کی کافی تو نہیں پکڑا دی۔'' زخرف خوب تسلی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا جبکہ وہ اس کے سامنے سے ہٹنے کے بے چین تھی۔

''میں بدلہ نہیں لیا کرتی۔'' شاید زخرف کچھ اور بھی کہتا لیکن وہ سرعت سے اپنا اور سویرا کا مگ اٹھا کر سویرا کے برابر میں جا بیٹھی جواب ثانیہ کو یونیورسٹی قصہ سنا رہی تھی، ثانیہ نے جس یونیورسٹی

سے پاس آؤٹ کیا تھا، سویرا اسی یونیورسٹی میں آنرز کی اسٹوڈنٹ تھی۔

''تمہاری جاب کا کیا بنا؟'' ماہینہ نے کافی کا سپ لے کر ثانیہ سے پوچھا۔

''تھینک گاڈ کہ بابا جان نے زخرف کو قائل کر لیا ہے۔''

''اب کیا ارادہ ہے کہاں جاب کرو گی۔'' بنا ارادے کے ماہینہ پوچھ بیٹھی۔

''معاذ کے فادر کا میگزین ہے، معاذ نے مجھے جاب کی آفر دی ہے، میں زخرف کی وجہ سے ٹال رہی تھی، اب میں جلد ہی جوائن کر لوں گی، معاذ میرا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔'' ثانیہ نے بتایا تو ماہی نے طویل سانس لیتے ہوئے کافی کا مگ لبوں سے لگا لیا۔

☆☆☆

اس نے سونے کے لئے آنکھیں بند کیں تو برابر کے بیڈ سے سویرا کی سرگوشی سنائی دی۔

''جاگ رہی ہو؟''

''ہونہہ، کہو کیا بات ہے۔'' اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''تم نے زخرف کی آنکھیں دیکھی ہیں؟'' سویرا کی بات سن کر وہ اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''رات کے اس پہر تم کوئی اچھی بات نہیں کر سکتیں، جسے سننے کے بعد مجھے اچھی نیند آئے اور خواب بھی اچھے آئیں۔'' زخرف کا نام سن کر اس کے منہ کا زاویہ بگڑ گیا تھا۔

''اچھی بات کرنے ہی جا رہی ہوں۔'' سویرا ابھی اٹھ بیٹھی۔

''زخرف تمہیں پسند کرتا ہے۔'' سویرا کی بات سن کر اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے یہ کیا اناپ شناپ بک رہی ہو، تمہیں معلوم ہے تم کس کے متعلق بات کر رہی ہو، زخرف جہانگیر کے بارے میں، وہ زخرف جہانگیر جو مجھ سے اللہ واسطے کا بیر رکھتا ہے یاد ہے نہ تمہیں ایک دفعہ اس نے مجھے کہا تھا کہ ماہینہ سفیر مجھے اپنی صورت مت دکھایا کرو، میرے سامنے نہ آنے کا کیا لوگی، میں کتنا ہرٹ ہوئی تھی، اس کی بات سن کر کتنا روئی تھی، بیمار تک ہوگئی تھی اور تم کہہ رہی ہو کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔'' ماہینہ کے تلووں سے لگی تھی اور سر پر جا کر بجھی تھی۔

''آج گرینی کے گھر پر جب تم کافی بنا کر لائی تھیں تو اس وقت میں نے شاہ زر کو خوشبو سے یہ بات کہتے سنا تھا، شاہ زر کہہ رہا تھا۔''

''مجھے یقین ہے کہ زخرف ماہی میں انسٹرسٹڈ ہے، ماہی جب اس کے سامنے آتی ہے تو اس کی آنکھوں کی چمک کس قدر بڑھ جاتی ہے، مگر زخرف یہ بات مانے گا نہیں، تب میں نے بھی دیکھا کہ واقعی جب تم اس کے سامنے آتی ہو تو اس کی سنہری آنکھیں جگر جگر کرنے لگتیں ہیں۔'' سویرا مسکراتی رہی جبکہ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے، اس نے اگر زخرف سے محبت نہیں کی تھی نہ اسے ناپسند بھی نہیں کرتی تھی، البتہ اس کا ہتک آمیز رویہ اس کے لئے تکلیف دہ تھا، ایسے میں سویرا کی گوہر افشانی سن کر اس کی نیند کوسوں دور بھاگ گئی تھی، وہ سویرا کی بات پر یقین کرنے کے لئے، ہرگز آمادہ نہیں تھی۔

''سویرا میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتی کیونکہ میں جانتی ہوں وہ شخص جو ہمارے دادا کا پوتا ہے، وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے اس کا جواب اسے ہی معلوم ہوگا، پلیز آئندہ نے ایسی کوئی بات کر کے مجھے ڈسٹرب مت کرنا پہلے ہی وہ شخص مجھے اپنی آزمائش لگتا ہے۔'' وہ روہانسی ہوئی تھی۔

''ماہی تم اسے.....'' سویرا نے کہنا چاہا۔

''پلیز سویرا مجھے اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنی مجھے سونے دو۔'' اس نے ٹیبل سر تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تان لیا سویرا نے بھی خاموشی میں عافیت جانی، البتہ وہ اداس ہوگئی تھی۔

☆☆☆

کرسمس کی چھٹیوں میں بالکل غیر متوقع طور پر شاہ ریز کی آمد نے امینہ ہاؤس میں رونق لگا دی، امینہ بیگم اسے دیکھ کر پھولے نہیں سما رہی تھیں، وہ ان کا بڑا پوتا تھا، نیلم کچن میں طرح طرح کے من پسند پکوان بنا رہی تھیں، جبکہ ماہی اس کے کندھے سے لگی بیٹھی تھی۔

''بھائی ریلی میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی۔'' ماہی نے اس کے کندھے سے اپنا گال رگڑا تو اس نے مسکراتے ہوئے ماہی کا سر تھپکا، اپنی یہ پاگل سی بہن اسے انگلینڈ میں بھی بہت یاد آئی تھی، بلکہ اسے تو سب ہی یاد آتے تھے، سنہری آنکھوں والی ثانیہ جسے وہ جانے سے پہلے اپنا پابند کر گیا تھا وہ بھی اسے بھولی نہ تھی، ایم بی اے کے بعد اسے وہاں ایک بہت اچھی کمپنی میں جاب مل گئی تھی، بابا جان کا بھی لندن میں بزنس تھا، جاب کے ساتھ ساتھ اس نے بزنس کی دیکھ بھال اپنے ذمے لے لی تھی۔

''سویرا کب تک آئے گی اور ہادی۔'' اس نے کزنز کے بارے میں استفسار کیا۔

''سویرا کا ٹیسٹ ہے وہ اپنے ٹائم پر ہی آئے گی، جبکہ ہادی اسکول ٹرپ پر گیا ہے، رات تک آئے گا۔'' ماہی نے تفصیل سے بتایا۔

''امو جان جب تک لنچ تیار ہوتا ہے میں بابا جان اور چاچو سے ان کے آفس میں جا کر مل لیتا ہوں۔'' اس نے دادی سے کہا۔

''شاہ ریز! اپنی گرینی سے ملنے کب جاؤ گے۔'' انہیں صفیہ جہاں کا خیال آیا۔

''گرینی سے ملنے میں شام کو جاؤں گا، تاکہ ڈیڈی بھی گھر پر موجود ہوں، ایک وقت میں سب سے ملاقات ہو جائے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا، جانے سے پہلے اس نے مما کو اللہ حافظ کہا اور پھر باہر نکل آیا، شاہ ریز کے جانے کے بعد ماہی کچن میں آئی تاکہ مما کا ہاتھ بٹا سکے حالانکہ شنو تو تھی ہی۔

''مما ایک بات پوچھوں؟'' اس نے پلاؤ کے لئے چاول چنتے ہوئے نیلم کو مخاطب کیا۔

''ہونہہ کہو کیا بات ہے؟'' نیلم مصروف سے انداز میں بولیں، وہ قیمے میں مصالحے ملا رہی تھیں، شاہ ریز کو کچے قیمے کے کباب بہت پسند تھے۔

''دادا جان نے دو شادیاں کیوں کی تھیں؟'' اس نے جھجک کر پوچھا، اس کے سوال پر نیلم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''بڑی امی سے ان کی شادی کے پانچ سال بعد بھی جب اولاد نہ ہوئی تو بڑی امی نے اپنی چچازاد بہن سے تمہارے دادا جان کی شادی کروا دی حسن اتفاق کہ پہلے تمہاری گرینی کی گود میں جہانگیر بھائی آئے اور ایک ماہ بعد امو جان کے ہاں تمہارے بابا کی پیدائش ہوئی، خدا کی قدرت ہے کہ تمہارے عادل چاچو اور اظہر چاچو میں بھی دو ماہ کا فرق ہے، سوتن ہونے کے باوجود دونوں خواتین کی محبت میں کمی نہیں آئی، شوہر کی زندگی میں بھی دونوں کی محبت کا یہ ہی عالم تھا، پھر تمہارے دادا نے بھی اپنی زندگی ہی میں دونوں بیویوں کے لئے برابر برابر میں گھر بنوا دیئے تاکہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو اور محبت بھی قائم رہے، اسی طرح جائیداد بھی اپنی زندگی ہی میں چاروں بیٹوں میں مساوی تقسیم کر دی، سو یہ محبتیں اب تک قائم ہیں، بلکہ شاہ ریز اور ثانیہ کی منگنی کر کے ہم نے اس رشتے کو مزید مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ اس محبت کو سدا قائم رکھے، لیکن یہ آج تمہیں کیا سوجھی۔''

''میں اکثر سوچتی تھی پر کبھی پوچھا نہیں، کتنا مشکل ہے بٹوارا، اپنا شوہر برابری کی بنیاد پر کسی دوسری عورت کے ساتھ شیئر کرنا۔'' اس نے اپنا

خیال ظاہر کیا۔

''ہاں یہ بات تو ہے، لیکن پرانے زمانے میں عورتوں کا ظرف بڑا ہوتا تھا، سو زیادہ مشکل پیش نہیں آئی تھی۔'' نیلم نے بغور اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھا کتنی بڑی بڑی لگنے لگی تھی۔

''مما چاول بھگو دوں۔'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں بھگو دو پلاؤ کی یخنی بھی تیار ہے، شاہ ریز بھی آدھے گھنٹے تک آ جائے گا۔'' نیلم نے کہا شاہ ریز اپنے ساتھ بابا جان اور عادل چاچو کو بھی لنچ کے لئے لے آیا، کھانے سے کچھ دیر پہلے سویرا بھی آ گئی، سب نے خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا، کھانے کے بعد شاہ ریز اپنے کمرے میں آرام کرنے چلا گیا، بابا جان کی ایک ہوٹل میں میٹنگ تھی وہ اسے اٹینڈ کرنے چلے گئے، عادل چاچو پہلے ہی سائٹ پر جانے کے لئے نکل چکے تھے، سویرا اور ماہی کچن سمیٹنے لگیں، شام تک ہادی بھی واپس آ گیا، ہادی جب آیا تو شاہ ریز صفیہ لاج گیا ہوا تھا، رات پھیل چکی تھی، آسمان پر جا بجا ستارے ٹمٹما رہے تھے، وہ تینوں لان میں بیٹھے شاہ ریز کے منتظر تھے، جو اب تک صفیہ لاج سے لوٹا نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے ثانیہ آپی نے روک لیا ہوگا کہ تم سے ملنے کو دل کرتا ہے اسے بابا تم سے ملنے کو دل کرتا ہے۔'' ہادی لہک لہک کر گا رہا تھا، ماہی نے اسے آنکھیں نکال کر گھورا جبکہ سویرا ہنسنے لگی۔

''ایسا کرو سویرا تم بھائی کو بلا لاؤ۔'' ماہی نے مشورہ دیا۔

''میں کیوں، تم چلی جاؤ نہ اگر انتظار نہیں ہو پا رہا۔'' سویرا نے بے نیازی کا ریکارڈ قائم کیا، تب ہی نیلم نے ٹیرس پر سے آواز لگائی۔

''ماہی شاہ ریز کو گرینی کے گھر سے بلا لاؤ اس کے کسی دوست کا فون ہے۔'' وہ ماہی کو حکمیہ کہتی ہوئی واپس اندر چلی گئیں۔

''سویرا پلیز تم چلی جاؤ نا۔'' اس نے ملتجیانہ لہجہ اختیار کیا، سویرا اس کا گریز سمجھ چکی تھی، مگر وہ اپنے نام کی ایک ہی تھی بدک کر بولی۔

''میں کیوں جاؤں نیلم مما نے تمہیں کہا ہے اور پھر میں پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' اس نے چہرے پر تھکن کے آثار پیدا کیے، بادل نخواستہ ماہینہ درمیانی دروازہ عبور کر کے صفیہ لاج میں آ گئی، لان میں سناٹا طاری تھا، البتہ مرکزی لائٹس روشن تھیں، بھاری دروازہ دھکیل کر وہ لاؤنج میں داخل ہوئی، یہاں بھی سناٹا تھا، جانے سب کہاں گئے، وہ آگے بڑھنے لگی پھر ٹھٹک گئی، ایزی چیئر کی بیک سے ٹیک لگائے ہوئے وہ زخرف ہی تھا، آنکھیں موندے شاید وہ ستا رہا تھا، سامنے میز پر اس کا لیپ ٹاپ رکھا تھا، آنکھوں کے پردے پر کوئی سوچ لہرائی تھی، کہ ایک پل کو اس کے عنابی لب مسکرائے تھے، ماہینہ بے سبب اسے دیکھے گئی، جانے کس جذبے سے اس کے قدموں کو جکڑ لیا تھا، یا آج وہ اس طرح خاموش بیٹھا وہ بہت اچھا لگ رہا تھا، ماہی کی نظریں اس کی پلکوں پر اٹک گئیں۔

''کس قدر گھنی پلکیں ہیں، اس شخص کی۔''

تب ہی شاید اسے کچھ انوکھا احساس ہوا تھا، اس نے ایکدم آنکھیں کھول دیں کچھ فاصلے پر کھڑی ماہی کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

''وہ میں شاہ ریز کو بلانے آئی تھی۔'' وہ گڑبڑا گئی۔

''وہ یہاں نہیں ہے جاؤ یہاں سے، تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی، کتنی دفعہ کہا ہے، میرے سامنے مت آیا کرو نکلو یہاں سے۔'' اس کے ہر لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔

''شاہ ریز کو دیکھ کر وہ آج کتنی خوش تھی، زخرف نے ساری خوشی ملیامیٹ کر دی تھی، کیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا ہے وہ اس طرح۔'' اس قدر اہانت پر اس کی پلکیں بھیگ گئیں وہ دوڑتی ہوئی واپس چلی گئی۔

یہی نہیں کہ ہمیں توڑ کر گیا ہے کوئی اسے بھی خود کو بہت دیر جوڑنا ہو گا

زخرف ہونٹ بھینچے اس وقت تک اسے دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی، صد شکر کہ سویرا اور ہادی اندر جا چکے تھے، وگرنہ ہادی تو ضرور سب کو بتاتا کہ ماہی صفیہ لاج سے روتی ہوئی واپس آئی ہے، وہ پچھلے دروازے سے اپنے کمرے میں آ گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی، شاہ ریز کب واپس آیا اسے پتا نہ چلا۔

☆☆☆

پورے چاند کی چاندنی میں سوئمنگ پول کا پانی چمک رہا تھا، صفیہ لاج کے پچھلے لان میں بنے سوئمنگ پول کے پاس کرسیاں ڈالے زخرف اور شاہ زر بیٹھے چاندنی رات کا لطف لے رہے تھے، نزدیک ہی ٹیبل پر کافی کے خالی برتن رکھے ہوئے تھے۔

''آخر تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تمہیں اس سے محبت ہے، ناحق تم نے خود کو مسلسل اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔'' شاہ زر آج پھر ڈٹ گیا تھا۔

''پا کر پھر سے کھو دینے کی اذیت سے یہ اذیت بہتر ہے، میں اس سے محبت نہیں کرتا، بلکہ میں کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتا، کیونکہ محبت سراسر خسارے کا سودا ہے اور میں عادل چاچو کی طرح باہمت نہیں ہوں کہ عمر بھر اپنی محبت کی لاش کندھے پر اٹھا کر جی سکوں۔'' اس کے لہجے میں درد رچا تھا۔

''تم کیوں خود کو عادل چاچو سے کمپیئر کرتے ہو، ان کا معاملہ دوسرا تھا، تم جانتے ہو ناں کہ عادل چاچو نے جسے چاہا جسے اپنایا، اس کا تعلق شریفوں کے خاندان سے نہیں تھا، عادل چاچو سے شادی بھی اس نے دولت کی وجہ سے کی تھی، جب مطلب نکل گیا تو پھر سے اپنی دنیا میں لوٹ گئی، بچوں کو چھوڑ کر، البتہ سویرا کو تو اس نے لے جانے چاہا تھا پر عادل چاچو نے نوٹوں سے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔'' شاہ زر کے لہجے میں اس عورت کے لئے زہر تھا جس نے سویرا اور ہادی کو جنم دیا تھا۔

''محبت م سے ہے مرگ ح سے حادثہ بھی ہے، سو میں اس عذاب کو عمر بھر بھگتنا نہیں چاہتا، میں اس حال میں خوش ہوں، تم کوئی اور بات کرو۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو ہمیشہ کی طرح اپنی محنت اکارت جانے پر شاہ زر نے ایک طویل سانس لیا تھا۔

☆☆☆

''ہاں تو ثانیہ سے ملاقات ہو گئی۔'' امینہ ہاؤس کے ٹیرس پر عادل اور شاہ ریز بیٹھے تھے، چاندنی نے ٹیرس کے اس حصے کو روشن کر رکھا تھا، عادل چاچو کے استفسار پر وہ مسکرا دیا۔

''ملاقات تو ہو گئی پر چاچو جانے کیوں مجھے بعض اوقات وہم ستانے لگتے ہیں، کہ کہیں میرے ساتھ بھی آپ کی طرح نہ ہو، پا کر پھر سے کھو دینا بہت دکھ دے گا۔'' وہ کہیں اور پہنچ گیا۔

''واٹ ربش فضول باتیں کیوں سوچتے ہو تم، ثانیہ کوئی غیر نہیں ہمارا اپنا خون ہے اور ہمارے خون سے ایسی گراوٹ کی امید بے وقوفی ہے سمجھے، پھر تم نے میری طرح اپنے والدین کا دل دکھایا ہے، امو جان نے اپنی خوشی سے ثانیہ اور تمہارا رشتہ طے کیا ہے، جبکہ میں نے اس عورت کا حاصل کرنے کے لئے اپنی ماں کا دل دکھایا تھا، تم اپنا میرے ساتھ موازنا نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔'' عادل نے اسے لتاڑا البتہ اس ذکر پر ان کی آنکھوں میں سرخی تیر گئی تھی۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں اس کے لئے اتنا

خاص نہیں ہوں جتنی وہ میرے نزدیک اہم ہے۔'' اس نے اپنے خدشے کو زبان دی۔

''میں نے تو ایسا کچھ محسوس نہیں کیا، یہ تمہاری غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' سویرا اور ماہی کو ٹیرس پر آتے دیکھ کر شاہ ریز نے موضوع بدل دیا۔

''گرینی اب اپنے لاڈلے کا بھی بندوبست کریں، بہت آزاد گھوم لیا اس نے۔'' شاہ زر آج اسے چاروں جانب سے گھیر رہا تھا۔

''میں تو خود یہی چاہتی ہوں، کیا خیال ہے سمیرا۔'' گرینی نے بہو کی جانب رخ کیا۔

''جی اماں! میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ گھر میں بہو آ جائے، پر یہ اپنی پسند بتائے بھی تو۔'' سمیرا اپنی نگرانی میں ملازمہ سے گرینی کے کمرے کے پردے بدلوا رہی تھیں۔

''آنٹی! یہ اپنا زخرف جو ہے اس کی کوئی پسند ہے، یہ آپ کی پسند سے شادی نہیں کرے گا۔'' شاہ زر نے مسکرا کر انکشاف کیا۔

''جسٹ شٹ اپ بہت بولنے لگے ہو تم۔'' زخرف نے دانت پیس کر کہا، اس کا بس نہیں چل رہا ورنہ شاہ زر کو کچا چبا جاتا۔

''زخرف تم اپنی پسند کی لڑکی کا نام بتا دو، میں اسے بہو بنا کر لے آؤں گی، میں چاہتی ہوں کہ ثانیہ کے رخصت ہونے سے پہلے گھر میں بہو آ جائے۔'' سمیرا نے دلار سے کہا، جبکہ شاہ زر نے ہنسی بڑی مشکل سے ضبط کی تھی، زخرف نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''نو مام مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ہے۔''

''بھائی پلیز میری ان سہیلیوں پر رحم کرو جو تمہارے رشتے کے انتظار میں ہر آنے والے رشتے سے انکار کر رہی ہیں۔'' ثانیہ جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور زخرف کا آخری فقرہ سن چکی تھی، شوخی سے بولی، زخرف نے اس کی بات سن کر ہونٹ بھینچ لئے جبکہ شاہ زر دلچسپی سے بولا۔

''ذرا نام تو بتاؤ اپنی ان سہیلیوں کے۔''

اس سے پہلے کہ ثانیہ شروع ہوتی زخرف نے شاہ زر کا بازو دبوچا اور کمرے سے باہر نکل آیا، شاہ زر ارے ارے کرتا رہ گیا۔

''بہت بکواس کرنے لگے ہو تم۔'' وہ دونوں گھر کے مین گیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' شاہ زر نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

''کچھ دیر واک کریں گے، مجھے سگریٹ کا پیکٹ بھی لینا ہے۔'' اس نے دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں پھنسائے، شام ڈھل رہی تھی اکا دکا اسٹریٹ لائٹس بھی روشن ہو چکی تھیں، ہوا سبک خرامی سے چل رہی تھی، دونوں ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

''کام کیسا چل رہا ہے؟'' زخرف نے شاہ زر سے پوچھا، وہ ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کرنے کے بعد ایک نجی چینل پر جاب کر رہا تھا، حالانکہ اسے اپنی پاپا کی ناراضگی کا سامنا بھی تھا، اظہر احمد چاہتے تھے کہ وہ ان کا بزنس سنبھالے مگر اس کے بقول بلڈنگز بنانا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔

''کام تو ٹھیک ٹھاک چل رہا ہ، اس دن تیری ملاقات میرے آفس میں سامعہ بٹ سے ہوئی تھی، وہی کالی آنکھوں والی حسینہ جو انچارج پروگرام ہے، وہ آج تیرا پوچھ رہی تھی، کہہ رہی تھی شاہ زی بہت دن ہوئے تمہارا وہ کزن نہیں آیا گولڈن آئیز والا۔'' شاہ زر نے سامعہ بٹ کی نقل اتاری۔

''تمہارے پاس سوائے لڑکیوں کے کوئی اور ٹاپک نہیں ہے۔'' زخرف پہلے ہی تپا ہوا تھا۔

''اب کیا کروں یار لڑکیاں خود ہی یہ موقع فراہم کرتی ہیں، اب ان دو لڑکیوں کو ہی دیکھ لو جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے سے خراماں خراماں چلی آ رہی ہیں، انہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ ان میں سے ایک نے کسی کے دل کا قرار لوٹ لیا ہے، وہ موصوف اسموکنگ تک کرنے لگے ہیں۔'' اس کا اشارہ زخرف کی جانب تھا، زخرف نے سامنے دیکھا تو کچھ فاصلے پر ماہینہ اور سویرا چہل قدمی کرتی ہوئی گھر کی جانب واپس آ رہی تھیں۔

''یہ باہر گھومنے کا کون سا وقت ہے۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا وہ دونوں نزدیک آ چکی تھیں، فاصلہ گھٹ گیا تھا۔

''سواری کہاں سے آ رہی ہے۔'' شاہ زر نے انہیں مخاطب کیا۔

''ہم دونوں انکل رحیم کے پارلر تک گئے تھے آئسکریم کھانے کے لئے۔'' جواب سویرا نے دیا تھا جبکہ ماہینہ کے چہرے کے زاویے زخرف کو دیکھ کر بگڑ گئے تھے، اکھڑے اکھڑے تاثرات لئے وہ گلے میں اٹکے اسکارف سے کھیل رہی تھی۔

''ایسا ہے کہ ماہی کو عادتاً ڈپریشن ہو رہا تھا، سو میں نے آئسکریم تجویز کی اب مزاج کافی بہتر ہے، آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں۔'' سویرا نے زخرف کو مخاطب کیا۔

''بس یونہی واک کے لئے نکلے تھے۔'' زخرف نے جواب دیا، اس کی نگاہیں ماہی کے چہرے بھٹک رہی تھیں، جو سڑک کو گھور رہی تھی۔

''سویرا چلو اب اندھیرا ہو رہا ہے، مما ڈانٹیں گی۔'' اس نے سویرا سے کہا اور سائیڈ سے ہو کر آگے بڑھ گئی، زخرف کو لگا کہ اس کا دل منوں بوجھ تلے دبتا چلا گیا ہو، سویرا ان کو ''بائے'' کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

وہ دونوں آدھے گھنٹے کے بعد واپس آئے تو شاہ ریز صفیہ لاج میں موجود تھا، تین دن بعد وہ واپس جا رہا تھا اس لئے کل اس نے جانے سے پہلے فارم ہاؤس پر پکنک کا پروگرام بنایا تھا، اس وقت وہ ان سب کو یہی بتانے آیا تھا کہ وہ لوگ تیار رہیں، صبح سویرے نکلنا ہے، شاہ ریز کافی دیر بیٹھا رہا، جب وہ واپس آنے لگا تو اسے لگا کہ ثانیہ کچھ کہنا چاہتی ہے، پر کہا نہیں، وہ اسے درمیانی گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی، شاہ ریز کچھ دیر تک الجھا اور پھر بھول گیا۔

صبح سویرے دونوں گھروں میں افراتفری کا عالم تھا، نیو جنریشن تو شاہ ریز سے لے کر ہادی تک سب ہی چار ہے تھے البتہ بڑوں میں صرف نیلم ہی جا رہی تھیں جبکہ ملازمین میں امینہ ہاؤس کو شنو اور صفیہ لاج کی شمو اور فضل دین جو سفیر احمد کا ڈرائیور تھا وہ بھی جا رہا تھا، شنو اور شمو دونوں بہنیں تھیں، زخرف کی لینڈ کروز میں وہ سب جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے، ثانیہ، ماہینہ، سویرا اور ربا، خوشبو پچھلی نشستوں پر بیٹھی تھیں، ربا، خوشبو دراصل صفیہ جہاں کی بہن کی پوتیاں تھیں، دونوں جڑواں تھیں پیدائشی پران کی ماں چل بسی تھی، پھر دادی نے پرورش کی باپ تو دوبئی میں حصول رزق کے لئے مصروف تھا، دونوں دس سال کی ہوئیں تو دادی بھی قضائے الٰہی سے جل بسیں، تب صفیہ جہاں انہیں اپنے ساتھ لے آئیں، وہ دونوں بھی باقی بچوں کی طرح انہیں گرینی کہنے لگیں تھیں، گاڑی روانگی کے لئے تیار تھی بس زخرف کا انتظار تھا جو اب تک اندر سے برآمد نہیں ہوا تھا۔

''ثانی! ذرا اندر جا کر دیکھو وہ اب تک کیا کر رہا ہے۔'' شاہ زر نے جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا، ثانیہ سے کہا اسی وقت شاہ ریز جو گاڑی سے باہر کھڑا تھا، جھک کر کھڑکی سے ہاتھ ڈال کر ہارن پر ہاتھ رکھ دیا، ثانیہ جو گاڑی سے اترنے لگی تھی رک گئی کیونکہ سامنے سے زخرف آتا دکھائی دیا تھا، ڈارک بلیو جینز پر ریڈ کلر کی ٹی شرٹ پہنے، چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹیں لئے بے حد نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا، وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

''گڈ مارننگ کزنز۔'' اس نے مڑ کر ان سب کو صبح کا سلام کیا اور چابی اگنیشن میں لگا دی۔

''چلیں اب؟'' اس نے شاہ زر سے پوچھا تو شاہ زر نے کھڑکی سے منہ نکال کر شاہ ریز سے عندیہ لینا چاہا جو اپنی پجارو کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا، نیلم اور ہادی اس کی پجارو میں بیٹھے تھے، عدن بھی ان کی ساتھ ہی تھا اور کھانے کا سامان فضل دین کی گاڑی میں رکھا تھا، شنو، شمو بھی اسی گاڑی میں بیٹھی تھیں، ماہینہ بھی شاہ ریز کی پجارو میں بیٹھنا چاہتی تھی پر شاہ زر نے اسے لینڈ کروزر میں گھسیٹ لیا تھا، نجانے کیوں وہ زخرف کے ضبط کو آزما رہا تھا، تینوں گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئی تھیں، سفر شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سویرا کو بھوک نے ستانا شروع کر دیا تھا، اس کی دہائی پر ثانیہ نے پاس رکھے بیگ میں سے چپس کا پیکٹ نکال کر اسے پکڑایا، ماہینہ اپنے موبائل پر ایف ایم سن رہی تھی، کچھ دیر بعد شاہ زر نے اپنا گٹار دھیمے سروں میں بجانا شروع کیا تو اس کا ساتھ دینے کے لئے ثانیہ اور سویرا ایک آواز میں گانا گانے لگی تھیں، دوپہر کو وہ سب فارم ہاؤس پہنچے تو جاتے ہی شنو اور شمو دسترخوان لگانے میں جت گئیں، ثانیہ، خوشبو، سویرا بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگیں، ربا اور عدن اپنا اپنا پانی تھری ایک دوسرے سے تبدیل کرنے لگے، جبکہ ماہی نے جوتے اتار کر ایک سائیڈ پر رکھے، فروٹ باسکٹ سے ایک سیب نکالا اور اسے نفاست سے کترتے ہوئے گھاس پر چلنے لگی، کچھ دیر بعد ہی اسے شاہ ریز نے اسے پکارا۔

''ماہی پیروں میں جوتے پہن لو، زمین گرم ہو گی۔''

''نہیں بھائی ٹھیک ہے، اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے مڑ کر شاہ ریز کو دیکھا اور پھر سے نفل کرنے لگی زخرف کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں جسے سنہری دھوپ نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا، جبکہ شاہ زر مسکراتے ہوئے زخرف کو دیکھ رہا تھا، وہ تینوں ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے، شاہ زر کو مسکراتا دیکھ کر اس نے نظریں چرا لیں، سویرا نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ سب اندر آ گئے۔

''نیلم مما بریانی تو بہت مزے کی بنائی ہے آپ نے۔'' عدن نے دوبارہ سے پلیٹ بھرتے ہوئے کہا، نیلم مسکرا دیں، لنچ کا انتظام وہ گھر سے کر کے چلیں تھیں، البتہ رات کا کھانا شنو، شمو ادھر ہی بنانے والی تھیں۔

''شاہ ریز، زخرف یہ کباب ٹرائی کرو۔'' انہوں نے کباب کی ڈش آگے بڑھائی جسے زخرف نے تھام لیا، کھانے کے بعد پھل کھائے گئے، دسترخوان اٹھوانے کے بعد نیلم آرام کرنے چلی گئیں جبکہ وہ سب دو ٹیمیں بنا کر کرکٹ کھیلنے لگے، شاہ ریز کی ٹیم میں ماہینہ، ثانیہ اور عدن، خوشبو شامل جبکہ شاہ زر، ہادی، ربا اور سویرا، زخرف کی قیادت میں کھیل رہے تھے، تین تین اوورز کے اس میچ کے درمیانی وقفے میں شنو اور شمو نے کھلاڑیوں کی تواضع چائے اور اسنیکس سے کی تھی، میچ بنا کسی نتیجے کے اختتام پذیر ہوا تھا، شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا، نیلم بھی آرام کرنے کے بعد وہاں آ بیٹھی تھیں، میچ کے بعد پھر سے کولڈ ڈرنک اور چپس کا دور چلا تھا، ساری لڑکیاں نیلم کے گرد آ بیٹھی تھیں، لڑکے ٹہلتے ہوئے آگے نکل گئے، اصل مقصد یہ تھا کہ شاہ ریز اور زخرف کو سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔

''اب تم دونوں بھی کوئی کارنامہ کر ہی ڈالو۔'' شاہ ریز نے اپنے ہم عمر شاہ زر اور زخرف کو بیک وقت مخاطب کیا، زخرف پر برا وقت آیا تھا جو آج کل سب کو ایک ہی موضوع سوجھ رہا تھا۔

''مجھے ابھی فیوچر بنانا ہے فل ٹائم جاب کو دوں گا، البتہ زخرف کیوں دیر کر رہا ہے یہ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی پتا ہوگا۔'' شاہ زر نے۔

''میرا ابھی ابھی شادی کا ارادہ نہیں ہے، جب ذہن بنے گا، تب دیکھی جائے گی۔'' اس نے ایک سگریٹ سلگا کر شاہ ریز کو تھمایا اور دوسرا اپنے لئے سلگانے لگا۔

''کوئی اور اسٹوری تو نہیں ہے۔'' شاہ ریز نے معنی خیزی سے دریافت کیا۔

''اوہ نو میں اسٹوری بنانے سے ہی گھبراتا ہوں، جانے کلائمکس کیسا ہو۔'' اس کے وجیہہ چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ تھی۔

''ہیرو جب آپ کی طرح اینگری ینگ مین ہوگا تو کلائمکس اچھا ہی ہوگا، یو نو آج کل کی لڑکیاں بات بات پر ڈنک مارنے والے لڑکوں کو زیادہ لائک کرتی ہیں۔'' عدن نے بیچ میں کود کر اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا تو شاہ ریز اور شاہ زر کا بے ساختہ قہقہہ فضا میں گونجا تھا البتہ زخرف نے اسے گھورنے پر اکتفا کیا تھا، رات کے کھانے کے بعد ان سب نے پھر سے تاروں کی چھاؤں میں محفل سجائی تھی، چڑھتا ہوا چاند بھی ان کی خرمستیوں پر مسکرایا تھا۔

مل بھی جاتے ہیں تو کترا کے گزر جاتے ہیں
ہائے موسم کی طرح دوست بدل جاتے ہیں

شاہ زر نے ابتداء کی تو پھر سب ہی شروع ہوگئے۔

نیند سے خواب میں اتر جائے
آدمی خامشی سے مر جائے
اک طرف آگ اک طرف پانی
آدمی جائے تو کدھر جائے

سویرا نے اپنے مخصوص انداز میں قطعہ پڑھا تو ماہی کیسے پیچھے رہتی۔

کبھی نہ ٹوٹنے والی حصار بن جاؤں
وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے

ابھی مصروف ہو کافی کبھی فرصت میں سوچوں گا
کہ تجھ کو یاد رکھنے میں، میں کیا کیا بھول جاتا ہوں

زخرف کی آواز پر ماہی نے نظر اٹھا کر دیکھا، وہ کسی غیر مرئی نقطے کو کھوج رہا تھا، رات وہ سب کافی دیر سے سونے کے لئے لیٹے تھے، حالانکہ علی الصبح بیدار ہونا تھا، کیونکہ سب لڑکے رائیڈنگ کا پروگرام بنا چکے تھے، ماہی کو لیٹنے کے بعد بھی کافی دیر تک نیند نہیں آئی، گھڑ سواری سے اسے ڈر لگتا تھا، سو جب اسے نیند آنے لگی تو اس نے برابر میں سوئی ہوئی سویرا کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' سویرا نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''صبح مجھے مت اٹھانا میں رائیڈنگ کے لئے نہیں جاؤں گی۔'' اس نے کمبل تانتے ہوئے کہا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم، اتنا اچھا خواب دیکھ رہی تھی میں۔'' سویرا نے رکھائی سے کہتے ہوئے پھر سے آنکھیں موندلیں، ماہی کی صبح کافی دیر سے ہوئی تھی، وہ منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارتی ہوئی کمرے سے باہر آئی تو سناٹے نے استقبال کیا، غالباً وہ سب جا چکے تھے، وہ کچن کی جانب جاتے جاتے رکی تھی، ٹی وی کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔

''ٹی وی کون دیکھ رہا ہے۔'' وہ ٹی وی لاؤنج میں آئی تو دروازے میں ہی اسے رکنا پڑا، آرام دہ صوفے پر زخرف نیم دراز تھا اور ہاتھ میرے پکڑے ریموٹ کنٹرول سے چینل سرچ کر رہا تھا اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھیں، اندر جانے کا ارادہ موقوف کرکے وہ پلٹ گئی، فارم ہاؤس آنے کے بعد نہ تو زخرف نے کوئی دل جلانے والی بات کی تھی، نہ ہی ماہینہ نے اسے مخاطب کرنے کی غلطی کی تھی، کمرے کے اندر جا کر تنہائی میں وہ اسے یہ موقع فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی، اپنی پلکنگ کا مزا کرکرا کرنے کا اسے شوق نہیں تھا، وہ کچن داخل ہوئی تو وہاں شمو کے علاوہ خوشبو بھی موجود تھی۔

''خوشبو! ناشتہ ملے گا؟'' وہ ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں ضرور، تم بہت دیر سے اٹھیں۔'' خوشبو نے فلاسک اور مگ کے علاوہ ناشتے کے مزید لوازمات رکھتے ہوئے پوچھا۔

''یار مجھے گھڑ سواری سے بہت خوف آتا ہے تم تو جانتی ہو، مما کہاں ہیں؟ اور تم کیوں نہیں گئیں۔'' اسے خیال آیا تو سوال پر سوال کر بیٹھی۔

''نیلم مما سامان اکٹھا کروا رہی ہیں، ہمیں شام کو واپسی کے لئے نکلنا ہے اور میں اس لئے نہیں گئی کہ مجھے صبح کے وقت بہت میٹھی نیند آرہی تھی۔'' اس نے ہنس کر وضاحت کی۔

''اور زخرف..... وہ کیوں نہیں گیا؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا، جانتی تھی زخرف کی رائیڈنگ کا کریز ہے۔

''ایکچولی اس کی طبیعت خراب ہے، ٹمپریچر ہو رہا ہے اس لئے وہ نہیں گیا۔'' خوشبو نے مسکرا کہا۔

خوشبو کے دل و ذہن کو کسی خوبصورت خیال نے چھوا تھا، سو وہ ایک ٹک ماہی کو دیکھے گئی جو حلوہ پوری کا ناشتہ ختم کر چکی تھی اور اب چائے پی رہی تھی۔

''خوشبو! لان میں چلیں، امرود کے درختوں پر تم نے دیکھا کیسے گول گول امرود لگے ہیں، ہم چل کر درخت سے امرود توڑیں۔'' وہ اشتیاق سے بولی، تو سالن میں چمچہ گھماتی شمو نے بھی اسے مسکرا کر دیکھا۔

''او کے شمو تم بھی اپنا کام کرکے لان میں آؤ، سلاد میں بنا لوں گی۔'' خوشبو شمو کو ہدایت دے کر ماہینہ کے ساتھ ہو لی، وہ دونوں لان میں آئیں تو سوئمنگ پول سے کچھ فاصلے پر سنگی بنچ پر زخرف براجمان تھا اس کی نظریں ہاتھوں میں تھامی کتاب پر تھیں، آہٹ پر اس نے گردن گھما کر ان دونوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر سے کتاب کی جانب متوجہ ہوگیا، جبکہ وہ دونوں امرود کے درختوں کی جانب آگئیں، ماہی سنگی بنچ پر چڑھ گئی اور اچک اچک کر امرود کی شاخ پکڑنے کی کوشش کرنے لگی، خوشبو زمین پر کھڑی اسے ہدایات دے رہی تھی، بالآخر ایک شاخ اس کے ہاتھ میں آگئی، اس نے شاخ کو دو تین جھٹکے دیئے تو کئی پکے ہوئے امرود ٹپا ٹپ گر کر لڑھکتے چلے گئے، ماہی نے پھرتی سے زمین پر چھلانگ لگائی اور پھر خوشبو اور وہ دونوں امرودوں کے پیچھے دوڑیں، امرود لڑھکتے ہوئے سوئمنگ پول کے پانی میں جا گرے، ان دونوں نے خود کو بریک لگایا، مگر جانے کس طرح ماہی کا پیر پھسلا اور وہ دھڑام سے سوئمنگ پول کے پانی میں جا گری، ماہی کے پانی میں گرنے کی آواز اور پھر خوشبو کا چیخنا، زخرف کتاب پھینک کر سوئمنگ پول کی جانب دوڑا، ماہی پانی میں الٹے سیدھے ہاتھ مارتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

''بچاؤ..... مما..... شاہ ریز.....'' زخرف نے بنا سوچے سمجھے پانی میں چھلانگ لگا دی، سوئمنگ پول کا پانی نو فٹ گہرا تھا تاہم زخرف ماہر تیراک تھا، زخرف جتنی دیر میں ماہینہ تک پہنچا، وہ تقریباً ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی، وہ اسے پول سے نکال کر بنچ پر لٹا چکا تھا، اس کا بھیگا بھیگا وجود بے حس و حرکت تھا، فقط سینے کے زیر و بم سے زندگی کا پتا چل رہا تھا، خوشبو اس کی حالت دیکھ کر رونے لگی، زخرف نے جس محبت کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا کے رکھا تھا، وہ محبت ماہی کی حالت دیکھ کر غالب آچکی تھی، اسے خوف محسوس ہو رہا تھا، اگر ماہی کو کچھ ہوگیا اور وہ زندگی سے روٹھ گئی، تو وہ کیسے جی پائے گا، بنا اسے دیکھے کیسے رہ پائے گا۔

''ماہی آنکھیں کھولو، خدارا آنکھیں کھولو۔'' اس نے ماہی کا بازو ہلایا۔

''تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' اس کے انداز سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوانگی جھلک رہی تھی، وہ بری طرح ماہی کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

''ماہی آئی سوئیر، میں اب تم پر غصہ نہیں کروں گا، آنکھیں کھولو، ہوش میں آؤ۔'' زخرف کے جھنجھوڑنے پر وہ ایک دم آنکھیں کھول کر گہرے گہرے سانس لینے لگی، تو جیسے زخرف بھی ہوش میں آ گیا، کچھ لمحوں تک ماہی کو دیکھتے رہنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''خوشبو اندر سے چادر لا کر دو ماہی کو، اس کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں، بیمار ہو جائے گی۔'' خوشبو کو کہتا ہوا وہ اندر کی جانب بڑھا، نیلم مما دوڑتی ہوئی باہر آتی دکھائی دیں، وہ شور سن کر باہر آئی تھیں۔

''کیا ہوا زخرف!'' وہ زخرف کے پاس رکیں۔

''ماہی کو دیکھیں جا کر۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گیا، پھر وہ اس وقت تک باہر نہیں نکلا جب تک کہ وہ سب واپسی کے لئے گاڑیوں میں نہیں بیٹھ گئے، ماہی بہت دیر تک نیلم کے گلے لگی روتی رہی تھی پانی میں گرنے کے چند لمحوں بعد ہی اسے احساس ہوا تھا کہ شاید اس کا آخری وقت آ گیا ہے، ہوش کھونے سے پہلے اسے آخری احساس یہی ہوا تھا کہ زخرف اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے چکا ہے، اس کے بعد جب اسے ہوش آیا تو زخرف اس کے پاس بیٹھا تھا اور خوشبو رو رہی تھی، بہت دیر کے بعد اس نے اندر جا کر کپڑے تبدیل کیے تھے، دھچکا بڑا تھا، سو وہ بالکل گم سم سی ہو گئی، شاہ ریز کے ساتھ باقی سب لوگ جب واپس آئے تو اس شاکنگ نیوز نے انہیں بھی خراساں کیا، البتہ سب نے شکر ادا کیا کہ ماہینہ کی زندگی بچ گئی، ثانیہ یہ سن کر کہ زخرف نے اسے ڈوبنے سے بچایا ہے، بے قراری سے زخرف کے پاس بھاگی جسے پہلے ہی ٹمپریچر تھا، وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا، ثانیہ کی پکار پر جب اس نے جواب نہ دیا، آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا تو وہ اسے سوتا ہوا سمجھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

دوپہر کا کھانا بے دلی سے کھایا گیا، کھانے کے فوراً بعد وہ سب واپسی کے خیال سے گاڑیوں میں سامان رکھوانے لگے، ماہینہ واپسی کے سفر میں شاہ ریز کی گاڑی میں نیلم کے ساتھ بیٹھی تھی، زخرف کی حالت کے پیش نظر ڈرائیونگ کی ذمہ داری شاہ زر نے سنبھال لی تھی، زخرف کا چہرہ اور آنکھیں بخار کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں، اندرونی کشمکش اس کے چہرے سے واضح تھی، تمام سفر میں وہ خاموشی سے سگریٹ پھونکتا رہا، شاہ زر ڈرائیونگ کے دوران گاہے بگاہے اس پر نظر ڈال رہا تھا، زخرف کی کیفیت وہ سمجھ رہا تھا اور مطمئن تھا یہ سوچ کر کہ شاید وہ خول چیخ رہا ہے جو اس نے خود پر چڑھا رکھا ہے، اسے یقین تھا کہ اب زخرف زیادہ دیر تک ماہینہ سے لاتعلق نہیں رہ سکتا، شاہ زر نے جس وقت لینڈ کروزر صفیہ لاج کے پورچ میں روکی تو شام ہو چکی تھی، شاہ ریز پچاروا مینہ ہاؤس کے گیٹ سے اندر لے آیا تھا، دو دن بعد کی اس کی فلائیٹ تھی، فارم ہاؤس پر ثانیہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسے کچھ بتانا چاہتی ہے، وہ عنقریب اسے میل کرے گی اور یہ کہ وہ شاہ ریز پر بہت بھروسہ کرتی ہے، جانے کیوں اس کی بات سن کر شاہ ریز کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا، مگر اس نے جلد ہی اس احساس سے پیچھا چھڑا لیا تھا۔

☆☆☆

شاہ ریز انگلینڈ واپس جا چکا تھا، دونوں گھروں کے مکین بھی لگی بندھی روٹین پر آ چکے تھے، ماسوائے زخرف کے، وہ اب بھی اس تھے کی قید میں تھا، جب ماہی سوئمنگ پول کے پانی میں ڈوبنے لگی تھی، اسے صبح سے شام تک بار بار یہ خیال آ کر ستاتا تھا، ڈراتا تھا، کہ اگر ماہی اس دن

...ڈوب جاتی تو وہ کیا کرتا؟ ابھی تو اسے تسلی تھی کہ ...وہ دیوار کے دوسری جانب رہتی ہے، ہنستی ہے، ...لتی ہے، چلتی پھرتی ہے، اس وقت بھی وہ آفس ...ے آ کر اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے لیٹا ...تھا کہ ان ہی پریشان کن خیالات نے اسے جکڑ ...یا، اگر اس دن ماہی کو کچھ ہو جاتا تو کیا میری ...سانسوں کا سلسلہ جاری رہتا، میری سانسیں بھی ...وٹ جاتیں، یہ آسرا تو ہے کہ وہ دیوار کہ اس پار ...تی ہے، مگر کب تک رہے گی، وہ دیوار کہ اس پار ...بھی نہ کبھی سال دو سال بعد اس کے والدین ...اس کی شادی کر دیں گے تب کیا کرو گے؟ اندر ...ے کوئی بغاوت کر رہا تھا وہ کمرے میں بے چینی ...ے ٹہلنے لگا، اضطرابی کیفیت اس کے ہر ہر انداز ...ے نمایاں تھی، پیشانی پر سوچ کی لکیریں واضح ...تھیں، یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ ماہی کسی ...اور کے نام منسوب ہو جائے گی۔

''اوہ نو یہ نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہو سکتا، میں کیا ...کروں گا، میں پاگل ہو جاؤں گا، میں اسے پانا ...ی نہیں چاہتا اور اسے کھونے کا تصور میرے دل ...نوچنے لگتا ہے۔'' وہ تذبذب کے عالم میں سر ...ہاتھوں میں گرا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''نہیں پایا تو تم اسے کھو دو گے، اگر کھونا ...نہیں چاہتے تو اپنے نام کر لو، اسے اپنی محبت کا ...مان دے دو۔'' آج دل نے ضد پکڑ لی تھی۔

''میرے رب میری مدد فرما، مجھے عادل ...بھائی کی طرح نامراد مت رکھنا، میں اسے کھو کر جی ...نہیں پاؤں گا، اسے بنا دیکھے رہ نہیں پاؤں گا۔'' ...اس کی سرخ آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی، البتہ ...چہرے پر تھا، فیصلہ ہو چکا تھا، کئی دنوں کی کشمکش ...آخر ختم ہو چکی تھی، دل یہ بازی جیت چکا تھا۔

☆☆☆

''آخر کب میرا انتظار ختم ہو گا، ثانیہ کب ...تم مجھے آس کی ڈور سے باندھ کے رکھو گی، ...زیادہ عرصہ میرے پیرنٹس رکنے والے نہیں، کیا تم چاہتی ہو کہ میری زندگی میں تمہاری جگہ کوئی اور قابض ہو جائے۔'' معاذ ابراہیم کا انداز تھکا تھکا سا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں، کس طرح گھر والوں کو سمجھاؤں اور کیا وہ میری بات مان لیں گے تمہیں شاہ ریز کی جگہ قبول کر لیں گے۔'' ثانیہ شش و پنج میں گرفتار تھی، دونوں اس وقت دفتر سے نزدیکی ریسورنٹ میں بیٹھے تھے، معاذ ابراہیم کے والدین اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔

''پھر بتاؤ میں کیا کروں، اپنے والدین کی منتخب کی ہوئی لڑکی کو اپنا لوں۔'' وہ سوالیہ انداز میں پوچھنے لگا۔

''کیا تم ایسا کر پاؤ گے۔'' ثانیہ نے جواب دینے کے بجائے سوال داغ دیا۔

''یہی تو مسئلہ ہے، میں یہ نہیں کر سکتا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''میں شاہ ریز سے بات کر کے دیکھتی ہوں، مجھے ڈر لگتا ہے کہ میرے اس اقدام سے دونوں فیملیز میں بھونچال آ جائے گا۔'' وہ تذبذب کے عالم میں بول رہی تھی۔

''کبھی نہ کبھی تو یہ سب ہونا ہی ہے، ثانیہ تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہو گا۔'' وہ سمجھانے لگا۔

''ہاں ٹھیک ہے، میں بہت جلد شاہ ریز کو بتا دوں گی، کہ میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولی، کچھ دیر بعد معاذ نے کافی کا بل ادا کیا اور وہ دونوں ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئے اور اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر الگ الگ منزل کی جانب روانہ ہو گئے، ثانیہ کو جاب شروع کرنے کے بعد ڈیڈ نے مہران دلائی تھی، گھر پہنچ کر ثانیہ اسی سوچ میں الجھی رہی کہ وہ کن الفاظ میں شاہ ریز کو اس حقیقت سے آگاہ کرے کہ وہ معاذ ابراہیم کو اپنے شریک سفر کے طور پر چن چکی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆☆☆

"مما آپ سے کچھ کہنا ہے۔" آفس سے آنے کے بعد کپڑے چینج کر کے وہ مما کے روم میں آ گیا، سمیرا جہانگیر کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

"ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟" انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا، بلیو جینز اور وائٹ ٹی شرٹ میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا، کتنے دنوں کے بعد تو وہ آج ان کے کمرے میں خود سے آیا تھا، وگرنہ گزشتہ کئی دنوں سے وہ بہت الجھا الجھا سا دکھائی دیتا رہا تھا، آفس سے آ کر وہ کمرے میں بند ہو جاتا تھا، اسے اس وقت اپنے کمرے میں دیکھ کر سمیرا جہانگیر کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"وہ..... مام میں..... شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے مدعا بیان کیا۔

"ارے میں تو خود بھی یہی چاہ رہی ہوں کہ تم شادی کر لو، ہاں تو بتاؤ وہ خوش قسمت لڑکی کون ہے؟" وہ انتہائی اشتیاق سے پوچھنے لگیں۔

"ماہینہ..... مام میں ماہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اگر وہ نہ بھی کہتا تو اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ ماہی سے کتنا پیار کرتا ہے۔

"رئیلی، ماہی تو مجھے بھی بہت پسند ہے میں اسی سنڈے امینہ ہاؤس جاؤں گی، سفیر بھائی سے تمہاری اور ماہی کی شادی کی بات کرنے کہوں گی کہ ماہی شادی کے بعد پیپرز دے لے گی۔" وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"او کے، ابھی آپ کہاں جا رہی ہیں؟" وہ مطمئن دکھائی دینے لگا تھا۔

"تمہارے پاپا کے دوست کے بیٹے کی شادی ہے سکھر جانا ہے۔" وہ بیگ میں کپڑے رکھنے لگیں۔

"ڈیڈ اب تک آئے نہیں۔" اس نے پوچھا۔

"بس جہانگیر کے آتے ہی ہم نکل جائیں گے۔" وہ وارڈ روب سے ساڑھی منتخب کرنے لگیں، تو وہ باہر ٹیرس پر آ گیا۔

گرینی دو دن سے اپنی چھوٹی بہن کی طرف گئی ہوئی تھیں، رہا اور خوشبو بھی ان کے ساتھ ہی تھیں، شاہ زر چینل کی جانب سے کل ہی دوبئی گیا تھا، وہ زخرف میں پیدا ہونے والی تبدیلی سے بہت خوش تھا، لان میں ثانیہ پودوں کو پانی ڈال رہی تھی، زخرف کو ٹیرس پر دیکھ کر اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا، جواباً زخرف نے بھی ہاتھ ہلایا، پھر سے پودوں میں مگن ہو چکی تھی، زخرف ارادہ امینہ ہاؤس کی جانب دیکھا، جہاں لان میں مکمل سکوت اور سناٹا تھا، البتہ ٹیرس پر ماہی ٹہل ٹہل رٹا لگا رہی تھی، اس دیکھ کر زخرف کے لبوں تراش میں مسکراہٹ پھیل گئی، سوچ بدلی تھی اسے دنیا بھی بدلی بدلی نظر آنے لگی تھی، البتہ جانتا تھا کہ ماہی اس سے حد درجہ بدگمان ہو اس کا رویہ کب ماہی کے ساتھ اچھا رہا تھا، پڑھتے ماہی کو اپنے چہرے پر کسی کی نظروں پیش محسوس ہوئی تو اس نے گردن اٹھا کر سامنے دیکھا تھا، صفیہ لاج کے ٹیرس کی ریلنگ سے لگائے زخرف اسے دیکھ رہا تھا، ماہی کا دل دھک سے رہ گیا، زخرف کے چہرے پر پھیلی مسکا نے اسے پریشان کر دیا تھا، دونوں کے درمیا کب خوشگوار تعلقات تھے جو وہ اسے مسکرا کر رہا تھا (مسکراتے ہوئے کیا غضب ڈھاتا ہے شخص) بے ساختہ ہی اس نے سوچا اور پلٹ اندر آ گئی، اسے لگا کہ سارا پڑھا ہوا بھول گئی زخرف کافی دیر تک کھڑا اس جگہ کو دیکھتا رہا جہا وہ کچھ دیر پہلے موجود تھی۔

☆☆☆

"آج کیا بن رہا ہے مما۔" اس نے کتا رکھ کر کچن میں جھانکا۔

"قیمہ کریلے اور چکن بریانی۔" انہوں

ماہی کو بغور دیکھا، لیمن کلر کے سوٹ میں وہ کتنی بڑی بڑی لگ رہی تھی کل ہی انہیں پتا چلا تھا کہ ان کے بڑے بھائی ماہی کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔

"مما اگر بریانی تیار ہو چکی ہے ایک پلیٹ میں نکال دیں، آج میں نے لنچ بھی ڈھنگ سے نہیں کیا، بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے بیتابی سے کہا۔

"پہلے صفیہ لاج میں دے آؤ، ثانیہ کو بھی بریانی بہت پسند ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے بادل نخواستہ کہا اور مما سے بریانی کی ڈش لے کر صفیہ لاج آ گئی جہاں حقیقتاً سناٹا چھایا ہوا تھا، وہ لان عبور کر کے اندرونی حصے میں آ گئی۔

"ثانیہ..... ثانیہ کہاں ہو۔" آوازیں دیتی ہوئی وہ کچن میں آ گئی، جہاں شمو کچن کی صفائی کر رہی تھی، ماہینہ نے بریانی کی ڈش سلیب پر رکھی۔

"کیسی ہو ماہی بی بی سی۔" شمو نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں شمو تم یہ بتاؤ کہ ثانیہ کہاں ہے۔" اس نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تو وہ پڑھنے والے کمرے میں تھیں۔"

"میں ذرا اس سے مل لوں، گرینی کا بھی پوچھنا ہے کہ وہ کب تک آئیں گی۔" وہ کچن سے باہر نکلی اور سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اسٹڈی روم کی جانب آ گئی، سٹڈی روم کا دروازہ بند تھا جسے دھکیل کر وہ اندر آ گئی اندر کا منظر اس کی توقع کے برخلاف تھا، کمپیوٹر کے سامنے زخرف بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا، اس کی توجہ مانیٹر پر مرکوز تھیں، جب ہی ماہینہ نے سوچا کہ کھسک جائے، جیسے ہی وہ مڑی، زخرف کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ماہینہ کیسے آنا ہوا؟"

"وہ میں ثانیہ کو دیکھ رہی تھی، مما نے اس کے لئے بریانی بھجوائی ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"آؤ بیٹھو، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" وہ ایک جانب رکھے ٹو سیٹر صوفے کی جانب اشارہ کر کے بولا، وہ بوکھلا ہی تو گئی، اس کے لہجے کی نرمی اور اس کی بات، (اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے)۔

"وہ مما ویٹ کر رہی ہیں، میں..... پھر ....." وہ عذر تراشنے لگی۔

"میں نے کہا نہ بیٹھ جاؤ، نیلم مما سے کہہ دینا زخرف نے روک لیا تھا۔" وہ اب بھی مانیٹر کی جانب متوجہ تھا، چار و ناچار وہ صوفے پر آ بیٹھی، چند منٹوں کے بعد وہ اس کی جانب گھوما تو وہ اس کی ذات سے بے نیاز اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے تمہارے نام کا مفہوم کیا ہے؟" اس نے نرمی سے پوچھا، تو وہ حیرت کی زیادتی سے اسے دیکھنے لگی۔

(یہ پوچھنے کے لئے روکا ہے۔)

"بابا جانے نے بتایا تھا، ماہینہ ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے چاند جیسی خوبصورت۔" اس نے جواب دیا، آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کس قدر خوبصورت ہو، بس یہ پتا ہے کہ زخرف جہانگیر تم سے محبت کرتا ہے، میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا، جبکہ ماہی کو کی تو عقل خبط ہو گئی تھی، کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

"یہ زخرف جہانگیر جو کہہ رہا تھا وہ مذاق تھا یا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق تھا۔" وہ پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ..... اگر مذاق ہے تو بہت برا مذاق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، میں نے کبھی تمہیں ہرٹ نہیں کیا، تمہاری پرائیوسی میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش بھی نہیں کی، پھر تم میرے ساتھ اس طرح کیوں کر رہے ہو۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''ماہی! آج سے پہلے میں نے کبھی غور نہیں کیا، تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں، یوں لگتا ہے جیسے ان آنکھوں میں ستاروں نے بستی بسالی ہو۔'' اس کی بات سن کر وہ سٹپٹا گئی۔

''میرا خیال ہے میں اب چلتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کچھ روز بعد مما تمہاری طرف آئیں گی، ہماری شادی کی بات کرنے۔'' اس کے آخری فقرے نے ماہی کے پیروں تلے سے جان نکال دی، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ جواب میں کیا کہے، تب ہی اسٹڈی کا دروازہ دھکیل کر ثانیہ اندر داخل ہوئی۔

''ارے ماہی تم یہاں کیا کر رہی ہو، شمو نے بتایا کہ تم آئی ہو تو میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی، چلو تمہیں اپنی شاپنگ دکھاؤں۔'' صد شکر کہ ثانیہ اسے باہر گھسیٹ لائی۔

''ثانیہ میں پھر آؤں گی، مما نے جلدی واپس آنے کا کہا تھا، مما نے تمہارے لئے بریانی بھجوائی ہے کھا لینا۔'' وہ ثانیہ کو ٹالتی ہوئی تیز تیز قدموں سے چلتی اینہ ہاؤس آ گئی، سویرا لان میں اپنی پالتو بلی سے کھیل رہی تھی، یہ بلی چند روز پہلے اسے عادل چاچو نے لا کر دی تھی، اس نے بلی کا نام ''نونی'' رکھا تھا۔

''ارے ماہی یہ تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں، صفیہ لاج سے آ رہی ہو، زخرف نے پھر تمہاری کلاس لے لی ہے کیا۔'' سویرا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کاش کہ وہ کلاس ہی لے لیتا۔'' اس نے ایک طویل سانس لیا، دھڑکن اب بھی شور مچا رہی تھی، اس نے ہاتھ پکڑ کر سویرا کو واپس جگہ پر بٹھا دیا۔

''ہوا کیا ہے؟'' اب کہ وہ فکر مندی سے بولی۔

''وہ زخرف اس نے مجھے پروپوز کیا ہے، اسے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا، اس طرح میرا مذاق اڑا کر اسے کیا حاصل ہوگا۔'' اس کی پلکیں بھیگنے لگیں تھیں، سویرا تو اس کا پہلا فقرہ سن کر ہی اچھل پڑی۔

''ریئلی آخر اس نے ایکسیپٹ کر ہی لیا۔'' سویرا کا جوش دیدنی تھا۔

''سویرا اس نے ایسا کیوں کیا۔'' اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔

''بیوقوف وہ تم سے محبت کرتا ہے۔'' سویرا نے رسان سے سمجھایا۔

''وہ بھی کچھ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا، دیکھو میرے ہاتھ کتنے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔'' سویرا اس کی حالت دیکھ کر ہنس پڑی۔

''باؤی داوے کیا کہہ رہا تھا وہ۔'' سویرا راز دارانہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ میری آنکھیں..... مجھے نہیں معلوم۔'' پل میں وہ سرخ ہو گئی۔

''سویرا کیا وہ سچ کہہ رہا تھا؟''

''ہاں یار تم نے اس کی آنکھیں نہیں دیکھیں، جہاں تمہاری محبت کا جہاں آباد ہے۔''

''پھر اب تک جو رویہ اس نے میرے ساتھ اختیار کر رکھا تھا وہ کیا تھا۔'' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''یہ تو میں بھی نہیں جانتی، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، آسانی سے اپنی ہار تسلیم نہیں کرتے، شاید زخرف کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا جو اتنے عرصے تک وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہا ہے، بہر حال جو ہوا اچھا ہی ہوا۔'' سویرا نے اطمینان سے کہا، جبکہ ماہی اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی، ہادی کی پکار پر دونوں اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

ثانیہ نے اطمینان سے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا اور ایک طویل سانس لے کر کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی، شاہ ریز کو ای میل کرنے کے بعد اسے اپنا وجود ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا، اسے یقین تھا کہ شاہ ریز سب سنبھال لے گا اور اس پر آنچ بھی نہیں آئے گی، دوران تعلیم ہی وہ معاذ ابراہیم سے متاثر ہو گئی تھی، اس نے اپنی سنہری آنکھوں میں معاذ ابراہیم کے نام کے سپنے سجا لیے تھے، اس بات سے بے خبر کہ گھر میں اس کی منگنی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، شاہ ریز ہائر اسٹیڈیز کے لئے انگلینڈ جا رہا تھا سو نیلم مما چاہتی تھیں کہ اسے جانے سے پہلے پابند کر لیں، قرعہ فال ثانیہ کے نام نکلا تھا، گھر کے بڑے بالا بالا ہی سب طے کر چکے تھے، اسے تو منگنی سے دو دن قبل مما نے انویٹیشن کارڈ تھماتے ہوئے کہا کہ۔

''یہ اس کی انگیج منٹ کے کارڈز ہیں، وہ اپنے کلاس فیلوز کو انوائیٹ کرنا چاہے تو کر لے۔'' اس کے لئے بولنے کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی تھی اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی، ان کی فیملی میں رشتے طے کرتے ہوئے لڑکی سے رائے نہیں لی جاتی تھی، اپنے تئیں ان کے بزرگ سمجھتے تھے کہ ان کی بیٹیاں بے حد فرمانبردار ہیں، شومئی قسمت کے ان دنوں معاذ ابراہیم اپنی شادی شدہ بہن سے ملنے حیدر آباد گیا ہوا تھا، سو چپ چاپ اس نے شاہ ریز کے ہاتھ سے ڈائمنڈ رنگ پہن لی، اس وقت اسے یہی حل نظر آیا تھا، جانے کے باوجود وہ زخرف سے بھی کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ وہ پہلے ہی محبت جیسے لطیف جذبے سے خائف نظر آتا تھا، ہاں مگر دل میں معاذ ابراہیم کا عکس لے کر شاہ ریز کی دلہن بننے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا، سو اب معاذ ابراہیم کے دباؤ ڈالنے پر اس نے شاہ ریز کے ای میل آئی ڈی پر میل بھیجی تھی اور اسے تمام حقیقت لکھ بھیجی تھی اور خود چین کی نیند حاصل کرنے کے لئے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی تھی، اس بات سے بے خبر کہ کوئی اس حقیقت کو جاننے کے بعد کہ کوئی مدتوں چین کی نیند کو ترسے گا۔

☆☆☆

وہ تکیے میں منہ دیئے بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا، دو بار فلیٹ کا دروازہ بجا تھا کال بیل بھی بجائی گئی تھی اور پھر کال بیل بجانے والا مایوس ہو کر چلا گیا روٹین کے مطابق وہ صبح مقررہ وقت پر بیدار ہوا تھا، ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے معمول کے مطابق میلز چیک کی تھیں، ثانیہ کی میل دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی، جب اس نے میل پڑھی تو گویا پورے وجود میں توڑ پھوڑ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، سارے سپنے پل بھر میں کرچی کرچی ہو کر بکھر گئے، ایک آندھی سی چلی تھی جس نے اس کی ذات کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔

''سو اس محبت کا یہی انجام ہونا تھا، اسی دن کا تو ڈر تھا، عادل چاچو والی کہانی اس کے ساتھ بھی نہ دہرائی جائے، تو ثانیہ جہانگیر تم بھی کسی دوسرے رستے کی مسافر نکلیں اور میں تمہیں اپنی منزل سمجھ بیٹھا، یہ بھی اچھا ہوا کہ تم نے سچائی بتا دی ورنہ تمہیں پا کر کھونا بہت مشکل ہوتا۔'' بہت دیر کڑھنے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، واش بیسن میں جا کر منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ فلیٹ لاک کر کے باہر سڑک پر نکل آیا، شام کے سائے پھیل چکے تھے، اکا دکا نیون سائن بھی جلنے بجھنے لگے تھے، وہ بے ارادہ ایک سمت چلنے لگا، اب اس کی سوچیں صفیہ لاج کی جانب پرواز کر چکی تھیں، جہاں اسے اطلاع دینی تھی کہ وہ ثانیہ سے دست بردار ہو رہا ہے کیوں؟ کس لئے؟ یہ سب ابھی اسے سوچنا تھا، رات بھیگ رہی تھی جب وہ واپس لوٹا، وقت کا اندازہ کرنے کے بعد وہ مخصوص نمبر پر کال ملانے لگا۔

☆☆☆

وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا، حد نظر تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چٹیل میدان تھا، بھاگتے بھاگتے وہ تھک گیا تھا سر پر سورج آگ برسا رہا تھا، اس کا لباس پسینے سے شرابور تھا، دور دور تک سایہ تھا نہ سائبان، اچانک ٹھوکر لگنے سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑا، ایک چیخ کے ساتھ ماہی کی آنکھ کھل گئی، کتنا خوفناک خواب تھا، وہ بستر سے نیچے اتر آئی اور کمرے میں بے قراری سے ٹہلنے لگی، سویرا اپنے بیڈ پر سکون انداز میں محوِ خواب تھی، جبکہ اس کا رواں رواں شاہ ریز کی خیریت جاننے کے لئے بے قرار تھا، وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آئی، سیڑھیاں اتر کر وہ لاؤنج میں آ گئی، رات کے اس پہر پورے گھر پر سناٹا طاری تھا، بس گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی، وہ ٹیلیفون اسٹینڈ کے پاس آ گئی اور ریسور اٹھا کر شاہ ریز کے اپارٹمنٹ کا نمبر ملایا، دوسری جانب بیل جا رہی تھی مگر کال ریسیو نہیں کی، اس نے کال ڈسکنٹ کر کے دوبارہ نمبر ملایا، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، معاً اسے خیال آیا کہ شاہ ریز آفس جا چکا ہوگا لیکن اس کے پاس شاہ ریز کے آفس کا نمبر نہیں تھا، رات کے اس پہر وہ شاہ ریز کے آفس کا نمبر مانگنے کے لئے بابا جان کو جگا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، سو خاموشی سے اپنے کمرے میں لوٹ آئی، مگر اسے سکون نہیں مل رہا تھا، لبوں پر شاہ ریز کی خیریت کی دعا تھی، تو آنکھوں میں نمی کی اس کا ماں جایا خیریت سے ہو، بہت دقت سے اس نے خود کو سونے کے لئے آمادہ کیا، صبح جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا، کالج جانا بھی ضروری تھا، آج ٹیسٹ تھا، وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو سویرا جا چکی تھی، ڈائننگ ہال کا منظر روزانہ جیسا ہی تھا، وہ سلام کر کے اپنی جگہ پر آ بیٹھی، بابا جان ناشتہ کرتے ہوئے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے، نیلم مما اور اموجان بھی ادھر ہی موجود تھیں۔

''کیا بات ہے ماہی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' نیلم اسے دیکھ کر متفکر ہوئیں، ان کی بات سن کر بابا جان اور اخبار کا مطالعہ کرتے سفیر احمد بھی اس کی جانب متوجہ ہوئے، اس کی گلابی آنکھیں اور متورم چہرہ انہیں بھی بے چین کر گیا۔

''مما مجھے رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی، برے برے خیال آ رہے تھے، واہمے پریشان کر رہے تھے۔'' اس نے دودھ کا گلاس اٹھاتے ہوئے بتایا۔

''ناشتہ ٹھیک سے کرو اور آج کالج مت جاؤ۔'' سفیر احمد نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا جان! آج ٹیسٹ ہے اور میں پہلے ہی لیٹ ہو چکی ہوں۔'' وہ دودھ کا گلاس ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مما آپ شاہ ریز کو کال کر کے اس کی خیریت معلوم کر لیں۔'' اس نے نیلم سے کہا اور پھر سب کو بائے کہتی ہوئی اپنا بیگ اور فائلز سنبھالتی ہوئی باہر آ گئی جہاں وین کا ڈرائیور مسلسل ہارن بجا رہا تھا، اس کے جانے کے بعد وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے، انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ماہی، شاہ ریز کی وجہ سے پریشان ہے۔

''نیلم تم ناشتے سے فارغ ہو کر شاہ ریز کو فون کر لو۔'' اموجان نے یہ کہہ کر اپنی سفید چھڑی اٹھائی اور اس کے سہارے اپنے تخت کی جانب بڑھ گئیں، جہاں بیٹھ کر وہ دن کا بیشتر حصہ گزارتی تھیں، نیلم نے ناشتے سے فارغ ہو کر شاہ ریز کو فون کرنے کا ارادہ باندھا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی، سفیر احمد جو دفتر کے لئے نکل رہے تھے ٹھٹک کر ٹیلیفون کو دیکھا اور آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا، دوسری جانب شاہ ریز تھا، سلام دعا کے بعد وہ اصل بات پر آ گیا۔

''بابا جان آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''ہاں کہو، خیریت تو ہے۔'' انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''میں ثانیہ کو منگنی کے بندھن سے آزاد کرتا

ہوں، میں اس سے شادی نہیں کر سکتا اور پلیز مجھے مجبور نہ کیا جائے، وجہ میں نہیں بتاؤں گا۔''

''شاہ ریز تم ہوش میں تو ہو، کیا بکواس کر رہے ہو۔'' سفیر احمد دہاڑے، ان کی بلند آواز سن کر نیلم دوڑی آئیں۔

''جی بابا جان میں بقائمی ہوش و حواس یہ منگنی توڑ رہا ہوں اور اب میں ڈیڈ کو فون کرنے جا رہا ہوں۔'' اس نے اتنا کہہ کر کال ڈسکنٹ کر دی، سفیر احمد تخت کی جانب بڑھے۔

''سنا ہے آپ نے اموجان! آپ کا لاڈلا پوتا اس عمر میں ہمیں ذلیل و خوار کرنے پر تل گیا ہے۔'' سفیر احمد غیض و غضب کے عالم میں کانپ رہے تھے، اموجان نے اپنا دل تھام لیا۔

''وہ ثانیہ سے منگنی توڑ رہا ہے۔'' انہوں نے بات مکمل کی، نیلم چکرا کر گرنے لگیں تھیں کہ بروقت انہوں نے لاؤنج کے ستون کا سہارا لے لیا، شور سن کر عادل چاچو بھی اپنے روم سے نکل آئے، وہ علی الصبح اسلام آباد سے لوٹے تھے اور اس وقت اپنی نیند پوری کر رہے تھے۔

''کیا بات ہے بھابھی جان!'' انہوں نے نیلم کو مخاطب کیا۔

''شاہ ریز نے منگنی توڑ دی ہے۔'' نیلم پژمردہ لہجے میں بولیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے شاہ ریز تو ثانی کو پسند کرتا ہے، آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، بھائی جان میں اس سے بات کروں گا، وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔'' عادل احمد بے یقینی کی کیفیت میں تھے، وہی تو تھے جنہیں شاہ ریز نے محرم راز بنایا تھا۔

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے عادل تم اب اس کی طرف داری چھوڑ دو، اس نے مجھے جہانگیر بھائی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا، اب تک وہ وہاں بھی دھماکہ کر چکا ہوگا۔'' سفیر احمد سرد لہجے میں کہہ کر تھکے تھکے انداز میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے، آفس جانے کا موڈ نہیں رہا تھا۔

صفیہ لاج میں شاہ ریز کی کال سمیرا نے ریسو کی تھی جو کہ کل رات ہی واپس لوٹی تھیں، شاہ ریز کی زبانی منگنی ختم کرنے کا سن کر وہ آگ بگولہ ہو گئی تھیں اور شاہ ریز پر بری طرح بھڑکی تھیں، کہ اگر اسے ثانیہ سے شادی نہیں کرنی تھی تو اس نے منگنی کیوں کی، اسے کیا حق پہنچتا ہے ان کی اکلوتی بیٹی کو بدنام کرنے کا، انہوں نے شاہ ریز کو خوب برا بھلا کہا، وہ خاموشی سے سنتا رہا اور پھر اس نے صفائی میں کچھ بھی کہے بنا فون بند کر دیا، سمیرا بیگم کی چیخ و پکار سن کر سب گھر والے ان کے اردگرد جمع ہو گئے، صفیہ لاج میں تو بھونچال آ گیا تھا، بدتوں کے جڑے مضبوط رشتوں میں ڈراڑ آ گئی تھی، ایک غلط فیصلے کی بدولت، سمیرا بیگم نے تلملاتے ہوئے اپنے ساس اور شوہر کو شاہ ریز کا کارنامہ کہہ سنایا کچھ فاصلے پر کھڑی ثانیہ اپنی ماں کا جلال دیکھ کر ایک پل کو حراساں ہو گئی تھی، مگر پھر دل کو تسلی دی کہ شاہ ریز اس پر الزام نہیں آنے دے گا، سمیرا بیگم مسلسل بولنے کے بعد اب ہانپ رہی تھیں۔

''شاہ ریز نے ایسا کیوں کیا، اگر اسے ثانیہ سے شادی نہیں کرنی تھی تو منگنی کے وقت ہی انکار کر دیتا، اب اتنے عرصے کے بعد اس نے کیا سوچ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔'' جہانگیر احمد ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

''میں اس سے بات کروں گی۔'' گرینی نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تو سمیرا پھر سے بھڑک اٹھیں۔

''نہیں اماں جان آپ یا کوئی بھی فرد اس سے بات کرے، میری بیٹی کوئی گری پڑی نہیں ہے نہ ہی وہ شاہ ریز کے نام پر بیٹھی رہے گی، میری ایک بات آپ سب غور سے سن لیں، امینہ ہاؤس کے مکینوں سے آپ لوگوں کا جو رشتہ ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس وہی بہت ہے، آج کے بعد اس گھر کے لڑکے کا یا کسی لڑکی کا رشتہ اینہ ہاؤس میں نہیں جڑے گا، کم از کم میرے جیتے جی تو ہرگز نہیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ یہ بھول گئیں وہ چند دن پہلے زخرف اور ماہی کا رشتہ طے کرنے کے لئے راضی بہ رضا تھیں، مگر اب شاہ ریز کی غلطی نے ان کے دل کو کدورت سے بھر دیا تھا، وہ سب کچھ بھول گئیں تھیں یاد تھا تو بس یہ کہ امو جان کے لاڈلے پوتے نے ان کی بیٹی کو رد کر دیا ہے، وہ صفیہ لاج کی بڑی بہو تھیں اور لاڈلی بھی تھیں، سو ان کی بات سے انحراف کرنا اب گرینی کے لئے بھی ممکن نہیں تھا، کیونکہ گھر کے سب ہی افراد اس حقیقت سے واقف تھے کہ سمیرا جتنی خدمت گزار تھیں اتنی ہی ضدی بھی تھیں، زخرف چونکہ آفس جا چکا تھا سو جب وہ لنچ آورز میں گھر آیا تب اسے یہ خبر ملی، گھر میں ماتم کی سی فضا طاری تھی، نیلم اور عادل کچھ دیر پہلے ہی صفیہ لاج سے گئے تھے، سمیرا نے انہیں بھی خوب برا بھلا کہا تھا، بقول ان کے اگر شاہ ریز کے بڑے اس کا ساتھ نہ دیتے تو اس کی جرأت نہ تھی کہ وہ یہ قدم اٹھاتا، حالانکہ وہ دونوں تو شاہ ریز کے اس فیصلے پر معافی مانگنے آئے تھے، مگر آج ان کے ساتھ اس گھر میں جو سلوک ہوا تھا، اس سے صاف پتا چلتا تھا کہ رشتوں میں جو دڑاڑ پڑی تھی وہ کم ہونے والی نہیں تھی، کم از کم سمیرا اسے کسی نرمی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

زخرف گرینی کی زبانی سب کچھ سننے کے بعد وہ ثانیہ کے پاس آ گیا جو کہ کمرے میں بند تھی اور آج آفس نہیں گئی تھی۔

''کیا کر رہی ہو ثانی۔'' وہ صوفے پر ثانیہ کے برابر آ بیٹھا تھا، ثانیہ میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

کچھ دیر پہلے وہ معاذ کو کال کر کے بتا چکی تھی کہ شاہ ریز نے منگنی توڑ دی ہے۔

''کیا تمہیں اندازہ تھا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔'' ثانیہ کی خاموشی پر اس نے دوسرا سوال کیا۔

''کبھی سوچا نہیں میں نے، البتہ میں نے کبھی اس کے اور اپنے رشتے کو اتنا سیریس نہیں لیا، جس قدر مما کا ری ایکشن ہے، پھر آج کے دور میں منگنی کا ٹوٹنا اتنا بڑا حادثہ نہیں ہوتا جتنا کہ ہمارے گھر کا ماحول دیکھ کر لگ رہا ہے، خدا نخواستہ کوئی مر گیا ہو۔'' اس کا لہجہ قدرے تلخی لئے ہوئے تھا۔

''یہ اچھا ہوا کہ تم نے اس واقعے کا زیادہ اثر نہیں لیا ڈیڈ کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ڈیڈ تو آفس چلے گئے ان کا مزاج بھی بہت برہم تھا۔'' ثانیہ نے بتایا۔

''تم کل سے آفس جانا شروع کر دو، مام ڈیڈ دیکھیں گے کہ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا تو خود بھی مطمئن ہو جائیں گے، تم نے کھانا کھایا۔'' اس نے پوچھا۔

''گھر میں کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔'' ثانیہ نے بتایا۔

''تم کھانا لگواؤ، میں مام اور گرینی کو بلا کر لاتا ہوں، پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو ثانیہ نے بھی اس کی پیروی کی، رو رو کر اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔

☆☆☆

نیلم اسے چپ کرانے کے جتن کر رہی تھیں، پر اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ شاہ ریز اپنی مرضی سے ثانیہ سے رشتہ ختم کر سکتا ہے، اس نے نیلم کو اپنا خواب بھی سنایا تھا، عادل چاچو مسلسل اس سے رابطے کی کوشش میں تھے، نیلم کو شاہ ریز کے فیصلے سے دکھ پہنچا تھا مگر اس سے کئی گنا زیادہ دکھ انہیں سمیرا کے رویے نے پہنچایا تھا، کتنی آسانی سے اس نے تمام محبتوں کو فراموش کر دیا تھا، وہ بھی شاہ ریز سے ناراض تھیں، ثانیہ ان کی من پسند بچی تھی، مگر اپنا دکھ خود پر طاری کرنے کے بجائے وہ سب کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں، وہ دل سے چاہتی تھیں کہ کچھ ایسا ہو جائے کہ دونوں گھروں کے دکھ سکھ پھر سے سانجھے ہو جائیں، مگر لگتا تھا کہ اب یہ ممکن نہیں ہے، ماہی کو چپ کراتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہی تھیں، ماہی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی، بالآخر عادل چاچو اسے اپنے کمرے میں لے آئے۔

''ماہی! تمہارے اس طرح رونے سے بھابھی پریشان ہوں گی، تم سمجھ سکتی ہو کہ وہ بھی ہرٹ ہوئی ہیں، تم خود کو سنبھالو گڈ گرل۔'' انہوں نے اس کا سر تھپکا۔

''چاچو! میرا دل کہہ رہا ہے بھائی اس فیصلے سے خوش نہیں ہیں، پھر انہوں نے ایسا کیوں کیا۔'' اس کے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

''ہونہہ..... شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بہرحال میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، کب تک وہ چھپ کر بیٹھے گا، تم منہ ہاتھ دھوؤ اور کھانا لگواؤ میں امو جان کو لے کر آتا ہوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتی ہوئی ان کے کمرے سے باہر آ گئی۔

☆☆☆

پندرہ دن گزر گئے تھے اس واقعے کو، ہفتہ وار تعطیل تھی اور شام کے وقت معاذ ابراہیم کے والدین ثانیہ کے لئے معاذ ابراہیم کا رشتہ لے کر آئے تھے، جہانگیر احمد نے ان سے سوچنے کے لئے وقت لیا تھا، رات کے اس پہر ڈنر سے فراغت کے بعد جہانگیر احمد، اظہر احمد اور زخرف، گرینی کے کمرے میں داخل ہوئے جہاں گرینی کے پاس سمیرا پہلے ہی موجود تھیں۔

''اماں جان کیا خیال ہے، آپ کا معاذ کے پروپوزل کے بارے میں۔'' کچھ رسمی باتوں کے بعد جہانگیر احمد اصل موضوع پر آ گئے۔

''بیٹا اچھے سے دیکھ بھال لو، پھر جو تمہیں مناسب لگے۔'' گرینی نے ایک طویل سانس لیا، کیا سوچا تھا اور کیا ہونے جا رہا تھا۔

''اماں جان! معاذ اچھا لڑکا ہے اور اس کے فادر ابراہیم علی میرے دوست مبشر کے بہنوئی ہیں، اچھے لوگ ہیں، پھر ثانیہ ان کے آفس میں جاب کرتی ہے، اس نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی ہے۔'' اظہر نے تفصیل سے کہا، زخرف خاموشی سے سن رہا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے سمیرا!'' اماں جان نے بہو کو مخاطب کیا۔

''مجھے تو وہ لوگ اچھے لگے ہیں اماں جان میرا خیال ہے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے، وہ لوگ شادی جلدی کرنا چاہ رہے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ثانیہ کی شادی کی عمر ہو ہی گئی ہے۔'' سمیرا نے رسانیت سے کہا، زخرف بدستور خاموش بیٹھا تھا، اس کے اندر ہی اندر کچھ ٹوٹنے کا عمل جاری تھا، کل شام مام نے اس سے از خود کہا تھا کہ وہ ماہینہ کا خیال اپنے دل سے نکال دے، وہ ہرگز بھی اسے بہو بنا کر صفیہ لاج میں نہیں لائیں گی، دونوں گھروں کے درمیان سرد مہری کی فضا بدستور قائم تھی، کوئی ان دیکھی قوت تھی جو اسے شاہ ریز کو الزام دینے سے روک رہی تھی، نہ جانے کیوں شاہ ریز چھپ کر بیٹھ گیا تھا، کسی سے بھی رابطہ نہیں کر رہا تھا۔

''زخرف تم معاذ کے متعلق انکوائری کر لو تو پھر ہم منگنی کا اعلان کر دیں گے۔'' جہانگیر احمد نے سوچوں میں کھوئے ہوئے زخرف کو مخاطب کیا۔

''یس ڈیڈ میں کل ہی اس کے آفس جا کر معلومات لے لوں گا۔'' وہ چونک کر بولا تو جہانگیر احمد کو خیال آیا۔

''ہاں تمہارا کیا ارادہ ہے شادی کا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہانگیر احمد لاعلم تھے کہ ان کا لخت جگر ماہی کے سنگ زندگی بتانے کے سپنے بن چکا ہے۔

''ارادہ بنا تو آپ کو ہی بتاؤں گا۔'' اس نے ایک نظر جزبز پوتی سمیرا پر ڈالی اور ڈیڈ کو جواب دیا۔

''یار اب تم ارادہ بنا ہی لو تو اچھا ہے، تمہارا یار شاہ زر تو لگتا ہے اپنی نوکری سے بیاہ رچا بیٹھا ہے تم ہی کچھ خیال کرلو۔'' اظہر چاچو خوشدلی سے بولے، بہت دنوں کے بعد گھر کے ماحول سے اداسی کا غبار چھٹا تھا اور یہ سب معاذ کے پروپوزل کا نتیجہ تھا۔

''چاچو پہلے ثانیہ اپنے گھر کی ہو جائے پھر سوچیں گے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ایک ہفتے بعد معاذ کے گھر والے منگنی کی رسم کرنے آئے تھے اور شادی کی تاریخ طے کر کے گئے تھے، ایک ماہ بعد کی تاریخ رکھی گئی تھی، صفیہ لاج میں ثانیہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، ثانیہ کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے، البتہ تنہائی میں ایک احساس اسے نادم کرنے چلا آتا تھا کہ اس خوشیوں کی خاطر شاہ ریز نے خود کو سب کی نظروں سے گرا لیا، خود کو سب چاہنے والوں سے دور کرلیا، وہ ڈھنگ سے خوش نہیں ہو پائی تھی، اس کی وجہ سے شاہ ریز کو ایسے گناہ کی سزا ملی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

اس وقت وہ گرینی کے کمرے میں ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی، کچھ ہی دن تو رہ گئے تھے یہ گھر پرایا ہونے میں۔

''گرینی کیا مام بھلا نہیں سکتیں جو شاہ ریز نے کیا؟ امو جان کے بغیر کتنا عجیب سا لگ رہا ہے، پتا ہی نہیں چل رہا کہ اس گھر میں شادی ہونے والی ہے، نیلم مما، عادل چاچو، ماہی، سویرا کیا وہ لوگ میری شادی میں غیروں کی طرح شریک ہوں گے۔'' وہ ایک دم سر اٹھا کر یاسیت بھرے لہجے میں پوچھنے لگی، تو گرینی نے نظریں چرالیں۔

''بٹو! اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے، نہ تو تمہاری ماں کا ظرف اس بات کی اجازت دے گا نہ ہی اب امینہ کے بچوں کے دلوں میں اتنی گنجائش ہوگی، تمہاری ماں نے اس گھر میں ان کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اسے بھلانا آسان نہیں، ایسا تو غیر بھی نہیں کرتے، سفیر نے شاہ ریز کو معاف نہ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔'' صفیہ جہاں نے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

''مام کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، منگنی ٹوٹنا اتنی بڑی بات نہیں ہے، انسان فسل در نسل سے چلتی آئی محبتوں کو داؤ پر لگا دے۔'' وہ اب اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تمہارا اور شاہ ریز کا رشتہ ان محبتوں کو ان رشتوں کو مزید مضبوط کرنے کے لئے جوڑا گیا تھا، جب رشتہ ہی نہ رہا تو محبتیں کیسے قائم رہ جاتیں۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں تھیں ثانیہ انہیں تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

آج ثانیہ مایوں بیٹھ رہی تھی، اس کی خالہ اور ماموں کی فیملیز صبح سے صفیہ لاج میں آچکی تھیں، مگر وہ ان سب کی منتظر تھی جو دیوار کے دوسری طرف بستے تھے، جہانگیر احمد دو روز پہلے بذات خود جا کر شادی کی دعوت نامہ امو جان کو دے کر آئے تھے، مگر اب تک وہاں سے کوئی نہیں آیا تھا، انتظار تو زرخ کو بھی تھا، اس البیلی سی لڑکی کا جسے دیکھے لگتا تھا کہ جگ بیت گئے ہوں، ایک دیوار درمیان میں تھی، مگر قدم اٹھنے سے انکاری تھے، آج امید ہو چلی تھی کہ آنکھیں سیراب ہو جائیں گی، لان میں تقریب کا انتظام کیا گیا تھا، شاہ زر کل رات کی فلائیٹ سے آچکا تھا، آتے ہی اس نے رونق میلہ لگا لیا تھا، زرخ انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا کہ ربانے آواز دی۔

''زرخ آنٹی کہہ رہی ہیں کہ تم بھی تیار ہو

جاؤ۔'' وہ گرینی کے کمرے سے کھڑکی سے لگی ہوئی تھی۔

''جا رہا ہوں۔'' اس نے مڑ کر ربا کو جواب دیا اور درمیانی گیٹ سے داخل ہوتے ہادی کو دیکھا آج اتنے دنوں کے بعد یہ دروازہ استعمال ہوا تھا۔

''آؤ یار کیا حال ہے مزے میں ہو۔'' زرخ نے اس کے قریب جا کر اس کا ہاتھ تھام لیا، کتنا قریبی اور گہرا رشتہ تھا اور کتنے فاصلے آگئے تھے۔

''جی زرخ بھائی خیریت ہے میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ آپ لوگ تیار ہو چکے ہوں تو ہم بھی تیاری شروع کر دیں، پارلر تو جانا نہیں ہے دیر لگے گی۔'' وہ اپنے بارے میں کہنے لگا۔

''آہاں یہاں تقریباً سب ہی تیار ہو چکے ہیں میں بھی شاور لینے جا رہا ہوں، آؤ اندر چلو۔'' رسمی سا فقرہ کہتے ہوئے اسے دقت ہوئی۔

''نہیں میں چلتا ہوں سویرا اپنے کپڑے تھامے میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' وہ واپس پلٹ گیا، تو زرخ بھی اپنے کمرے میں آ گیا، ثانیہ کے سسرال والوں کے آنے کے بعد اسے رسم کے لئے خصوصی طور پہ بنائے گئے اسٹیج پر لایا گیا تھا، سہاگنوں نے اسے ابٹن لگا کر مٹھائی کھلائی، مامی نے اس کے ہاتھوں میں گجرے پہنائے، امینہ ہاؤس سے نیلم کے ساتھ سویرا اور ہادی آئے تھے، امو جان کی طبیعت رات سے خراب تھی، سو وہ آنے کے قابل نہیں تھیں، ان کے خیال سے سفیر احمد اور ماہی بھی گھر پر رک گئے، جبکہ عادل رات کی فلائیٹ سے انگلینڈ کے لئے روانہ ہو چکے تھے، شاہ ریز سے ملاقات اب ناگزیر تھی، سفیر احمد کا خیال تھا کہ عادل ثانیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے بعد جاتے، لیکن عادل احمد کا کہنا تھا کہ ثانیہ کی شادی ان کی شرکت کے بغیر بھی ہو جائے گی، ان کا شاہ ریز سے ملنا زیادہ ضروری ہے جو چھپ کر بیٹھ گیا ہے، مایوں کی تقریب میں ماہینہ کو نہ پا کر زرخ دلبرداشتہ ہوا تھا، شاہ زر اس کی بیزاری محسوس کر کے اس کے پاس چلا آیا۔

''تم اس سے مل آؤ۔'' شاہ زر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا، جواباً اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی سنہری آنکھیں شاہ زر پر ٹکائیں اور جب بولا تو اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔

''نہیں، میں اپنا ضبط آزما رہا ہوں، آئی ڈونٹ کیئر۔''

''اس معاملے میں تو تم شروع سے ہی پکے ہو، خود کو اذیت دینا تمہارے لئے مسئلہ نہیں ہے۔'' شاہ زر تلخ ہوا تھا، ان دونوں سے کچھ فاصلے پر اسٹیج کی جانب پشت کئے فہد ابراہیم مسکراتی آنکھوں سے سویرا کو دیکھ رہا تھا، مونگیا کلر کے کام والے سوٹ میں وہ یونیورسٹی سے کتنی مختلف نظر آ رہی تھی اور دل سے کتنی قریب لگ رہی تھی، وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں پڑھتی تھی سادہ سے حلیے میں یونیورسٹی آنے والی سویرا جسے اپنی پڑھائی سے غرض تھی، یونیورسٹی میں اس کی کسی سے خاص دوستی بھی نہیں تھی، سویرا کو اپنے بھائی کے سسرال میں دیکھ کر وہ بہت محفوظ ہوا تھا، پھر اسے پتا لگاتے دیر نہیں لگی کہ وہ نمکین چہرے والی سویرا اس کی بھابھی کی کزن ہے، وہ دل ہی دل میں کچھ ارادے باندھنے لگا، تب ہی ندا آپی اسے بلانے آگئیں کہ اسٹیج پر چل کر بھابھی کے تصویر بنوالو، سو وہ ندا آپی کی پیروی میں اسٹیج کی جانب بڑھ گیا، جہاں پہلے سے جم گھٹا لگا ہوا تھا، رات گئے تقریب اختتام کو پہنچی، نیلم کے ساتھ سویرا اور ہادی بھی گھر لوٹ آئے، گرینی نے سویرا کو روکنا چاہا، پر اس نے کل کے ٹیسٹ کا بہانہ کر لیا۔

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

پانچویں قسط کا خلاصہ

زینب کی ضد پہ جہان پپا سے اسے شادی پہ جانے کی اجازت دلاتا ہے مگر زینب، مما جان کو ساتھ لے جانے کے خیال سے بالکل خوش نہیں، وہ جہان سے اس بات پہ بھی الجھتی ہے مگر جہان اسے قائل کر لیتا ہے۔

مما فون پہ معاذ کو سمجھاتی ہیں مگر معاذ کا موڈ اس بات کو سنتے ہی خراب ہو جاتا ہے جس پہ مما غصے میں فون بند کر دیتی ہیں۔

جہان، زینب کو ہمیشہ کے لئے پا لینے کے خیال سے خوش ہے جبکہ زینب ہنوز اس بندھن سے لاعلم ہے جو اس کے اور جہان کے بیچ اس کے بزرگ باندھ چکے ہیں۔

ژالے، نیلما کے تعلق سے آگاہی کے بعد بے حد اپ سیٹ ہے یہی اضطراب اور شرمندگی اسے اکثر و بیشتر جنون میں مبتلا کر دیتی ہے۔

مسز آفریدی کی شخصیت کی ساری پرتیں چھپی ہوئی ہیں، نیلما کو مسز آفریدی سے شدید نفرت ہے، وہ ژالے سے محبت کرتی ہے اور ژالے سے مل کر اسے کچھ حقیقتیں بتانا چاہتی ہے مگر ژالے اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہے۔

مما، پپا فارم ہاؤس پر نیاں سے ملنے کے لئے جاتے ہیں تو پرنیاں خود پہ ضبط کھو دیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چھٹی قسط

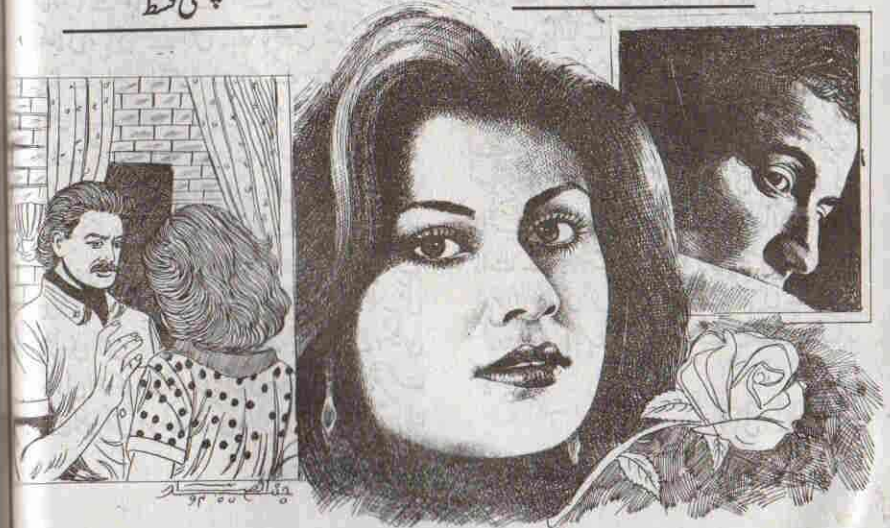

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کب لوٹ کے آؤ گے بتا کیوں نہیں دیتے
دیوار بہانوں کی گرا کیوں نہیں دیتے
تم پاس ہو میرے تو پتہ کیوں نہیں چلتا
تم دور ہو مجھ سے تو صدا کیوں نہیں دیتے
اک تیرے سوا اور کسی کو بھی نہ چاہا!
یہ بات تم دنیا کو بتا کیوں نہیں دیتے
باہر کی ہواؤں کا اگر خوف ہے اتنا
جو روشنی اندر ہے بجھا کیوں نہیں دیتے
راتوں کو جاگنے کی سزا دیتے ہو اکثر
تم ہم کو وفاؤں کا صلہ کیوں نہیں دیتے

اس نے تیمور خان کی بھیجی گئی غزل کو پڑھا اور مسکراتے ہوئے سیل فون سائیڈ پہ رکھ کر پھر سے پیکنگ کا کام نپٹانے لگی، بلیک خوبصورت سا سوٹ تہہ کر کے رکھتے ہوئے اس کی توجہ پھر بھٹکی، سیل فون کی اسکرین پر بلنک کر رہی تھی، اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر دیکھا، تیمور کی کال تھی، اس نے پلٹ کر پہلے دروازہ اندر سے لاکڈ کیا تھا پھر اس کی کال ریسیو کی، وہ اس معاملہ میں ہمیشہ بہت محتاط رہتی تھی۔

''جی فرمایئے کیا بات ہے؟ بار بار کیوں تنگ کر رہے ہیں؟'' وہ ناز سے جھلائی تھی اور دوسری سمت تیمور خان سرد آہیں بھرنے لگا۔

''ابھی کہاں تنگ کیا ہے جناب! ایک بار ہاتھ تو لگیں اس لفظ کے معنی و مطالب خوب سمجھائیں گے آپ کو۔'' وہ ایسا ہی بے باک تھا اکثر پٹڑی سے اتر جایا کرتا، زینب بے تحاشا سرخ پڑ گئی۔

''بہت بدتمیز نہیں ہوتے جا رہے آپ! حالانکہ میں نے آپ کو کوئی چھوٹ بھی نہیں دی۔'' وہ کسی قدر خفگی سے بولی تو جواباً تیمور خان کا قہقہہ گونج اٹھا تھا۔

''بدتمیزی نہیں محترمہ! اسے رومانس کہتے ہیں اور چھوٹ کی بات آپ نہ کریں، آپ کے تمام جملہ حقوق ہمارے ہی نام محفوظ ہیں۔''

''ہیں..... ہیں، اتنا دھڑلا؟ مسٹر تیمور خان اگر آپ بھول رہے ہیں تو کیا یاد دلاؤں کہ ابھی آپ کا مجھ سے نکاح نہیں ہوا۔'' وہ تیکھے چتونوں سے بولی لہجے میں مصنوعی خفگی تھی خود اس کی بات اس کے مخالف تھی، بلاشبہ یہ اس کی ڈھیل اور چھوٹ تھی کہ تیمور خان کو اتنی جرأتیں نصیب ہوئی تھیں۔

''ہو جائے گا..... ہو جائے گا، ہمارا بس چلے تو ابھی پڑھا لیں یہ دو بول، وہ تو آپ ہیں کہ.....'' وہ شاکی ہونے لگا تو روشانے نے موضوع بدلنا مناسب سمجھا۔

''میں پیکنگ کر رہی تھی۔''

''تمہیں تو ہفتہ پہلے آنا تھا۔'' تیمور کے پاس شکوؤں کا انبار جمع تھا، زینب نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

''ایک دن پہلے آجاؤں نا وہ بھی غنیمت سمجھیئے گا، مجھے تو اجازت مل گئی ہے یہ بھی معجزہ ہی ہے، میری جگہ اگر شاہ ہاؤس کی کوئی اور لڑکی ہوتی تو یہ اجازت بھی کبھی نہ ملتی۔'' وہ اسے حقیقت سے آشنا کر رہی تھی۔

''آپ کی ٹور ہی الگ ہے جناب! ایویں ہی تو ہم آپ کے اسیر نہیں ہو گئے۔'' تیمور خان ہنسنے لگا تھا مگر زینب کا منہ بن گیا۔

''خیر ایسی بات بھی نہیں ہے اب، ٹور میری نہیں جے کی الگ ہے، یہ میرا نہیں ان کا کارنامہ ہے۔'' تیمور اس کی بات سن کر قدرے چونکا۔

''کون جے؟''

''جہان! میرے کزن ہیں۔'' زینب کے انداز میں بے نیازی تھی مگر تیمور عجیب احساسات کا شکار ہوا تھا۔

''یہ کیسا نام ہے ''جہان۔'' اس کے لہجے و انداز میں محسوس کی جانے والی ناگواری کا تاثر تھا، زینب پرواہ کیئے بغیر ہنس دی۔

''اصل نام تو جہانگیر شاہ ہے، یہ تو سب پیار کے نام ہیں۔''

''پیار کے نام؟ آپ بھی اسے پیار سے پکارتی ہیں وائے؟'' تیمور کا لہجہ تپش بھری رقابت سمیٹ لایا جسے زینب نے انجوائے کیا تھا، بظاہر معصومیت کا تاثر دیا۔

''ہاں نا، بچپن سے عادت ہے۔''

''اپنی اس عادت کو اب بدل لیں زینب مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔'' تیمور یک بیک بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا، زینب نے کاندھے اچکا دیئے۔

''عادتیں اتنی آسانی سے کہاں بدلتی ہیں تیمور! پھر آپ ابھی مجھ پہ اپنی حکمرانی قائم مت کریں پلیز۔'' وہ کسی قدر نخوت سے بولی تو دوسری سمت تیمور خان کا چہرہ لال بھبھوکا ہونے لگا تھا، کچھ کہے بغیر اس نے رابطہ منقطع کر دیا، زینب کے اعصاب کو اس کی حرکت پہ دھچکا لگا تھا، اس کے نازک مزاج احساسات بری طرح سے ادھڑ گئے کچھ لمحوں کو وہ اس زاویئے پہ ساکن رہ گئی تھی، تیمور کی اس حرکت نے اسے توہین کے احساس میں مبتلا کیا تھا، اس نے نہ صرف سیل فون پٹخا تھا بلکہ ٹھوکر مار کر بیگ بھی الٹ دیا جس میں ابھی کچھ دیر قبل وہ بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ اپنے کپڑے رکھ رہی تھی۔

☆☆☆

چلو تم کو ملاتا ہوں میں اس مہمان سے پہلے
جو میرا جسم میری روح تھا میری جان سے پہلے
کوئی خاموش ہو جائے تو اس کی خامشی سے ڈر
سمندر چپ ہی رہتا ہے کسی طوفان سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے جی بھر کے اپنی موت کو تو دیکھ لینے دو
نکل جائے نہ میری جاں میرے ارمان سے پہلے
میری آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کا سلسلہ دیکھو
یہ مالا ٹوٹ جاتی ہے تیری مسکان سے پہلے
ہمدم ہوں میں تیرا ، یہ میرا فرض بنتا ہے
تجھے میں ہوشیار کر دوں تیرے نقصان سے پہلے

سرراہ چلتے اسے زوردار ٹھوکر لگی تھی، وہ گرتے گرتے بچی تھی، مگر کیا واقعی وہ بچ گئی تھی، اس کی ساکن نگاہوں نے ایک خوف اور وحشت کے عالم میں دوبارہ اس میگزین کو دیکھا جس کے چکنے چمکتے ہوئے رنگین ٹائٹل پہ وہ کسی اور کی نہیں نیلما کی تصویریں تھیں اور کس حد تک قابل اعتراض لباس میں بے باکی کے ریکارڈ قائم کرتے ہوئے تمام فضول پوز محفوظ کرائے گئے تھے، وہ ایک ہیجانی کیفیت کے زیر اثر آگے بڑھی اور سنہری ڈوری سے دوکان کے کاؤنٹر سے لٹکتے اس میگزین کو جھپٹنے کے انداز میں اتار کر اپنے ہاتھ میں اس انداز میں دبوچا کہ ٹائٹل پہ آویزاں تصویریں تو چھپ گئی مگر نئے نکور میگزین کی ہیئت بگڑ کر رہ گئی تھی۔

''انوہ میم اگر آپ کو یہ میگزین چاہیے تھا تو آپ ہمیں بتاتیں، شاپ کے اندر میگزین تھے، یہ تو پبلسٹی کے لئے باہر لگایا گیا ہے۔''

یقیناً اس کی یہ کارروائی گلاس ڈور کے ذریعے دوکان کے اندر موجود شاپ کیپر کی نگاہ میں آ چکی تھی جبھی تو لپک کر اس کے پاس آتے ہی کچھ ناگواری کچھ خفگی سے ٹوک کر بولا، اس کی ناپسندیدہ نگاہیں اس کے ہاتھ میں مڑے تڑے میگزین پہ تھیں جن میں اب تاسف میں در آیا تھا، ژالے نے چونک کر مگر وحشت بھری نظروں سے شاپ کیپر کو دیکھا تھا۔

''کیا کہا؟ اور بھی میگزین ہیں؟''

''جی میم! نیلما جی نے یہ جو فوٹو شوٹ کروایا ہے اس کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے، پوری مارکیٹ میں یہ میگزین صرف ہماری شاپ پہ ہی آپ کو ملے گا۔'' شاپ کیپر کے لہجے میں واضح طور پہ تفاخر تھا اسے جواب دینے کے بعد وہ آواز دے کر اپنے سیلز مین کو دوسرا میگزین باہر اسی انداز میں آویزاں کرنے کی تاکید کرنے لگا تھا ژالے کے اندر سرسراتی مجنونیت اور تلخی میں بے بسی بھی شامل ہونے لگی۔

''میری بات سنیئے پلیز۔'' شاپ کیپر کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دبے ہوئے لہجے میں چلائی تھی۔

''مجھے یہ سارے میگزین خریدنے ہیں، آپ ان کی پیکنگ کر دیجئے پلیز۔'' وہ یقیناً اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی، شاپ کیپر پہلے ٹھٹک کر پھر تحیر سے اسے دیکھا، یوں جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ کا گماں ہوا ہو۔

''سوری میم! ہم سارے میگزین ایک ساتھ سیل نہیں کر سکتے۔'' شاپ کیپر کے انداز میں یکا یک رکھائی اور بے اعتنائی در آئی، جبکہ اس کے برعکس ژالے روہانسی ہونے لگی تھی۔

''سر پلیز! دیکھیئے میں آپ کو اس کی ڈبل پے منٹ کرنے کو بھی تیار ہوں مگر.....''

''آئی تھینک آپ انہیں اپنی شاپ پہ رکھ کر سیل کرنا چاہتی ہیں، میں آپ کی آفر قبول نہیں کر سکتا میں نے بتایا نا کہ یہ میگزین صرف ہماری شاپ پہ ہے اور اس کی بہت مانگ ہے اس وقت مارکیٹ میں۔'' شاپ کیپر جھلا کر بات کرنے لگا، ژالے جو شکل وصورت اور حلیے سے ہی کسی امیر کبیر گھرانے کی دکھائی دے رہی تھی یہی وجہ تھی کہ شاپ کیپر اس کے اس قسم کے مطالبے پہ اسے ابھی تک ڈانٹنے سے گریز کر رہا تھا ورنہ اس قسم کے چالاک گاہکوں کو وہ دھتکار کر رکھ دیا کرتا تھا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب! ایسی بات نہیں ہے، میں انہیں بیچنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتی، چلیں میں آپ کو اس کے چار گنا منافع کے ساتھ پے منٹ کر دیتی ہوں مگر آپ.....'' بات کے اختتام تک آنسوؤں نے اس کی آواز پہ واضح رقت طاری کر دی تھی اور یہی وہ پل تھا جب اسے گھبراہٹ اور پریشانی میں ڈھونڈتی ہوئیں مسز آفریدی کی نگاہ اس پہ پڑی تھی۔

''ژالے آپ کیا کر رہی ہو بیٹے یہاں پہ؟'' وہ لپک کر اس کے نزدیک آئیں اور حیرت بھرا استفسار کیا تھا، ژالے نے ایک سرسری نگاہ ان پہ ڈالی اور پھر سے شاپ کیپر کو التجائی نظروں سے دیکھا تھا۔

''دیکھئے میڈیم یہ شاید آپ کی بیٹی ہیں، انہیں سمجھایئے ہمیں خوامخواہ فورس کر رہی ہیں کہ ایک ساتھ انہیں سارے میگزین سیل کر دیں۔'' جھلایا ہوا شاپ کیپر مسز آفریدی سے گویا اس کی شکایت پیش کرنے لگا، مسز آفریدی بے طرح چونکیں۔

''کون سا میگزین؟'' ان کی نگاہوں میں استفہام اتر آیا، جبکہ ژالے کا رنگ واضح طور پہ کچھ اور پھیکا پڑا تھا، اس نے غیر شعوری طور پہ ہاتھ میں پکڑے میگزین کو پشت کے پیچھے چھپایا جیسے اسے مسز آفریدی کی نگاہ سے بچانا چاہتی ہو، مگر اس کی یہ کوشش شاپ کیپر نے ناکام بنا دی، وہ اپنے سیل مین کے ہاتھوں سے پکڑ کر اسی میگزین کی دوسری کاپی مسز آفریدی کی نگاہوں کے سامنے لہرا کر بے نیازی سے بولا تھا۔

''یہ میڈیم نیلما کے فوٹو شوٹ کی تصویروں والا میگزین، فی الحال یہ صرف ہماری شاپ پہ اولے لیبل ہے۔'' اس کے لہجے میں وہی تفاخر تھا، ژالے کا زرد چہرہ بالکل سرسوں کے پھول کی طرح پیلا پڑتا چلا گیا، مسز آفریدی نے میگزین کے ٹائٹل سے نگاہ ہٹا کر ژالے کو دیکھا تھا جس کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ضبط کے باوجود موٹے موٹے آنسو لرز رہے تھے۔

''بیوٹونی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے بنی! کوئی اسی طرح بھی کرتا ہے؟'' اسے زبردستی کھینچ کر گاڑی میں لا کر بٹھایا اور شاپنگ جس کی خاطر وہ آج بڑی مشکلوں سے ٹائم نکال سکی تھیں ادھوری چھوڑ کر واپس گھر کو آتے ہوئے انہوں نے ازحد متاسف ہو کر کہا تھا، ژالے کے آنسو پلکوں کی دہلیز پھلانگ کر سرعت سے گال بھگوتے چلے گئے، وہ جیسے مزید خود پہ ضبط نہیں کر سکی تھی، گاڑی کی خاموش بوجھل فضا میں اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں۔

''پلیز بنی! ٹیک اٹ ایزی۔''

''مجھے فی الحال کوئی نصیحت مت کریں، میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔'' ژالے پھٹ پڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، اس کے یوں حلق کے بل چیخ کر دیتے جواب نے مسز آفریدی کا موڈ بری طرح آف کر دیا۔

''یہ ہرگز بھی کوئی اتنی بری بات نہیں ہے ژالے! لیکن تم ضرور اپنی حماقتوں سے لوگوں کو کچھ باور کرانے کی کوشش کرتی ہو۔'' مسز آفریدی بھی بے حد تلخ ہو کر رہ گئی تھیں۔

''ہاں ہوں میں احمق اور جذباتی، آپ کو اندازہ تو تھا میری حماقتوں کا پھر کیوں مجھ پہ اس بات کو عیاں کیا تھا؟'' وہ جس قدر ہرٹ ہوئی تھی جتنی مضطرب تھی اسی لحاظ سے زور سے چیخی تو مسز آفریدی نے اسے بے حد خفگی سے گھورا تھا۔

''ہاں یہ میری بہت بڑی غلطی ہے۔'' انہوں نے پھنکار کر جواب دیا تھا، البتہ یہ اعتراف اس کے سامنے بھی نہیں کیا کہ وہ بنا سوچے سمجھے کبھی کوئی کام نہیں کرتیں، نیلما اسے انہیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا وہ جان گئی تھیں، وہ اب جلد یا بدیر ژالے سے رابطہ ضرور کرے گی اور اس پہ حقیقت کو آشکار بھی کرنے کی کوشش کرے گی، وہ حقیقت جو مسز آفریدی ہرگز نہیں چاہتی تھیں ژالے تک پہنچے جبھی انہوں نے خود اسے ہر بات بتائی تھی مگر اپنے انداز میں کچھ اس طرح کہ ژالے کے دل میں نیلما کے لئے محبت و ہمدردی نہیں نفرت بھر دی تھی، نیلما ایک بار پھر مسز آفریدی سے جیت نہیں سکتی تھی اور یہ ہار بہت بری ہار تھی۔

☆☆☆

''ہو گئی تمہاری تیاری مکمل؟'' نوریہ نے دستک دے کر اندر جھانکا زینب ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی چوٹی کو آخری بل دے کر ربڑ بینڈ میں جکڑ رہی تھی، اسے دیکھ کر کاندھے اچکائے۔

''ہو گئی، جے نے میرا سامان گاڑی میں تو رکھوا دیا ہے نا؟'' دوپٹہ اوڑھتے ہوئے اس نے عجلت میں پیروں میں سینڈل پہنے تھے۔

''ان بیچاروں کو تمہارے کاموں سے فرصت کہاں ملتی ہے، عارضی طور پہ جا رہی ہو اس کے باوجود مجھے ان کی آنکھوں میں اداسی صاف نظر آ رہی ہے۔'' نوریہ شرارت سے مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی تو زینب نے اسے باقاعدہ گھور کر دیکھا تھا۔

''ایک تو تمہیں فضول قیاس آرائیوں کا بہت شوق ہے۔'' اس کے ناک چڑھانے پہ نوریہ ہنسنے لگی تھی۔

''قیاس آرائی نہیں حقیقت، میں نے خود ان کی آنکھوں میں اداسی دیکھی ہے۔'' نوریہ اپنی بات پہ اٹکی ہوئی تھی اور پر یقین تھی۔

''اداسی یا تشویش، مجھے اکیلے بھیجنے پہ اپ سیٹ ہوں گے۔'' وہ پہلے طنز سے بولی پھر جیسے مزا لے کر کھلکھلائی تھی۔

''تشویش کس بات کی؟ تمہیں یاد ہو تو یہ جہان بھائی ہی تھے جن کی کوششوں سے یہ ممکن ہو پایا ہے۔'' نوریہ کے جتلانے پہ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''مجھے معلوم ہے جناب! تم ان کے متعلق اتنی جذباتی مت ہوا کرو۔'' زینب کے چڑانے پہ نوریہ مسکرا دی تھی۔

''بیچارے اگر تم سے وابستہ ہوں گے تو ہمدردی ان کا حق بنتا ہے۔'' زینب نے چونک کر بلکہ

ٹھٹک کر اسے بغور دیکھا تھا۔

''کیا مطلب ہے؟'' نوریہ فی الحال سنبھلی مما سے اسے یہ بات سننے کو ضرور ملی تھی مگر ساتھ ہی یہ تاکید بھی ہوئی تھی ابھی کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، احسان بھائی نے منع کیا ہے۔

''کچھ نہیں یار میں نے کہا تھا نا وہ تم میں انوالو لگتے ہیں۔'' نوریہ نے دانستہ لہجے کو سرسری بنا کر کہا تو زینب نے سر جھٹک دیا تھا۔

''تم غلط سلط اندازے مت لگایا کرو، ایسا کچھ نہیں ہے۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا، نوریہ اسے دیکھ کر رہ گئی، وہ دونوں باہر آئیں تو گھر کے دیگر افراد لاؤنج میں جمع تھے یہاں تک کہ پھپھو اور حور یہ وغیرہ بھی اس کے جانے کا سن کر ادھر ہی چلی آئی تھیں، مما جان چونکہ زینب کے ساتھ جا رہی تھیں جبھی مکمل تیاری کے ساتھ گرم شال اوڑھے سامنے صوفے پہ بیٹھی تھیں اور وقفے وقفے سے چھینکیں تھیں۔

''مجھے تو لگتا ہے مما جان کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ نے خوامخواہ انہیں مشقت میں ڈال دیا ہے۔'' زینب نے کسی قدر جھلا کر کہا تو جہان نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی تھی، ٹی پنک جدید تراش خراش کے اسٹائلش سے لباس میں ہمرنگ بڑا سا دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے وہ کچھ خفا سی لگی تھی۔

''تم ایسے ہی جاؤ گی؟ چادر اوڑھ لو کوئی اتنی سردی ہے۔'' جہان نے اس کے بار بار سرکتے ریشمی دوپٹے سے نگاہیں ہٹا کر ایک طرح سے ٹوکا تھا، زینب نے کسی قدر خفگی سے اسے دیکھا۔

''گاڑی کا ہیٹر آن ہو گا ڈونٹ وری۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی تو مما نے اسے ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔

''جو کہا ہے تمہیں وہ کیا کرو زینی! تم سے وضاحت نہیں مانگی جاؤ اپنی شال لے کر آؤ۔'' زینب جیسے ایکدم روہانسی ہو گئی تھی، اس نے کھا جانے والی نظروں سے جہان کو گھورا تھا۔

''معاذ بھائی کی روح آپ میں بھی گھس آئی ہے، بس کمی محسوس نہ ہونے دیجئے گا ان کی۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے گئی تھی، کچھ دیر بعد واپس آئی تو لاؤنج میں جہان کے سوا اور کوئی نہیں تھا وہ کچھ حیران سی ہو کر رہ گئی۔

''یہ سب لوگ کدھر غائب ہو گئے؟'' جہان چونکا پھر طویل سانس کھینچ کر بولا تھا۔

''پورٹیکو میں چلے گئے ہیں تم بھی جاؤ۔'' زینب نے نگاہ بھر کے اسے دھیان سے دیکھا، نوریہ کے بقول وہ واقعی معمول سے کچھ زیادہ خاموش اور سنجیدہ نظر آ رہا تھا اس کے اندر فطری تجسس جاگ اٹھا۔

''آپ نہیں چلیں گے جے، ہمیں چھوڑنے؟''

''یہ چند قدم کا تو فاصلہ ہے، خیر چلو میں چلتا ہوں ساتھ۔'' جہان آہستگی سے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ چاہتے تو یہ سفر طویل بھی ہو سکتا تھا جے!'' وہ ایک دم بے حد گہری بات سرسری سے انداز میں کہہ گئی، جہان کو جھٹکا لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا مطلب؟'' وہ چلتے ہوئے رک کر اسے حیرانی سے دیکھنے لگا، زینب نے دانستہ اپنے چہرے پہ لاتعلقی و بے نیازی سجالی۔

''مطلب آپ ہمیں وہاں چھوڑنے بھی تو جاسکتے تھے۔''

''ہاں مگر مجھے بہت ضروری کام ہے ارجنٹلی یہاں ہے۔'' وہ رسان سے بولا تو زینب اندر سے اس کے ایک بار پھر خود کو عیاں نہ ہونے دینے پہ جتنا بھی جھنجھلائی ہو بظاہر بے نیازی سے کاندھے جھٹک دیئے تھے۔

(تم پتھر ہو جے! اور میں احمق نہیں ہوں کہ ساری زندگی تم سے اپنا سر پھوڑوں)۔

''اپنا بہت خیال رکھنا، کانیکٹ میں رہنا او کے؟ میں خود بھی فون کرلیا کروں گا۔'' اس کے خیالات اور سوچوں کے برعکس وہ اسے تاکید کررہا تھا۔

''آپ کے پاس اتنا ٹائم ہوگا کہ مجھے کال کرسکیں یا پھر میرا فون سن سکیں؟ میں تو حیران ہوں آپ اس وقت گھر پہ کیسے نظر آرہے ہیں؟'' اس کے لہجے میں ہلکی سی کاٹ تھی، جہان نے اس کے شکوے کو سمجھا تھا اور آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

(ایک وقت وہ بھی آئے گا جب میری توجہ کے تمام ارتکاز تمہاری جانب ہوں گے میری اتنی توجہ تمہیں بوکھلا دے گی مگر اس دن میں تمہیں ہر لحاظ سے حیران کروں گا۔)

''اب مسکرانا کیوں شروع کردیا میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں؟'' وہ جل بھن اٹھی تھی، جہان نے سنبھل کر اسے دیکھا۔

''تمہارے درست قیاس پہ ہنسی آرہی ہے، ہوسکتا ہے تم فون کرو اور میں اتنا بزی ہوں کہ کال پک نہ کرسکوں۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور زینب کی جان جل کر خاک ہوگئی تھی۔

''جی نہیں میں اتنی فضول نہیں ہوں کہ آپ کو فون کرتی پھروں سمجھے آپ؟'' اس نے تنک کر کہا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ کر گاڑی میں جا بیٹھی، جہان وہیں برآمدے میں رک کے ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور زینب کی گاڑی کو اسٹارٹ ہونے کے بعد گیٹ سے باہر نکلتے دیکھتا رہا تھا، جانے کیوں جیسے جیسے گاڑی نگاہوں سے اوجھل ہوتی گئی جہان کا دل جیسے یاسیت کی گہری دھند میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

سفر چونکہ بے حد طویل تھا جبھی زینب نے مما جان کو سیٹ پہ لیٹنے کی تاکید کی تھی، ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی انہوں نے پس وپیش کیے بغیر یہ تجویز مان لی تھی، یہ پپا کی پراڈو تھی جسے ان کا قابل بھروسہ ڈرائیور چلا رہا تھا، زینب جو لاسٹ ٹائم فون پہ ہی تیمور خان سے سخت خفا ہوگئی تھی اس کی خوب منت سماجت کے بعد جا کے مانی تھی اور شادی میں شریک ہونے پہ آمادہ ہوئی تھی، تیمور خان تو اس بات پہ مصر تھا کہ وہ خود انہیں لینے کے لئے کراچی آئے گا مگر زینب جو اس سارے معاملے میں بے حد محتاط تھی اس کام کی تیمور کو ہرگز اجازت نہیں دے سکتی تھی، تیمور خان ایسا شخص تھا جو اس کی محبت سے بڑھ کر اس کا انتخاب تھا جسے وہ کسی بھی قیمت پہ کھونا نہیں چاہتی تھی اور وہ جانتی تھی اس کی ذرا سی بے احتیاطی معاملہ بگاڑ سکتی ہے تیمور خان میں وہ سب تھا جو زینب کے لئے

کشش کا باعث تھا، اس کا سیل اس کے کوٹ کی جیب میں وائبریٹ کرنے لگا تھا اس نے ایک نگاہ مما جان کو دیکھا جو کروٹ بدلے لیٹی تھیں پھر کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر سیل فون باہر نکال لیا، تیمور کی کال تھی جسے اس نے ڈسکنکٹ کردیا تھا اور اس کے نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

''میں گاڑی میں ہوں، مما جان میرے ساتھ ہیں، فون پہ بات نہیں کرسکتی۔'' اگلے لمحے تیمور کا جوابی ٹیکسٹ موصول ہوگیا تھا۔

''اوہ یہ پابندیاں، خیر میں تمہارا شدت سے منتظر ہوں، یہاں تمہارے استقبال کی سب تیاریاں مکمل ہیں۔'' زینب نے میسج پڑھا اور کھل کر مسکرا دی۔

''زرالے کیسی ہے؟'' اس نے پھر میسج کیا تھا، فراغت میں آخر کچھ تو کرنا تھا۔

''یہ تم زرالے سے پوچھنا، مجھ سے پوچھو میں کیسا ہوں؟'' تیمور خان نے جوری پلائی دیا اسے پڑھ کر زینب کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

''چلیں بتائیں آپ کیسے ہیں؟'' اس کے الفاظ سے شوخی کا رنگ چھلکا تھا۔

تم بن بے کل ، ادھورا ، اداس اور مضطرب
لڑکی اپنی ضد چھوڑ دو اور میری یہ تنہائیاں دور کردو

تیمور خان نے پھر اپنا تقاضا دہرایا اور زینب نے پھر وہی بے نیازی اوڑھ لی، اس نے سیل فون واپس کوٹ کی جیب میں ڈال دیا، پتہ نہیں کیوں اسے اس پل جہان کا خیال آگیا تھا، تیمور خان کے برعکس وہ جذبات کو آشکار کرنے میں کس درجے بے نیاز تھا۔

''اللہ جانے اس کے دل میں کیا ہے؟'' اس نے ہزاروں بار کی سوچی بات کو سوچا۔

''کیا یہ کسی سے محبت بھی کرتا ہوگا؟ اور جب اس سے اظہار کرے گا تو.....تو.....'' وہ کہیں دور گم ہونے لگی، گاڑی کو جھٹکا لگا تھا تب وہ چونکی اور گہرا سانس بھر کے سر جھٹک دیا۔

''زینی بیٹے! آپ بھی ذرا لیٹ جاؤ آرام کرلو گی تو سفر بھی آسانی سے کٹ جائے گا اور منزل پہ پہنچنے تک فریش بھی ہوجاؤ گی۔'' مما جان نے کروٹ بدلی تھی اور اسے بیٹھے دیکھ کر تاکید کی، وہ کچھ چونک سی گئی۔

ہاں یہ فریش نس تو بے حد اہم تھی اس کے لئے آخر تیمور خان ہی نہیں اس کی پوری فیملی سے وہ ایک خاص حوالے سے ملنے والی تھی، تیمور خان اسے اپنی والدہ سے اپنی پسند کے طور پہ ملوانے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے تھا۔

''کرامت چچا آپ کو چائے چاہیے تو بتا دیں میں نکال دیتی ہوں مگ میں۔'' اس نے کچھ سوچ کر ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا، انہوں نے نفی میں جواب دیا تھا تب زینب اپنی چادر اوپر پھیلا کر نیم دراز ہوگئی تھی، اس کا سیل کوٹ کی جیب میں بار بار وائبریٹ کرتا تھا مگر اس نے دانستہ تغافل برتے رکھا اور کچھ دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں جا پہنچی تھی، دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو مما جان جاگ چکی تھیں اور تھرموس سے خود چائے نکال کر پینے میں مصروف تھیں اسے اٹھتے دیکھ کر مسکرائیں تھیں۔

''تم تو بہت سوئیں سفر تقریباً ختم ہونے والا ہے، چائے کے ساتھ کچھ کھالو بھوک لگی ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کی بات پہ زینب نے جمائی لیتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھا، پیچھے کی طرف بھاگتے درختوں کی قطاریں سرسبز بلند و بالا پہاڑ اور نیلا آسمان، باہر کی منظر ہی نرالا تھا، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گاڑی کے بند شیشوں سے ٹکرا کر انہیں دھندلا کر رہے تھے، گاڑی اونچے نیچے راستوں سے گزرتی وادی کے قریب تر ہوتی جا رہی تھی، اس کا دل جانے کس کس سوچ اور خیال کے زیر اثر بے تحاشا دھڑک اٹھا، زینب نے کھڑکی کا شیشہ ذرا سا کھولا تو ٹھنڈی یخ بستہ مگر شفتالو اور خوبانیوں کی مہک سے لبریز ہوا کے جھونکے سرعت سے اندر گھس آئے، اس نے گہرا سانس بھر کے اس خوشبو کو جی بھر کے اندر اتارا اور مسکرا دی، اطراف میں ہر منظر پہلے سے بڑھ کر حسین اور گم کر دینے والا تھا، اونچے پہاڑ سے شور مچاتا ہوا چشمہ بہہ رہا تھا جو مختلف پتھروں سے ٹکرا کر منقسم ہو جاتا، تھوڑا سا فاصلہ طے ہوا تو پرشور ندی نے اس کی توجہ کھینچ لی، جس کے اوپر فضا میں جھولتا ہوا پل تھا جسے لکڑی کے تختوں کو رسی کی مدد سے مضبوطی سے باندھ کر بنایا گیا تھا، اس پہ چلنے کا تجربہ یقیناً بہت سنسنی خیز ثابت ہوتا، اس نے اسی وقت اس پل کو عبور کرنے کا بھی فیصلہ کیا تھا، وہ اسی طرح کھڑکی کے شیشے سے چپکا ئے وادی کی خوبصورتی میں محو تھی جب ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی، اس نے چونک کر سامنے دیکھا، بلند و بالا پرشکوہ حویلی کی سرخ عمارت پوری شان سے اس خوبصورت ماحول میں سر اٹھائے ایستادہ تھی، مدھم ہوتا سورج اپنی تابناکی حویلی کے عقب میں دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا، اس کا نارنجی رنگ حویلی کو ہی نہیں پورے ماحول کو اپنے رنگ میں رنگ رہا تھا، عین اسی پل گیٹ کھل گیا تھا اور ایک مستعد ملازم لمبے تڑنگے وجیہہ و شاندار تیمور خان کی معیت میں پراڈو کی سمت آتا نظر آیا، زینب نے دیکھا تھا اور ایک تفاخر آمیز مسکان اس کے ہونٹوں پہ بکھرتی چلی گئی تھی، تیمور خان نے ان کے ڈرائیور سے کچھ کہا تھا اور گاڑی ایک بار پھر حرکت میں آ گئی اور کھلے گیٹ سے سبک رفتاری سے ڈرائیو وے پہ پھیلتی حویلی کے پورچ میں جا کر تھم گئی، گاڑی کے رکتے ہی تیمور خان جو تب تک خود بھی پورچ میں پہنچ چکا تھا گاڑی کے نزدیک آیا اور ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا، وہ مما جان کو سلام کرنے کے بعد بہت تعظیم سے ان کے آگے جھکا تھا، ان سے احوال دریافت کرتے سے اس کی شوخ متبسم اور شرارتی نظریں زنیب کی سمت اٹھی تھیں، ان نگاہوں میں اس درجہ معنی خیزی تھی کہ زینب کے چہرے پہ گویا اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر اکٹھا ہو گیا۔

''شہزادہ عالم اپنی مستقبل کی ملکہ کو اپنی راج دھانی میں خوش آمدید کہتے ہیں۔'' مما جان سے علیک سلیک کے بعد وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تو تمام تر شوخی سے اسے مخاطب کیا تھا گو کہ آواز سرگوشی سے مشابہہ تھی پھر بھی زینب نے سٹپٹا کر پہلے مما جان کو دیکھا پھر اسے خفیف سا گھورا تھا اور سر گھما کر اس کی حویلی کے وسیع و عریض اور شاندار لان کو ستائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''زرلالے کدھر ہے؟''

''کیا ہمارا استقبال آپ کو اپنے شایان شان نہیں لگا تو پھولوں کے ہار پہناؤں؟ ویسے یہ کام ہم نے شادی کے وقت کے لئے اٹھا رکھا تھا۔'' اس کی نگاہیں بھی اس کے لہجے کی طرح بہکنے لگیں، زینب کچھ اور بھی جھینپ کر رہ گئی، مما جان کا ہاتھ تھامے وہ تیمور خان کی معیت میں اندرونی حصے کی جانب آئی تو اس کی نگاہوں میں واضح طور پہ پسندیدگی کی گہری جھلک تھی، تیمور خان کی حویلی اس

کی سوچ سے کہیں بڑھ کر شاندار تھی اور اس کے ٹھاٹ کے تو کیا ہی کہنے تھے، ایک وقت میں اس کے پورچ میں چار چار گاڑیاں کھڑی تھیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، پراڈو، ایم بی ڈبلیو، مرسڈیز اور اوپن جیپ، زینب کو اپنے انتخاب پہ ایک اطمینان ایک فخر کا احساس دامن گیر ہونے لگا، خوبصورت منقش چوبی دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی زینب کو بے اختیار تھم جانا پڑا تھا، زرلالے خوشی سے چلائی ایکدم سے اس کے گلے آ لگی تھی۔

''مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا ہے زینی کہ تم آ گئی ہو؟'' زینب مسکرا دی۔

''یہ مما جان ہیں، میری تائی ماں!'' اس نے مما کا تعارف کروایا۔

''یوں کہو نا میرے لالہ کی ساسو ماں ہیں۔'' مما جان کو سلام کرنے کے بعد وہ اس کے کان میں گھس کر کھلکھلائی تو زینب نے جھینپ کر اسے دھپ لگا دی تھی۔

☆☆☆

کوئی تم سے پوچھے کون ہوں میں
تم کہہ دینا کوئی خاص نہیں
اک دوست ہے کچا پکا سا
اک جھوٹ ہے آدھا سچا سا
اک خواب ادھورا پورا سا
اک پھول ہے روکھا سوکھا سا
اک سپنا ہے بن سوچا سا
اک اپنا ہے ان دیکھا سا
اک رشتہ ہے انجانا سا
حقیقت میں افسانہ سا
کچھ پاگل سا، دیوانہ سا
سب ایک بہانہ اچھا سا
جیوان کا ایسا ساتھی ہے
جو دور ہو تو کچھ پاس نہیں
کوئی تم سے پوچھے کون ہوں میں
تم کہہ دینا کچھ خاص نہیں

اس نے ایک طویل سانس کھینچا اور فضا میں موجود خنکی کو محسوس کرتے ہوئے پلٹ کر انیکسی کے بند دروازے کو دیکھنے لگی، آج انیکسی کے کچن پہ کشمالہ اور اس کی ماں کی اجارہ داری تھی، کل جانے کس رو میں وہ ان کے سامنے اپنی سالگرہ کا تذکرہ کر بیٹھیں تھی اور ان دونوں سادہ دل اور پرخلوص خواتین نے آج اس کی سالگرہ پہ اہتمام کرنے کا سوچ لیا تھا، وہ ان کی یکسر اجنبی اور بیگانے لوگوں کی محبتوں کی بھی مقروض ہوتی جا رہی تھی، صبح کشمالہ نے اسے ڈھیر سارے پھول دے کر وش کیا تھا اور بہت فرمائش کر کے اس کی وارڈ روب سے اپنی پسند کا سوٹ اس کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منتخب کیا تھا، پرنیاں اس کا دل توڑنے کا حوصلہ نہیں کر پائی تھی، حالانکہ وہ سفید رنگ بہت کم پہنتی تھی، کشمالہ نے جو سوٹ اس کے لئے نکالا تھا وہ سفید رنگ کا ہی تھا جس کی شرٹ پہ سفید ہی موی موتیوں کا بہت نفیس کام بنا ہوا تھا، باتھ لینے کے بعد اس نے لباس بدلا تھا اور خود دھوپ میں بیٹھنے کی غرض سے لان میں چلی آئی تھی، آج سے پہلے اس کی زندگی میں یہ دن ہمیشہ بہت اہمیت کا حامل رہا تھا، اس کی سالگرہ چونکہ چھٹیوں میں آتی تھی جبھی اس نے ددا کے ساتھ بہت اہتمام سے سیلیبریٹ کی تھی، ددا ہر مرتبہ اسے بہت خاص گفٹ سے نوازا کرتے، پچھلے سال انہوں نے اپنی تمام زمینی جائیداد اور حویلی اس کے نام کر دی تھی اور جب ان تمام ڈاکومنٹس کی فائل ددا نے اپنی بے غرض دعاؤں کے ساتھ اسے پیش کی تھی تو وہ ان سے جھگڑنے لگی تھی۔

''یہ کیا کیا ہے آپ نے؟ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں؟''

''تم نہیں مگر مجھے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے بیٹے! تم اٹھارہ سال کی ہو گئی ہو اور مجھے اس وقت کا انتظار تھا کب سے، کاش اب اپنی زندگی میں ہی تمہیں بیاہ بھی دوں تو سکون سے مروں گا۔'' ان کی بات پہ پرنیاں کی خفگی دلگیری اور اضطراب میں بدل گئی تھی۔

''آج کے دن اگر آپ ایسی باتیں کریں گے ددا تو میں رونے لگوں گی۔''

''یہ تو خوش آئندہ باتیں ہیں ددا کی جان! دیکھنا تمہارا دولہا کتنا خوبصورت ہو گا تم سے بھی زیادہ۔'' انہوں نے اسے بہلانا چاہا تھا اور اس نے منہ بسور لیا تھا۔

''میرے نزدیک خوبصورتی سے زیادہ خوب سیرتی اہم ہے ددا، یہ کیا کہ بندہ خوبصورت ہی ہو خالی خولی اور خوبی نام کو نہ ہو، ایسے لوگ اپنے حسن کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں اکثر۔'' اس کی بات سے ددا متفق نہیں ہوئے تھے۔

''میری پوتی اتنی حسین ہے کہ کوئی اسے دیکھ کر محبت کیے بنا رہ ہی نہیں سکتا۔'' کیسا یقین تھا ان کے لہجے میں تب جو بری طرح سے ٹوٹ گیا تھا، پرنیاں نے نم آنکھوں کو صاف کیا اور اس بات سے یکسر انجان رہی کہ اپنے دھیان میں گاڑی پورٹیکو میں روک کر اس سمت آتے جہان نے اسے دیکھا ہے اور ٹھٹک کر تھم گیا ہے، سفید لباس نے اس کے شعاعیں بکھیرتے خیرہ کن حسن کی تابناکی کو کچھ اور بھی اجاگر کر دیا تھا، کرسی کی پشت سے نیچے تک جاتا اس کے سیاہ ریشمی بالوں کا مہکتا آبشار ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنیوں میں کچھ اور بھی حسین نظر آ رہا تھا، وہ ترچھے زاویے سے بیٹھی تھی اور سنگ مرمر کے ایک حسین مجسمے کی مانند ساکن تھی، جہان نگاہوں میں الجھن لئے بے اختیار آگے بڑھ آیا تھا، وہ جانے کس سوچ میں تھی کہ جہان کو اسے متوجہ کرنے کو باقاعدہ کھنکھارنا پڑا تھا، وہ چونکی تھی اور پھر گھبرا کر ایک دم سر و قد کھڑی ہو گئی اور جیسے اس کے سراپے کی تمام خوبصورتی آشکار ہو گئی، اسی پل ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس کے کھلے بال پیچھے کی سمت اڑنے لگے، جہان تو اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

جہان کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا، اسے محض ایک لمحہ لگا تھا سمجھنے میں کہ وہ پرنیاں ہے، وہ ان سب تعریفوں سے کہیں بڑھ کر دلکش اور متاثر کن حسن کی مالک تھی جو وہ اس کے متعلق سن چکا تھا، اس کی نگاہوں میں واضح ستائش تھی۔

''السلام علیکم!'' جہان نے مسکرا کر خوشدلی اور اپنائیت آمیز انداز میں اس پہ سلامتی بھیجی تھی، پرنیاں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''وعلیکم السلام! آئی ایم ساری میں آپ کو.....؟'' اس نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا، اتنا تو بہر حال وہ سمجھ گئی تھی آنے والے کا تعلق شاہ ہاؤس سے ہے۔

''جہان! آئی مین جہانگیر شاہ، آپ پرنیاں بھابھی ہیں میں جانتا ہوں۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوا جبکہ پرنیاں اپنے نام کے ساتھ بھابھی کا اضافہ ہوتا دیکھ کر کچھ خاموش سی رہ گئی۔

''کیسی ہیں آپ؟ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر اور اسے پلیز ایک رسمی جملہ نہیں سمجھیئے گا۔'' اس کے لہجے و انداز کی اپنائیت و خوشدلی کا وہی عالم تھا، پرنیاں نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ایک نظر اسے دیکھا۔

''پلیز تشریف رکھیئے، میں چائے لاتی ہوں آپ کے لئے۔'' پرنیاں کو خود کو سنبھالنا پڑا تھا، جہان بہت دھیان سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔

''یہاں سردی بہت زیادہ ہے، میں آپ کے ساتھ اندر چلتا ہوں۔'' جہان نے اسی بے تکلفی سے کہا تھا جو کم از کم وہ پہلی ملاقات میں کسی سے بھی برتنے کا عادی نہیں تھا مگر پرنیاں کی بات الگ تھی، وہ معاذ کے حوالے سے اس کے لئے بے حد اہمیت اختیار کر گئی تھی، پھر بعد کے جو حالات تھے وہ پرنیاں کے لئے اپنے دل میں بہت نرم گوشہ اور دلی ہمدردی محسوس کرتا رہا تھا۔

''شیور! پلیز آیئے۔'' پرنیاں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور وہاں سے پلٹ کر انیکسی کی جانب آ گئی، جہاں کچن سے کشمالہ شاید فارغ ہو چکی تھی، جہان کو دیکھا تو بہت تپاک سے سلام کیا تھا، جہان نے مسکرا کر نرمی و خوشدلی سے جس طرح سلام کا جواب دیا اور اس کی خیریت پوچھی اس سے پرنیاں نے اندازہ کیا تھا وہ اکثر وہاں آتا جاتا رہا تھا۔

''بہت اچھا کیا صاحب آپ آ گئے آج تو ہم بی بی صاحبہ کی سالگرہ منا رہے ہیں۔'' کشمالہ کی بات پہ جہاں پرنیاں گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی وہاں جہان نے خوشگواریت کے احساس میں مبتلا ہو کر بے ساختہ پرنیاں کو دیکھا جس کے سپاٹ چہرے پہ کچھ خاص تاثر نہیں تھا، جبکہ جہان بے ساختہ مسکرا دیا تھا اس حسین اتفاق پہ کیونکہ آج ہی معاذ حسن کی بھی برتھ ڈے تھی اور وہ اس دن کو ہمیشہ کی طرح پھر بھول گیا تھا، وہ تو معاذ نے اس کا ہمیشہ کی طرح دماغ کھا کر زبردستی خود کو وش کروایا تھا اور پھر اس سے گفٹ کا تقاضا کرتا رہا تھا۔

''میں بھلا اتنی دور سے اب تمہیں کیا گفٹ دوں؟'' وہ اس کے مطالبے پہ حیران ہونے لگا تھا۔

''اتنا مشکل بھی نہیں ہے اگر دینا چاہو تو، مگر تم ازل سے ہی کنجوس ہو۔'' اور جہان اس کی اس الزام تراشی پہ ہنستا رہا تھا۔

''یہ تو میرے لئے سرپرائز ہے، امیزنگ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کے لئے گفٹ لے کر آتا، بہر حال بہت مبارک ہو آپ کو، آپ کا گفٹ مجھ پہ ڈیو رہا۔'' جہان نے بہت خلوص اور محبت سے کہا تھا، پرنیاں جیسے مرونا مسکرائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے آپ کن تکلفات میں پڑ رہے ہیں بھائی صاحب! میں سیلبریٹ تھوڑی کر رہی ہوں۔" اس کا لہجہ و انداز پر تکلف تھا، جہان کی اتنی اپنائیت اور خلوص کے باوجود وہ جیسے ایک خول میں بند تھی، جہان کو اس کے گریز کی وجہ بہت اچھی طرح سے پتہ تھی، وہ جس کیفیت سے گزر رہی تھی وہ بہت کرب آمیز تھی، اپنے مستقبل کے حوالے سے وہ پر یقین نہیں تھی، جہان کو اس نازک سی لڑکی کے حوصلوں، بردباری اور وقار بھرے انداز نے از حد متاثر کیا تھا۔

"تکلف کیسا؟ آپ کا گفٹ تو بنتا ہی تھا، سالگرہ کا نہ سہی منہ دکھائی کا سہی، معاذ سے بڑا ہوں تو جیٹھ ہوا آپ کا۔" اس نے دانستہ گفتگو کی نوعیت بدلی تھی مگر پرنیاں کے چہرے پہ لرزتے تاریک سایوں کو دیکھتے اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا، وہ اتنا متاسف ہوا کہ ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، پرنیاں نے اسی خاموشی کے ساتھ چائے کے ساتھ دیگر لوازمات جو اس نے تیار کیے تھے اس کے سامنے چن دیئے، تب وہ چونکا تھا اور ایک بے حد محتاط نگاہ اس کے بے حد دلکش و دلربا چہرے پہ ڈالی تھی۔

"آپ چائے نہیں لیں گی؟" جہان نے حیرت سے ایک مگ میں چائے دیکھی، تو پرنیاں چونکی۔

"میں دن میں ایک بار چائے پیتی ہوں اور وہ آج ناشتے میں پی لی ہے۔" اس کے جواب پہ جہان کے چہرے پہ مایوسی چھا گئی۔

"اچھا!" وہ بے دلی سے بولا۔

"مجھے تو اکیلے چائے پینا اچھا بھی نہیں لگتا۔"

"اچھا یہ بات تھی تو پھر آپ مجھے پہلے بتا دیتے بھائی! اگین سوری مجھے خیال نہیں رہا۔" پرنیاں واقعی ہی شرمندہ ہو کر رہ گئی تو جہان مسکرایا تھا۔

"چلیں خیر آپ محسوس نہ کریں میں یہ چائے پی لوں تو پھر بیکری سے کیک لے کر آتا ہوں۔" اس کی اگلی بات پہ پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"شام بہت گہری ہو رہی ہے جہان بھائی! آپ کہاں معمولی بات کے لئے خوار ہوتے پھریں گے۔" جہان نے چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کچھ دھیان سے مگر شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا آپ مجھے اپنی برتھ ڈے کا کھانا کھلائے بغیر ہی ٹرخانا چاہتی ہیں؟" وہ منہ بنا کر بولا تو پرنیاں بوکھلائی تھی۔

"ایسی بات کب کی میں نے بھائی؟" اس کی سٹپٹاہٹ پہ جہان نے مزا لیا تھا اور بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"دیکھا ڈر گئی نا آپ! سسرالی رشتوں کو غالباً آپ بھی خونخوار سمجھتی ہیں۔" جہان کی اس لفظی چھیڑ چھاڑ نے پرنیاں کو جھینپ کر سرخ کر ڈالا، خفت اور حیا کی لالی نے اس کے چہرے کا حصار کیا تو شرم کا حسن اس کی خوبصورتی کو دو آتشہ کر گیا، جہان نے اس مبہوت کر دینے والے منظر سے سرعت سے نگاہ چھڑائی۔

(تیری خیر نہیں ہے معاذ پتر! مجھے لگتا ہے تو اپنی ضد اور اپنی باتوں پہ پچھتانے والا ہے عنقریب) اسے پکا یقین ہوا تھا۔

"میں چلتا ہوں بھابھی! ایک آدھ گھنٹے تک واپس آجاؤں گا، مجھے رات یہیں گزارنی ہے پھر آپ سے باتیں ہوں گی، ایکچوئلی یہاں آفیشلی کام کی غرض سے آیا تھا میں۔"

"جی ٹھیک ہے، کھانا یہیں کھائیے گا بھائی میں ویٹ کروں گی آپ کا۔" پرنیاں نے بھرپور خلوص کا مظاہرہ کیا اور اس آدھے گھنٹے کی اس ملاقات میں یہ احساس پہلی مرتبہ جہان نے محسوس کیا تھا جبھی اسے خوشگوار قسم کے احساس نے چھوا تھا۔

"مائی پلیشر را!" وہ دل آویز انداز میں مسکرایا اور ذرا سا جھکا اور اسے تعظیم دی تھی پرنیاں کچھ خفیف سی ہو گئی، جہاں فارم ہاؤس سے باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تو جانے کس خیال کے تحت اس نے معاذ حسن کا نمبر ڈائل کرنا چاہا تھا کہ اس پل معاذ کا فون آ گیا۔

"کیسے ہو جان من!" وہ چہکا تو معاذ حیران رہ گیا تھا۔

"خیریت بڑا خوشگوار موڈ ہے۔"

"الحمدللہ تم سناؤ کیسے یاد کیا، یونو میں تمہیں ہی کال کرنے لگا تھا۔" اس اطلاع نے معاذ کو جیسے کچھ اور بھی حیرانی میں مبتلا کر دیا۔

"اب تمہاری خوشی میں کوئی شک نہیں رہا مجھے، وجہ بتاؤ جے!" معاذ کی بات پہ جہان دل سے ہنسا تھا اور کتنی دیر ہنستا رہا، پھر کسی قدر شوخی سے بولا تھا۔

"ضروری تو نہیں میری خوشی تمہاری خوشی کی بھی وجہ ہو۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" معاذ نے اسے ڈانٹا تھا۔

"ہے نا، تم کوئی اور بات کرو اس موضوع پہ میں تم سے بات نہ کرنے کا عہد کر چکا ہوں۔" جہان نے اب کے دانستہ نخوت سے کہا تو معاذ اسی پل کھٹک گیا تھا۔

"کون سی بات؟ بتاؤ مجھے؟"

"کچھ نہیں یار! میں فارم ہاؤس آیا ہوا ہوں۔"

"خیریت سے؟"

"ہاں مل کے لیبرز کو سیلری بھی دینا تھی نا آج کچھ حساب کتاب بھی کرنا تھے۔"

"وہ ابھی تک وہیں ہو گی؟" معاذ نے سرد لہجے میں استفسار کیا تو جہان نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

"کون بھابھی؟ ہاں ان کی چھٹیاں ہیں نا ابھی، بہت ہٹ دھرمی اور اکڑ ہے پپا کی منتخب کردہ محترمہ میں، اگر میں یہاں ہوتا تو ایک بار ذرا دماغ درست کر دیتا لازمی۔" وہ پھنکارتے ہوئے بولا تھا۔

"خیر مجھے ہمیشہ یہاں تو نہیں رہنا، آ کے پوچھوں گا، سارا کروفر ناک کے رستے باہر نہ نکال دیا تو کہنا اور تمہیں منع بھی کیا تھا اسے بھابھی کہنے کی ضرورت نہیں۔" آخر میں اس کا لہجہ غراہٹ زدہ ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو وقت بتائے گا بچو کہ کون کس کا کروفر نکالتا ہے، مجھے تو ابھی سے تم پہ رحم آرہا ہے۔''
جہان نے جیسے مزا لیا مگر معاذ کوتپ چڑھ گئی تھی۔
''آج بھابھی کی بھی برتھ ڈے ہے، میں انہیں وش کر چکا ہوں، سیلبریشن کرنے کا بھی ارادہ ہے۔'' جہان کی بات سن کر معاذ جیسے سناٹے میں گھر گیا۔
''دماغ درست ہے تمہارا؟ کوئی ضرورت نہیں ہے اسے اتنی اہمیت دینے کی سمجھے؟ اور تم اس سے ملے کیوں؟'' وہ ضبط کھو کر چیخ پڑا تھا، جہان نے تحمل سے اس کی بات سنی تھی۔
''تم کیا انہیں شرعی پردہ کرانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ٹھیک ہے میں اب ان سے نہیں ملتا۔''
''جے..... جے! میں بری طرح پیش آؤں گا کوئی ضرورت نہیں اسے سر چڑھانے کی۔'' وہ کلس کلس کر کہنے لگا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔
''معاذ وہ میرے لئے بے حد قابل احترام ہیں، تم سننا نہیں چاہتے ورنہ میں تمہیں بتاتا کہ وہ کس درجہ ڈیسنٹ اور.....''
''الف جے! پلیز دس از ٹو مچ۔'' وہ بھنچے ہوئے لہجے میں بولا تھا اور اگلے ہی لمحے سلسلہ منقطع کر دیا، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا، بے حد خوبصورت، چمک دار اور روشن صبح اسے خوش آمدید کہہ رہی تھی، کل انہیں پہنچتے شام ہوگئی تھی پھر اس کے بعد سب سے ملنا ملانا اور ان کی بہترین ضیافت زینب نے یہ بات واضح محسوس کی تھی کہ اسے اور مما جان کو تمام مہمانوں سے بڑھ کر خصوصی پروٹوکول سے نوازا جارہا تھا تو وجہ محض زرلالے نہیں تھی تیمور کا اپنا حوالہ تھا، گو کہ ان کے ہاں مردانہ اور زنان خانہ الگ الگ تھا مگر اس کے باوجود تیمور خان کل سے بہانے بہانے کتنے چکر زنان خانے کے لگا چکا تھا اور ہر بار اس کی نگاہیں زینب کے چہرے کا ہی طواف کرتی رہی تھیں، کھانے کے بعد زینب کا ارادہ سونے کا تھا مگر زرلالے اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی تھی، مایوں کی رسم کی ادائیگی کے دوران وہ اسے اپنے سب رشتہ داروں سے بھی متعارف کراتی رہی تھی، پھر وہ اسے ہاتھ پکڑ کر جب اپنی اماں کے کمرے میں لائی تو زینب اس کی والدہ کو دیکھ کر حیران ہوگئی تھی، جب وہ لوگ حویلی پہنچے تھے تب تیمور کے ساتھ اس کے بابا نے بھی انہیں خوش آمدید کہا تھا اور وہ تیمور کی طرح دراز قد اور بے حد وجیہہ پرسنالٹی کے مالک تھے ان کے برعکس زرلالے کی والدہ نہ صرف اس کے بابا سے دگنی عمر کی تھی بلکہ بے حد خاموش اور ملول سی نظر آئی تھیں۔
''اماں جان یہ زینب ہے۔'' جس پل زرلالے اس کا تعارف ان سے کروا رہی تھی تیمور خان بھی وہاں چلا آیا تھا۔
''یہ وہی زینب ہے اماں جانی جس کے متعلق میں نے آپ کو بتایا تھا۔'' تیمور خان کے تعارف مکمل کرنے پہ زینب کی گردن میں کچھ اور اکڑ پیدا ہوگئی تھی، وہ اپنی خوبصورتی سے بہت اچھی طرح سے آگاہ تھی پھر یہاں تو اسے خصوصی طور پہ منتخب کیا گیا تھا۔
''جیتی رہو، خوش رہو۔'' انہوں نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ دیا تھا تو زینب کی نگاہ

تیمور کی سمت اٹھی تھی وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا نگاہ چار ہوتے ہی بھرپور انداز میں مسکرایا، زینب کچھ جھینپ گئی تھی، تیمور نے اپنا پہلا وعدہ پورا کر دیا تھا کہ تیمور کی والدہ نے اپنی رسم کے مطابق اپنے ہاتھ سے اپنا خاندانی زیور کا ایک کنگن اتار کر اس کی کلائی میں پہنا دیا تھا، گویا انہوں نے اسے بطور بہو تسلیم کر لیا تھا، زینب کی پلکوں پہ حیا آمیز لرزش اتر آئی تھی، پھر وہ زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہیں پائی تھی، اسے تیمور خان کے سامنے اس کی شوخ نگاہوں پہ اپنا وجود موم بن کر پگھلتا محسوس ہوا تھا، وہ مما جان کے پاس اس کمرے میں آئی جہاں انہیں ٹھہرایا گیا تھا تو اس نے وہ کنگن اتار کر اپنے بیگ کی اندرونی جیب میں رکھ دیا تھا، پھر وہ جلد ہی سونے کو لیٹ گئی تھی، گو کہ اجنبی جگہ تھی مگر اس نے بہت پرسکون نیند لی تھی، شاید وہ ہر لحاظ سے مطمئن تھی جبھی اجنبیت کا احساس زائل ہوگیا تھا، صبح اس کی آنکھ جہان کی کال سے کھلی تھی، اس کے سرہانے پڑا سیل فون تسلسل سے بج رہا تھا۔
''ہیلو جے ہاؤ آر یو؟'' اس کی آواز پہ اس وقت تک بھی نیند کا غلبہ تھا۔
''تم ابھی تک سو رہی تھیں؟'' جہان حیرانی سے بولا تھا۔
''کیوں اس وقت تک سونے پہ پابندی ہے کیا؟'' اس کے انداز میں نروٹھا پن در آیا۔
''اس کا مطلب تم نے نماز نہیں پڑھی، شاہ ہاؤس سے دور ہوتے ہی تم نے سب سے پہلے نماز ترک کی ہے پپا جان کو پتہ چلے تو کتنی ڈانٹ پڑے تمہیں؟''
''افوہ جے میرا موڈ خوشگوار ہی رہنے دیں۔'' اس نے ٹوکا تو جہان کچھ لمحوں کو خاموش سا رہ گیا تھا۔
''خیریت ہے نا؟ کیسے فون کیا؟'' اس نے بڑی سی جمائی لے کر پوچھا تھا۔
''تمہاری خیریت دریافت کرنا ہی مقصد تھا، لیکن آئی تھنک میں تمہیں ڈسٹرب کر چکا ہوں۔'' وہ یکا یک سنجیدہ ہوا تھا۔
''خیر اب تو کر دیا۔'' وہ شان بے نیازی سے بولی مگر وہ بھی جہان تھا، انا پرست اور بے حد محتاط رہنے والا۔
''نہیں تم آرام کرو، پھر بات کر لیں گے۔'' مما جان کو میرا سلام کہہ دینا، خدا حافظ، اس کی مزید سنے بغیر وہ سلسلہ کاٹ چکا تھا، زینب سلگ کر رہ گئی۔
(تمہاری یہی حرکتیں ہیں کہ میں کچھ اور فیصلے کرنے پہ مجبور ہوگئی ہوں، ورنہ کمی تو تم میں بھی کوئی نہیں تھی) اس نے تلخی سے سوچا اور ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ کر واش روم میں گھس گئی، تولیے سے منہ پونچھتی باہر آئی تو مما جائے نماز لپیٹ کر رکھ رہی تھیں، اسے اشارے سے پاس بلا کر حسب سابق اس کے چہرے پہ پھونک ماری پھر نرمی سے بولی تھیں۔
''جہان کا فون تھا؟''
''جی!'' اس نے اسی بگڑے موڈ کے ساتھ جواب دیا تھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر بال سنوارنے لگی۔
''کیا کہہ رہا تھا؟'' انہوں نے اس کے بے اعتنا انداز کو دیکھتے ہوئے مخصوص نرمی سے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور خیریت دریافت کر رہے تھے۔" زینب کا انداز جواب دینے کا لٹھ مار قسم کا تھا۔

"بچے میں تجھے نماز کے لئے بھی جگاتی رہی اور یہ ناشتہ بھی اتنی صبح لوگ کر لیتے ہیں؟ ملازمہ دوبار پوچھنے آچکی ہے۔"

"آپ کو کرنا تھا تو کہہ دیتیں مجھے تو فی الحال بھوک نہیں۔" وہ بدمزگی سے کہتی کمرے سے نکل گئی تھی، باہر کا ماحول اتنا دلکش اور رعنائی لئے ہوئے تھا کہ وہ کچھ دیر قبل کی تلخی فراموش کرنے لگی، درختوں کی شاخوں میں چھپے پرندوں کی چہچہاہٹ سے فضا مترنم تھی، وہ دروازے سے کچھ قدم آگے بڑھ آئی، گول ستونوں والا طویل برآمدہ تھا جس کا سفید پینٹ چمک رہا تھا، گہرے آتشی پھولوں کی بیل بہت خوبصورتی سے ہر ستون سے لپٹی ہوئی تھی، اس سے آگے انیکسی کا دروازہ تھا، انیکسی پینٹ ہاؤسز کی طرز پہ بنائی گئی تھی، اس کی چھت متوازی تھی اور تین اطراف میں اخروٹ کی لکڑی کی دیدہ زیب گرل لگی ہوئی تھی، جس سے سامنے کا حصہ برآمدے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

ایک طرف دو کرسیاں اور چھوٹی سی میز پڑی ہوئی تھی، دوسری طرف کین کا جھولا لٹک رہا تھا، برآمدے کی سیڑھیوں کے دونوں جانب آرائشی لیمپ لگے ہوئے تھے، انیکسی کے لئے ایک چھوٹا اور خوبصورت سا گیٹ اور پورچ بھی بنائے گئے تھے، دائیں طرف گھاس کا چھوٹا سا قطعہ تھا، جسے سنٹرل لان سے الگ کرنے کے لئے درمیان میں باڑھ لگا دی گئی تھی، اس قطع کے کونے میں چھوٹے قد کا ایک درخت تھا جس پر سفید اور زرد پھولوں کے کچھ گچھے لٹک رہے تھے اور اس کے نیچے اخروٹ کی لکڑی کی ایک اسٹائلش سی بینچ نصب تھی، یہ حویلی چہار اطراف سے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی تھی، حویلی کے سامنے پختہ سڑک تھی، جو پرسکون ندی کی طرح بہتی تھی اور اس پہ شاہ بلوط کے پتے اڑتے پھرتے تھے، یہاں سب کچھ تیمور شاہ سمیت بے حد کشش اور ستائش کا باعث تھا، بلاشبہ اس کا انتخاب ہر لحاظ سے قابل دید تھا، وہ خود کو ایک بار پھر داد دینے لگی اور وہ اس کام میں اتنی محو تھی کہ تیمور خان کی آمد کب ہوئی اسے ہرگز بھی خبر نہیں ہو سکی تھی، وہ اس کے سامنے آکے سینے پہ بازو لپیٹ کر جب مسکرایا تب وہ نہ صرف چونکی بلکہ قدرے جھینپ بھی گئی تھی۔

"صبح بخیر زندگی!" اس کا لہجہ اس صبح کی طرح فریش اور خوبصورت تھا۔

"صبح بخیر! کیسے ہیں آپ؟" زینب نے لمحہ بھر کو نگاہ بھر کے اسے دیکھا، اس کے اونچے لمبے شاندار سراپے کے سامنے وہ بالکل کسی نازک سی گڑیا کی طرح ہی دکھائی دیتی تھی۔

"میرا جواب اب بھی وہی ہے، تمہارے بنا ادھورا اور نامکمل، زینب پلیز اب اس انتظار کو ختم کر دو۔" وہ خفیف سا اس کی جانب جھکا اور شوخی سے بولا تھا، زینب کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

"تیمور پلیز مجھے تنگ مت کریں۔" وہ جیسے ہی کترا کر جانے لگی تیمور نے اس کا راستہ روک لیا تھا، تیمور کی گہری پرتپش نگاہ اس کی دائیں کلائی پہ تھی جس میں وہ کنگن نہیں تھا جو کل رات والدہ نے اسے پہنایا تھا، تیمور نے ہاتھ بڑھایا اور کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی مرمریں

کلائی تھام لی گویا ریشمی تھان ہاتھ آگیا تھا، جہاں زینب پوری جان سے کانپ اٹھی وہاں تیمور خان نے بھی استفہامی اور کسی حد تک آنچ دیتی نظروں سے اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھا تھا۔

"وہ کنگن کہاں ہے؟"

"مم..... میں نے اتار دیا ہے۔"

"وائے؟" اس کا لہجہ سخت احتجاجی ہو گیا۔

"زینب میں کیا سمجھوں تمہاری اس حرکت سے؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی وضاحت دیتی تیمور نے ایک اور سوال داغ دیا تھا۔

"کچھ بھی غلط مت سمجھیں تیمور! مما جان میرے ساتھ ہیں، میں ابھی سب کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی، آپ جانتے ہیں نا یہاں آپ کے اس خاندانی زیور کو میرے پاس دیکھ کر سب کیا سمجھیں گے؟"

"میں یہی تو سب لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہوں زینب!" وہ کس قدر غصے سے بولا تھا، زینب نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔

"پلیز تیمور ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔"

"کب آئے گا وہ وقت؟" تیمور نے بھرپور ناراضی سے اسے دیکھا تھا، وہ ہنس پڑی۔

"صبر کریں نا، مجھے ماسٹرز تو مکمل کرنے دیں۔"

"میرا دل چاہتا ہے ابھی تمہیں واپس نہ جانے دوں، تم اتنی لمبی جدائی کی بات کرتی ہو۔" اس کی آنکھیں گستاخ ہونے لگیں، بے باک اور بہکی ہوئی، زینب کے چھکے چھوٹنے لگے۔

"افوہ پلیز اب مجھے جانے دیں۔" وہ ملتجی ہوئی تو تیمور خان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

"وہ کنگن مجھے پہن کے دکھاؤ، رات تو میں نے تمہیں دیکھا ہی نہیں تھا پہنا ہوا۔" عجیب فرمائش ہوئی تھی، زینب گھبرا سی گئی۔

"ابھی نہیں تیمور کہانا پھر کبھی۔"

"کچھ میری بھی مانو گی لڑکی یا ساری منواؤ گی، ویلی کا سردار بننے والا ہوں مگر تم مجھے اپنے آگے کچھ گردان ہی نہیں رہی ہو۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو زینب بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

"عشق کے دربار میں ہے شاہ بھی گدا، یہ تو سنا ہو گا نا آپ نے۔"

"میں پھر وہی کہوں گا، ایک بار تھپے لگ جاؤ سارے بدلے ایک ساتھ چکا لوں گا۔" اس کی آنکھیں اس کا لہجہ پھر بہکنے لگا اور زینب کی جان پہ بن کر آنے لگی۔

"تیمور جائیں کوئی دیکھ لے گا نا، کب سے کھڑے ہیں آپ یہاں۔"

"تو دیکھ لے، میں کسی سے نہیں ڈرتا۔" وہ نخوت سے بولا تو زینب نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

"اپنا نہیں میرا خیال کر لیں، میں ہرگز بھی کوئی اسکینڈل نہیں چاہتی۔"

"آج یا پھر کل میں تمہیں ویلی کی سیر کے لئے لے جاؤں گا، تیار رہنا او کے؟"

"او کے..... او کے..... ابھی تو آپ جائیے۔" زینب نے رچ ہو کر کہا تو تیمور پلٹ کر چلا گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا، زینب مسکراتے ہوئے پلٹی تو اس کا موڈ بے حد خوشگواری سمیٹ لایا تھا۔

☆☆☆

اثر دل پہ کرے شکوہ شکایت ہو تو ایسی ہو
گلے لگ کر کوئی رو کے ندامت ہو تو ایسی ہو
یہی محسوس ہو جیسے کئی صدیاں گزاری ہیں
فقط اک پل کی فرقت میں اذیت ہو تو ایسی ہو
مجھے کانٹا چبھے اور اس کی آنکھوں سے لہو ٹپکے
تعلق ہو تو ایسا ہو محبت ہو تو ایسی ہو

اس کے لبوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل موسم کی سختی سہتا سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا، کیا تھا ایسا زینب کے انداز میں لہجے میں کہ اس کے اندر اتنی اذیت بھر گئی تھی، وہ تو ازل سے ایسی تھی، خود پسند و لاپرواہ، بے نیاز اور تھوڑی سی بے حس، ہاں یقیناً وہ اپنی حد سے شاید نکل رہا تھا، اس نے سوچا اور گہرا طویل سانس بھرا پچھلے کچھ دنوں سے اس سے اچھی خاصی بے احتیاطیاں سرزد ہو گئی تھیں، اس نے نئے سرے سے خود کو سرزنش کی تھی اور سگریٹ کا آخری گہرا کش لے کر سگریٹ گھاس پہ پھینکا اور جوتے سے مسل دیا، سر اٹھایا تو سامنے پرنیاں کو موجود پایا تھا، میرون شال کا اڑتا ہوا پلو اور حیران آنکھیں، جہان کچھ خفیف سا مسکرایا۔

''آپ اسموکنگ کرتے ہیں بھائی؟'' وہ پتہ نہیں اتنی معمولی سی بات پہ اتنی حیران کیوں تھی۔

''کبھی کبھار کر لیتا ہوں۔'' وہ نظریں چرا کر بولا۔

''میں کچن میں جا رہی تھی، سوچا آپ سے پوچھ لوں ناشتے میں کیا لیں گے، مگر آپ کمرے میں نہیں تھے۔'' وہ گہرا سانس بھر کے وضاحت دے رہی تھی۔

''ہاں میں چہل قدمی کے لئے یہاں نکل آیا تھا، ناشتے کے لئے کنفیوژ نہ ہوں بھابھی، میں کھانے پینے کے معاملے میں نخرے نہیں کرتا، آپ جو اپنے لئے بنائیں وہی میں کھا لوں گا ڈونٹ وری۔''

''ایک بات کہوں آپ سے بھائی اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو.....؟'' پرنیاں کی ہچکچاہٹ کو محسوس کر کے جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''جی بھابھی ضرور بلا توقف کہیے پلیز۔''

''پپا نے مجھے اپنی بیٹی بنایا ہے پلیز مجھے بھابھی مت کہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' جہان ایک دم ساکن ہو گیا تھا، اس نے دیکھا تھا ہزار ہا ضبط کے باوجود اس نازک اور بے حد پیاری سی لڑکی کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہو رہی تھیں، وہ پلٹی تھی اور تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی۔

جہان بہت مشکل سے خود کو سنبھال سکا تھا، اسے پرنیاں کی کیفیت اور اس کیفیت کی اذیت کا احساس بوجھل کرنے لگا، وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس جیسی ایک دم اکیلی رہ جانے والی لڑکی جو حقیقت کی سفاکی کو بہت ہمت سے سہہ رہی تھی، فیصلے کی صلیب پہ لٹکتے ہوئے کس تکلیف سے دوچار ہو سکتی تھی اور اس صورت تو اور بھی مشکل ہو رہی تھی کہ کسی فیصلے کا اختیار بھی اس کے پاس نہیں تھا، یقیناً وہ

اپنے وجود میں خدشات و اوہام کا ایک ہجوم دبائے پھر رہی تھی، ایک ایسا رشتہ جس کے حوالے سے اس کے پاس کوئی خوشگوار یاد حسین تصور نہیں تھا جس کے قائم رہنے کے بارے میں وہ خود شبہات اور شکوک کا شکار تھی، بلاشبہ اس کا احساس دلایا جانا اس کے لئے خوشگواریت کا باعث نہیں ہو سکتا تھا، جہان کو صحیح معنوں میں صورتحال کی گمبھیرتا کا احساس ہوا تو اس کا پہلے سے بوجھل دل کچھ اور بھی افسردگیاں سمیٹ لایا، اس میں ہرگز بھی شک نہیں تھی پرنیاں کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، معاذ کا رویہ قابل اعتراض تھا مگر اس سے بھی زیادہ افسوناک امر یہ تھا کہ پرنیاں معاذ کے سارے شدید ری ایکشن سے آگاہ ہو گئی تھی، اس کی نسوانی وقار کی دھجیاں تو بکھری تھیں، وہ بے حد نازک سی لڑکی جو اپنے نازک سراپے کے برعکس بے پناہ مضبوط اعصاب کی مالک تھی یہ اس کی شرافت ہی نہیں اس کے پندار کا وقار تھا کہ وہ حرف شکایت زبان پہ لائے بغیر بہت ہمت سے سب کچھ برداشت کر رہی تھی، کل جب معاذ کا فون بند ہوا تو اس پل اس کے سیل پہ پپا کی کال آ گئی تھی، انہوں نے اس سے بزنس کے ٹاپک پہ ہی ساری بات چیت کی تھی پھر جیسے کچھ خیال آنے پہ اچانک بولے تھے۔

''جہان بیٹے آپ پرنیاں سے ملے؟'' اور جہان چونکہ پرنیاں سے مل کر بے حد پرجوش تھا جبھی اس قدر خوشی کا اظہار اس نے بے لاگ انداز میں ان کے سامنے کیا تھا۔

''جی چاچو! اور یقین کریں مجھے صحیح معنوں میں بیک وقت معاذ کی قسمت پہ رشک بھی آیا اور تاسف بھی محسوس ہوا۔''

''وہ گدھا ہے، تم دیکھ لینا ایک دن وہ پچھتائے گا۔'' ان کی بات سن کر جہان بے ساختہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''نہیں چاچو خدا نہ کرے، میرے دل سے ان دونوں کے لئے دعائیں نکلتی ہیں، خدا کرے پرنیاں بھابھی کے ساتھ سب کچھ بہت اچھا ہو، آج میں ان سے ملا ہوں تو وہ مجھے بالکل اپنی چھوٹی بہن کی طرح ہی لگی ہیں۔'' وہ ہنس کر بتا رہا تھا، پپا کا جیسے سیروں کے حساب سے خون بڑھ گیا تھا۔

''مجھے تم سے یہی توقع تھی بیٹے! تم اس سے قریب ہونے کی کوشش کرو، وہ رشتوں اور محبتوں کو ترسی ہوئی بچی ہے، میں چاہتا ہوں تم صحیح معنوں میں ہر قدم پہ اس کے لئے بڑے بھائی کا کردار ادا کرو، کرو گے نا؟''

''آپ فکر کیوں کرتے ہیں چاچو! وہ مجھے ہمیشہ بہت عزیز رہیں گی انشاءاللہ۔''

''گڈ، جیتے رہو بیٹے!'' وہ خوش ہو کر بولے تو جہان کو جیسے یاد آیا تھا۔

''چاچو آج پرنیاں بھابھی کی برتھ ڈے ہے، یو نو آج ہی معاذ کا بھی برتھ ڈے ہے، یہ کتنا حسین اتفاق ہے نا چاچو!'' وہ اس پل بچوں کی سی معصومیت سے خوش ہو کر بتانے لگا تھا، پپا ہنس دیئے تھے۔

''امیزنگ! یہ تو واقعی بہت مزے کا انکشاف ہوا ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا تو ہم بھی وہاں پہنچ جاتے، اینی ویز آپ میری بیٹی کو بہت اچھے سے وش کرنا اور ذرا سیلیبریشن بھی کر لینا۔''

''جی پپا ڈونٹ وری میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں اور اس وقت ان کے لئے گفٹ لینے جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"او کے بیٹا!" انہوں نے اسے دعاؤں سے نواز کر رابطہ منقطع کر دیا تھا اور جب وہ شام کا نکلا رات گئے واپس فارم ہاؤس لوٹا تو پرنیاں کچھ پریشانی کے عالم میں اس کے انتظار میں ٹہل رہی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ بھائی! میں پریشان ہو گئی تھی۔" اسے دیکھتے ہی وہ سرعت سے لپک کر اس تک آئی تھی جہان کے ہونٹوں کی تراش میں دل آویز مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی، اسے پرنیاں کی یہ تشویش بہت بھائی تھی۔

"کچھ کام تھا ضروری بس دیر ہو گئی۔" وہ اس کی ہمراہ اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے نرمی سے جواب دے رہا تھا۔

"پپا نے مجھے بتایا تھا یہاں زیادہ رات کے وقت نکلنا مناسب نہیں ہے نا اس لئے۔"

"لیکن ابھی زیادہ رات تو نہیں ہوئی، یہ بتائیں آپ نے کانا کھا لیا؟" وہ اس کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آ چکا تھا، ہاتھوں میں موجود دونوں شاپرز اس نے ٹیبل پہ رکھ دیئے تو پرنیاں نے پہلی بار ان پہ نگاہ کی تھی۔

"نہیں آپ کے انتظار میں تھے، آپ بیٹھیں میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"بھابھی!" جہان نے پلٹ کر دروازے سے نکلتی پرنیاں کو بے ساختہ پکارا تھا، وہ جیسے چونکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔

"پہلے آپ کیک کاٹ لیں، کشمالہ وغیرہ کو بلا لیں، پھر کھانا کھا لیں گے۔"

"اوہ!" پرنیاں نے ایک نگاہ شاپر میں موجود کیک کے ڈبے کو دیکھا تھا پھر اسے دیکھتے ہوئے گہرا سانس بھر کے بولی تھی۔

"میں نے آپ کو اس تکلف میں پڑنے سے منع بھی کیا تھا۔"

"اور میں آپ کے اس غیریت کے مظاہرے پہ خفا بھی ہو سکتا ہوں۔" جہان کی اپنائیت آمیز برجستگی پہ پرنیاں کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

"ایز یو وش!" وہ آہستگی سے بولی تھی، جہان نے اس کے اس انداز کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا، اسے پپا کی بات یاد آئی، اسے لگا وہ رشتوں کی محبتوں کو ترسی ہی نہیں رشتوں کے اعتماد سے بھی نا آشنا ہے، لے دے کے ایک دادا کا ہی تو رشتہ تھا، اسے پرنیاں سے اپنائیت کے ساتھ ہمدردی بھی محسوس ہوئی تھی، پھر کیک کاٹا گیا تھا اور کھانا گل خان کی فیملی کے ساتھ کھایا گیا، جہان نے جب پرنیاں کو بے حد خلوص سے ازسرِنو خوش کرتے ہوئے گفٹ پیش کیا تو پرنیاں کچھ خفت زدہ نظر آنے لگی تھی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی بھائی! اس روز مما اور پپا اتنے سارے تحائف لائے تھے نا۔"

"آپ کھول کر دیکھیں اسے، آئی تھنک آپ کو بہت پسند آئے گا۔" اس کے اصرار پہ پرنیاں نے خوبصورت چکنا پیپر ہٹا کر پیکٹ کھولا تو ایک خوبصورت سے پن سیٹ کے ساتھ محسن نقوی، فرحت عباس شاہ اور پروین شاکر کی کتابیں اس کے سامنے تھیں، اس نے بے اختیار خوشگوار تاثرات کے ساتھ جہان کو دیکھا تھا وہ اسی کی سمت متوجہ تھا نگاہ چار ہونے پہ ٹھنوؤں کو دوستانہ انداز

میں جنبش دے کر مسکرایا تھا پرنیاں کے لبوں پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"تھنکس اے لاٹ بھائی! آپ کا گفٹ مجھے بہت پسند آیا ہے، رئیلی!" اس کے لہجے میں معصومیت بھرا جوش تھا، جہان کو وہ بے حد پیاری لگی تھی، وہ اس سے کتنی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا، تب ہی پپا کا فون پرنیاں کے سیل پہ آ گیا تھا، انہوں نے جب اسے برتھ ڈے وش کیا تو وہ پہلے حیران ہوئی تھی پھر جہان کو دیکھ کر گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

"کہاں تک خبریں پہنچا دیں ہیں آپ نے؟" پپا سے فون پہ بات کر لینے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئی تو مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔

"انگلینڈ تک۔" وہ جواباً شرارت سے بولا تھا اور پرنیاں اس پل ہی پھر سے جیسے سنجیدہ ہو گئی تھی، وہ اسے شاہ ہاؤس کے ایک ایک مکین کی متعلق بتاتا رہا تھا جب پرنیاں کی بات پہ ایکدم حیران ہو گئی۔

"شاہ ہاؤس میں اب آپ کے بعد اگر میں کسی سے سب سے زیادہ ملنے کی شائق ہوں تو وہ زینب ہیں۔"

"صرف زینب کیوں؟ جبکہ ماریہ اور حوریہ تو آپ سے ملنے اور دیکھنے کو سخت بے چین ہیں۔" جہان کے سوال پہ پرنیاں کے ہونٹوں پہ معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"آپ کو جو دیکھ لیا ہے۔"

"تو.....؟"

"مجھے دیکھ کر زینب سے ملنا ضروری کیوں ہو گیا؟" اس کی آدھی ادھوری بات نے جہان کی حیرت دو چند کر دی۔

"اس لئے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم جو ہیں، مما نے مجھے بتایا تھا زینب آپ سے منسوب ہیں۔" وہ شرارت بھرے انداز میں بولی تھی اور جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا، البتہ اس کے چہرے کی تمتماہٹ ضرور بڑھ گئی تھی۔

"آپ اگلی بار آئیں تو زینب کی تصویر لائیے گا۔" اس کے اصرار پہ جہان بوکھلا اٹھا تھا۔

"آپ خود شاہ ہاؤس آ کر ان سے مل لینا۔" وہ جیسے صاف کترایا تھا۔

"نہیں آپ انہیں یہاں لے آئیے گا۔" وہ مصر رہی تھی جہان نے کاندھے اچکا دیئے تھے، رات وہ کتنی مطمئن تھی مگر بظاہر، رات تک تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کل وہ پھر سے مضطرب ہو جائے گا، ایسا کیا تھا زینب کے لہجے میں؟ مجھے یہ سب اتنا برا کیوں لگا؟

وہ ایک بار پھر سوچوں سے خود کو ہلکان کر رہا تھا جب پرنیاں کی پکار پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا، وہ انیکسی کے دروازے پہ کھڑی اس کی سمت متوجہ تھی۔

"ناشتہ کر لیں بھائی ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" جہان نے سر جھٹکا تھا اور اس کے ہمراہ کچن میں آ گیا، قیمہ بھرے پراٹھے، مٹر کا رائتہ چائے اور ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ چیز سینڈوچ، اس نے اچھا خاصا اہتمام کیا ہوا تھا، جہان کو شرمندگی نے آن لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے،

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

''افوہ بھا......'' وہ ایکدم زبان دبا گیا اور خائف سی نگاہ پرنیاں پہ ڈالی تھی وہ نارمل تھی۔

''اٹس او کے!'' جہان نے بے ساختہ ٹھنڈا سانس بھرلیا۔

''آپ کو اتنا اہتمام نہیں کرنا چاہیے تھا، خوامخواہ تکلیف کی۔''

''اب آپ غیریت کا مظاہرہ کر رہے ہیں بھائی!'' وہ شاکی ہوئی تھی، جہان کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی اس کے ہی الفاظ لوٹانے پہ، جہان نے بہت خوشگوار موڈ میں اس کے ساتھ ناشتہ کیا تھا پھر جب وہ اس سے رخصت ہو کر آ رہا تھا تو پرنیاں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا تھا۔

''میری اگر کوئی بات بری لگی ہو تو مجھے......''

''کیسی باتیں کرتی ہیں؟ آپ میری بہن ہیں چھوٹی، اول تو کوئی غلط بات آپ نے کی نہیں بالفرض کبھی ایسا ہوا تو بھی مجھے برا ہرگز نہیں لگے گا۔''

جہان کی محبت کے اس مظاہرے نے پرنیاں کی آنکھیں بھگو ڈالی تھیں، جہان اس کے پاس سے لوٹا تو اس کا دل صرف اپنے لئے نہیں پرنیاں کے لئے بھی بوجھل ہو رہا تھا، واپسی کا راستہ طویل تھا جو خاموشی سے کٹتا اگر معاذ کی کال نہ آ جاتی۔

''کیسے ہو؟'' وہ ہمیشہ پچھلی تلخی بھلا کر بات کیا کرتا تھا، جہان کو اس کی یہ بات بہت پسند تھی۔

''فائن تم کیسے ہو؟'' وہ خود کو کوشش کے باوجود نہیں سنبھال سکا۔

''کہاں ہو تم زینب سے بات کراؤ میری؟''

''میں گھر پر نہیں ہوں۔''

''پھر کہاں ہو وہیں فارم ہاؤس؟'' وہ چونکا۔

''نہیں واپس آ رہا ہوں خیریت؟'' اس سے پہلے کہ جواب دیتا گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے اس نے ایکدم بریک لگائے مگر کوئی نسوانی وجود اس کی گاڑی سے ٹکرا کر کئی فٹ دور اچھل کر جا گرا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

آئینوں کے درمیان

سندس جبیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب دو آئینے آمنے سامنے رکھ دیئے جائیں تو Infinity وجود میں آتی ہے اور درمیان میں آنے والی شے لامتناہی شبیہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔''

''مجھے لگتا ہے میں بھی ان دونوں کے درمیان آنے والی ایسی ہی کوئی شے ہوں اور اسی طرح میرا وجود بھی لامتناہی ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے، ایک فالتو شے..... بلکہ نہیں فالتو تو ایسی شے کو کہتے ہیں جس کی کسی کو ضرورت نہیں ہوتی میں تو پالتو شے ہوں جو بڑی ضروری ہوتی ہے، میں بھی بہت ضروری ہوں، اس گھر کے لئے اور اس کے مالک کے لئے۔''

''زمرا!'' بیڈ روم سے آواز پڑی تو میرے پیروں میں پہیے سے لگ گئی، چھٹی تو ایک ہی ہوتی ہے اور میں اس کا یہ اکلوتا آرام بھرا دن برباد نہیں کر سکتی تھی جبھی جھٹ پٹ اندر داخل ہو کر روتے ہوئے ننھے حمزہ کو اٹھایا اور باہر نکل گئی، وہ روئے جا رہا تھا اسے مسلسل بہلاتے ہوئے میرے لبوں پہ ایک تلخی بھرا قطعہ تھا۔

زندگی بہت مشکل ہے
اور موت بھی
اور محبت بھی

مجھے لگتا میرے اندر زہریلا دھواں بھرتا جا رہا ہو

''زندگی مشکل نہیں ہے طٰہٰ! اور موت تو بالکل نہیں اگر کچھ مشکل ہے تو ''محبت'' ہے۔'' خود کلامی کرتے کرتے میں صوفہ پہ بیٹھ گئی، اب میں جلد تھک جاتی ہوں۔

آج اتوار ہے اور کام اتنے زیادہ، کہ حد نہیں، طٰہٰ کو ہر چیز وقت پر چاہیے..... کھانا، کپڑے، کافی اور بیوی، ہاں میں بھی..... وہ کہتا ہے۔

''ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔''

گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چلنے والا وہ ایسا مرد ہے جس کی ڈکشنری میں دیر نام کا لفظ نہیں ہے، مجھے آج ہر کام نمٹانا ہے اور ترتیب یہ رکھنی ہے کہ اس کے جاگنے سے پہلے وہ تمام کا نمٹ جائیں جو اس کے ناپسندیدہ ہیں، جیسے کپڑے دھونا، اسے اس قدر برا لگتا ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں، اس لئے میں نے بہت عرصہ پہلے ہی اتوار کے روز مشین لگانا بند کر دی تھی، ہفتے کے باقی چھ میں سے کسی بھی دن کپڑے دھل سکتے ہیں مگر اتوار کو قطعاً نہیں۔

دوسرے اسے ڈسٹنگ سے الرجی ہے اور آج کم از کم یہ کام تو مجھے ہر حال میں اس کے جاگنے سے پہلے کرنا ہے اور تیسرا مجھے آج سیلون جانا ہے، قریب قریب ایک ماہ تو گزر ہی چکا ہے فیشل وغیرہ لئے، اس لئے یہ بھی ضروری ہے کیونکہ طٰہٰ کو میرا مرجھایا ہوا چہرہ پسند نہیں۔

اور سب سے اہم آج کا کام تو یہ ہے کہ آج مجھے ایک لمبا چوڑا چائنیز بریک فاسٹ بنانا ہے جس میں کم از کم تین چار ڈشز ہونا تو لازمی ہے، چائنیز کھانے طٰہٰ کے فیورٹ ہیں اور باوجود اس کے کہ، مجھے سخت ناپسند ہیں اتوار کے روز ناشتہ اسی کی پسند کا بنے گا، حالانکہ باقی معاملات میں وہ ٹپیکل پاکستانی مرد ہے مطلب ویسا ہی ہل کر پانی بھی نہ پینے والا، اسے تو سامنے پڑا پانی کا گلاس بھی تب تک نظر نہیں آتا جب تک میں نہ پکڑ کے دوں، لیکن روایتی مردوں کے برعکس مرغن، غذاؤں کی بجائے وہ ہلکے پھلکے کھانوں کا شوقین ہے۔

اور اس سارے پس منظر میں ضروری ہے کہ حمزہ بھی سویا ہوا ہو ورنہ اس کے جاگنے پہ یہ تمام کام وہیں موخر ہو جائیں گے اور یہ حمزہ میرے کندھے سے لگا لگا سو چکا ہے اس لئے میں

اس نایاب موقع سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گی جبھی اسے لٹا کر سب سے پہلے کچن کا رخ کیا، اس کے جاگنے سے قبل میں ہلکی پھلکی ڈسٹنگ کرنے کے ساتھ ساتھ چکن چاؤ من، میکرونی اور چائنیز رائس بنا چکی تھی۔

جب طٰہٰ اٹھا تو تقریباً سبھی کام نمٹ چکے تھے، وہ بنا کپڑے بدلے اور منہ دھوئے باہر آیا تو میں حمزہ کو فیڈ کروا رہی تھی، طٰہٰ کی آنکھوں میں ایک پرسکون نیند لینے کے بعد خمار آلود سرخی تھی اور قدرے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ ہمیشہ کی طرح بہت شاندار نظر آتا تھا۔

''ناشتے میں کتنی دیر ہے زمر؟'' وہ دھم سے میرے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔

''بس تیار ہے۔'' میں نے حمزہ کو اسے تھمایا اور خود کچن کی طرف بڑھ گئی، وہ حمزہ کے ساتھ شرارتیں کرنے میں مصروف ہو گیا اور میں ناشتہ لگانے میں، کچن کی کھڑکی سے گاہے بگاہے نظر اس پہ بھی چلی جاتی تھی اور ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پہ ایک رشک آمیز اطمینان اور سکون تھا، مجھے پنک بیک اس سے حسد سا ہوا۔

''کیا ''اسے'' کھونے کے بعد بھی اسے کوئی غم نہیں؟'' یہ سوال اکثر میرے اندر مچلتا تھا اور اتنی تکلیف دیتا تھا کہ حد نہیں یوں لگتا جیسے جوڑ جوڑ درد سے کراہ اٹھا ہو یا یوں جیسے رگ رگ کھنچی جا رہی ہو۔

یوں تو میری دو سالہ ازدواجی زندگی مکمل طور پر سکون سے عبارت تھی، کوئی قابل ذکر تو کیا ناقابل ذکر لڑائی بھی نہ ہوئی میری طٰہٰ کے ساتھ، اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن میرے نزدیک سب سے بڑی وجہ طٰہٰ کا ٹھنڈا مزاج ہونا تھا، دوسرے میری ساس نے شادی کے فوراً بعد ہمیں ہمارا سجا سجایا الگ گھر دے دیا تھا اور وہ بھی تحفتاً میرے لئے یہ بہت حیران کن تھا، بھلا آج کے دور میں اسی نایاب ساس کہاں میسر آتی ہے؟ ان کا کہنا تھا کہ بجائے اس کے کہ بعد میں لڑائی جھگڑے ہوں وہ خود اس حق میں تھیں کہ بہوؤں کو الگ رہائش دے دی جائے، یوں میں اور طٰہٰ الگ گھر میں شفٹ ہو گئے، مینج کرنا اس لئے بھی مشکل نہ تھا کہ مجھے ہجوم کی عادت نہ تھی، ہم دو ہی بہن بھائی تھے، بھائی سارا دن گھر سے باہر نتیجتاً میں اور امی گھر میں اکیلی، شادی کے دو سال بعد حمزہ کی پیدائش کے بعد تو مصروفیت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔

یوں تو زندگی میں بظاہر بڑا سکون و اطمینان دکھائی دیتا تھا، مگر میں ہی جانتی تھی کہ سمندر کی تہہ میں کتنے طوفان تھے، میں نے اردو ادب میں ماسٹرز کیا تھا اور مجھے جنون کی حد تک کالم نگار بننے کا شوق تھا، جاوید چوہدری، اور یا مقبول جان اور احمد ندیم قاسمی میرے آئیڈیل اور فیورٹ تھے، مگر شادی کے بعد کتابوں کے ساتھ ساتھ میرے ادھورے کالمز بھی وارڈ روب کے نچلے دراز میں پڑے رہ گئے، طٰہٰ کہتا ہے ''عورت تو گھر کی ملکہ ہے''

اسے عورتوں کا جاب کرنا قطعاً پسند نہیں، مجبوری کی حالت میں بھی نہیں، کبھی کبھی مجھے اس کی کٹر سوچ حیران کر دیتی ہے، مگر زیادہ دیر تک نہیں، مجھے پتا ہے کہ میں بھی تو عورت ہوں اور یہ سارے قانون و ضوابط مجھ پہ سب سے پہلے لاگو ہوتے ہیں کہ آخر میں اس کی مرضی کی تابع ہوں، وہ میرا ''مجازی خدا'' ہے۔

اس دن بھی وہ ناشتہ کرنے کے بعد وہ شاور لے کر فریش ہوا اور پھر نک سک سے سجا ہوا باہر نکل گیا، جاتے جاتے بتاتا گیا کہ۔

''آدھے گھنٹے تک لوٹتا ہوں۔'' میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کندھے اچکا کر رہ گئی، مگر اس کا یہ آدھا گھنٹہ چار گھنٹوں بعد ختم ہوا تھا اور جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ اس کا دوست ارسلان بھی تھا۔

''زمرا! پلیز اچھی سی چائے۔'' وہ آرڈر کرتا ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔

میں طویل سانس لے کر پھر سے کچن میں گھس گئی، پھر سے اس لئے کیونکہ ابھی ابھی لنچ بنا کر لوٹی تھی، میں نے ٹرالی سیٹ کی طٰہٰ کو آواز دینے کے لئے آگے بڑھی مگر پھر مجھے رک جانا پڑا، اندر کی آوازوں نے مجھے ٹھٹھکا دیا۔

''وہ مجھے بھولتی ہی نہیں..... ارسلان! مجھے لگتا ہے میرے دل کے دروازے اندر سے بند ہو گئے ہیں، وہ میرے اندر بیٹھ گئی ہے، مجھے خون کے آنسو روتے دیکھتی ہے اور ہنستی ہے..... اسے مجھ پر ترس کیوں نہیں آتا؟'' طٰہٰ کی آواز میں نوحے بول رہے تھے، میرے پیروں تلے زمین ہلی تھی۔

''طٰہٰ! حوصلہ رکھ میرے دوست!''

''نہیں ہوتا حوصلہ ارسلان! مجھے لگتا ہے وہ کبھی میرے اندر سے نہیں نکلے گی، کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا؟ میرا دل رکنے لگ جاتا ہے جب جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں، وہ میرے آس پاس ہی تو رہتی ہے وہ.....'' طٰہٰ کی باتیں بے ربط اور ٹوٹی ہوئی تھیں۔

''ایسا مت کہو طٰہٰ! تمہاری بیوی ہے، اللہ نے تمہیں بیٹے سے نواز ہے اور کیا چاہیے؟'' ارسلان اسے تسلی دے رہا تھا، طٰہٰ نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

''پتا ہے وہ مجھے کہا کرتی تھی، طٰہٰ میرا دل چاہتا ہم دونوں اس طرح ایک ہو جائیں کہ ہمارے درمیان میں آنے والا ہر شخص ٹکڑوں میں بٹ جائے..... بالکل ویسے جیسے دو آئینے..... دو آئینوں کو آمنے سامنے رکھ دیا جائے تو Infinity وجود میں آتی ہے اور درمیان میں آنے والی ہر شے لامتناہی شبیہوں میں بٹ جاتی ہے، وہ کہتی، طٰہٰ! میرا دل چاہتا ہے میں تمہارا آئینہ بن جاؤں، لوگ تمہیں تمہارے حوالے سے نہیں، میرے حوالے سے پہچانیں..... وہ کہتی تھی طٰہٰ! یہ زندگی محبت کرنے کے لئے کتنی کم ہے نا! پتا نہیں اتنی مختصر سی زندگی میں لوگ نفرت کے لئے وقت کیسے نکال لیتے ہیں؟ اور میں کہتا کہ.....'' طٰہٰ شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر میرے کان سائیں سائیں کر رہے تھے، اس نے زیادہ سننا ممکن ہی کب تھا۔

رگ جاں میں ایک حشر برپا تھا، آخر کون تھی وہ؟ جس نے طٰہٰ کو ٹھکرا دیا کیوں نہ اپنایا اس نے ایسے دیوانے شخص کو؟ مجھے اس لڑکی کے نصیب پر رشک آ رہا تھا، کتنی خوش قسمت تھی وہ، ابھی تک طٰہٰ اس کی یادوں اور باتوں کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا، اس کے غم میں تڑپ رہا تھا اور وہ پتا نہیں کیسی بے خبر تھی؟

اور میں؟ میں کہاں تھی؟ میں کون تھی؟ کیا حیثیت تھی بھلا میری؟ مجھے رونا آیا..... کچھ بھی نہیں..... کچھ بھی تو نہیں۔

''میں کون ہوں؟''

''میں زمرطٰہٰ ہوں۔''

''میرا کام کیا ہے؟ بلکہ حیثیت کیا ہے؟''

''میں حمزہ طٰہٰ کی ماں ہوں اور اس گھر کی مالکن ہوں، بلکہ غلط..... ملازمہ ہوں، طٰہٰ کی پسند نا پسند کے کھانے پکاتی ہوں، اس کا گھر صاف رکھتی ہوں، اس کی وارڈ روب سیٹ کرتی ہوں، حمزہ کی دیکھ بھال کرتی ہوں..... اور..... بس؟ نہیں کبھی کبھی جب طٰہٰ کے اندر کا ''مرد'' جاگتا ہے تو اس کی ''ضرورت'' بھی پوری کر دیتی ہوں..... اور

بس..... میں زمرطٰہٰ ہوں..... اردو ادب میں، ماسٹرز کی ڈگری ہولڈر اور ایک ناکام عورت، ناکام بیوی.....'' ایک ایک کر کے میرے آنسو گرتے چلے گئے۔

جتنی شدت سے مجھے زخم دیئے ہیں اس نے فراز! اتنی شدت سے تو میں نے اسے چاہا بھی نہیں تھا میرے اندر الاؤ دہک رہے تھے

☆☆☆

پتا نہیں کتنے دن گزر گئے میں نے تو یاد رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا، طٰہٰ میرے بدلے اور الجھے ہوئے رویے پر کس قدر حیران نظر آتا تھا مگر اس کے انداز میں کسی قسم کی پریشانی نہ جھلکتی تھی اور یہ مجھے مزید تکلیف دیتی تھی، مگر وہ میری طرف سے پریشان ہوتا بھی کیوں؟ اس کا اندر آباد تھا اور جس کا ''اندر'' آباد ہو جائے اسے ''خارج'' سے کیا واسطہ؟ پتا نہیں مجھ پہ کیسی باغیانہ کیفیت طاری تھی، میں پاگلوں کی طرح سارا دن کام کرتی رہتی اور رات ہوتے ہی بے سدھ پڑ جاتی، مقصد صرف یہی تھا کہ کسی طرح طٰہٰ سے سامنا نہ ہو۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے طٰہٰ سے محبت کی ہے اور یہ محبت ویسی ہے خالص اور پاکیزہ ہے جو کوئی بھی مشرقی لڑکی اپنے شوہر سے کرتی ہے بلکہ ہر وہ لڑکی جس نے اپنے سارے الفاظ، جذبات اور احساسات سنبھال کر رکھے ہوں، مجھے طٰہٰ سے ایسی ہی محبت ہے اور میں اسی لئے اس سے ہم کلام ہونے سے بچتی تھی کیونکہ مجھے پتا ہے وہ بات کرے گا تو تسخیر کر لے گا اور نظر اٹھائے گا تو مسخر..... اس کی سیاہ آنکھوں سے ایسی سحر انگیز شعاعیں نکلتی ہیں جو مجھے میرا نہیں رہنے دیتیں اور یہ ایسے دن تھے جو میں صرف اپنے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔

مجھے طٰہٰ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، میں اس کے بارے میں فقط اتنا ہی جانتی ہوں جتنا مجھے بتایا گیا، اس کی پسند ناپسند، اس کے خیالات میں نہیں جانتی، وہ ان لوگوں میں سے ہے جو کم کم کھلتے ہیں، بلکہ اپنی مرضی سے کھلتے ہیں، مقابل لاکھ چاہے مگر صرف اتنا ہی جانتا ہے جتنا وہ بتانا چاہیں۔

دوسرا بڑا مشاہدہ جو میں نے اس کی ذات میں کیا وہ یہ تھا کہ طٰہٰ بنیادی طور پر بڑا ہی Unpreidictable تھا، اس کے بارے میں کچھ کہنا بلکہ رائے قائم کرنا بڑا مشکل تھا وہ کبھی بھی، کچھ بھی کر سکتا تھا اور کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔

میری امی کہا کرتی تھیں کہ ایسے پہیلی مردوں سے بچنا چاہیے مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ ایس یہی ایک پاکمال پہیلی ان کی بیٹی کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی اور اس بجھارت کو تو وہ بوجھ بھی نہ پاتی تھی، ان دنوں زندگی اتنی مشکل لگتی تھی کہ دل چاہتا چھوڑ چھاڑ کر کسی کونے میں جا لگوں، حمزہ بھی اچھا نہ لگتا، پتا نہیں کون لوگ ہیں جو کہتے ہیں، ''اصل سے سود پیارا'' مجھے تو اصل ہی چاہیے تھا، میری جان تو اس میں ہی اٹکی تھی۔

ایسے ہی ایک دن میں تھک کر لیٹی تو نرمی سے ایک ہاتھ میرے کندھے پہ آ گیا۔

''تھک گئی ہو؟'' نرم اور سادہ لہجہ۔

میرے اندر غبار اٹھنے لگا، جی چاہا ایک جھٹکے سے ہاتھ جھٹکوں اور چلاؤں کہ ''خدارا! منافقت نہ کرو۔''

مگر میں یہ نہ کر سکی، میں عام سی لڑکی تھی نا، کمزور سی، اس کی ناراضی اور غصے کا خوف حاوی ہو گیا، جبھی اتنا ہی بولی۔

''ہوں، بہت زیادہ۔''

''مت کیا کرو اتنا کام۔''

''تو کیا کروں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں تمہیں میڈ رکھوا دیتا ہوں۔'' اس نے آہستگی سے میرے گال پہ ہاتھ دھرا اور چونک گیا، میرے بھیگے گال نے اسے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

''زمر!'' اس نے لائٹ جلا دی۔

میں نے سختی سے آنکھیں میچ لیں، روشنی میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔

''تم رو رہی ہو؟'' نا قابل یقین لہجہ۔

میرے اندر سناٹے اترنے لگے، دل میں آئی چیخ پڑوں اور کہوں۔

''ہاں..... رو رہی ہو، پابندی ہے کیا؟''

مگر پھر وہی بات، میں ایک عام سی عورت تھی نا سو خاموش رہی۔

''کیا بات ہے؟ بتاؤ مجھے؟ کافی دنوں سے دیکھ رہا ہوں، بہت پریشان سی ہو، ناراض بھی اور قدرے الجھی الجھی سی مگر مجھے سمجھ نہیں آتی آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ اب تمہارا اس طرح رونا اس بات کا ثبوت ہے کہ لازماً بہت کچھ غلط ہو رہا ہے مگر کیا؟ یہ اب تم مجھے بتاؤ گی۔'' اس کا لہجہ مضبوط اور مستحکم تھا، وہ غصہ میں نہیں تھا مگر پریشان نظر آتا تھا، میری سسکیاں بڑھ گئیں اور تب میں نے اس کے چہرے پہ اضطراب دیکھا۔

''زمر! مجھے کچھ بتاؤ گی تم؟'' اس نے میرے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

''میں نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور اٹھی بیٹھی۔''

''وہ کون تھی طٰہٰ؟'' میری آواز میں ضبط کا بندھن ٹوٹنے کی صدا تھی، وہ ساکت رہ گیا، یک بیک اس کا چہرہ رنگ بدل گیا، پہلے پریشان پھر سرخ اور پھر زرد، اس کے چہرے نے کئی رنگ بدلے، مگر وہ خاموش رہا۔

''وہ جو کوئی بھی تھی اب نہیں ہے۔'' اس کی مدھم آواز میں نوحے تھے، ویرانی تھی۔

''وہ ہے طٰہٰ! وہ ہے..... وہ یہاں ہے۔'' میں پاگلوں کی طرح چلا اٹھی تھی۔

''وہ یہاں سے جہاں میں نہیں ہوں۔'' میں نے اس کے سینے پہ دل کے مقام پہ ہاتھ رکھا تھا، وہ ٹھٹھک گیا، پھر اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے زمر!'' اس نے مجھے بازوؤں میں لے لیا۔

''پھر مجھے کیوں لگتا ہے؟'' میں اس کے سینے میں منہ چھپا کر بلک اٹھی۔

''پاگل ہو تم۔'' اس نے میرے آنسو پونچھے۔

''طٰہٰ میں کیا کروں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا، مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں آپ کی زندگی میں کوئی فالتو چیز ہوں، اپنا آپ بہت بے توقیر سا لگتا ہے۔'' میں روتی جا رہی تھی۔

''حد ہو گئی زمر! میں تمہیں اتنا جذباتی نہیں سمجھتا تھا، آخر ہوا کیا ہے؟ ایسی کون سی غلطی کر دی میں نے؟'' وہ حیرت زدہ تھا۔

''آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں نا؟'' میں نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے کہتے ہوئے نرمی سے میری پیشانی کو چوما، میرے اندر ٹھنڈک سی اتر گئی، دل میں جلتی آگ پہ چند چھینٹے پڑے تھے۔

''پھر سے کہیں۔'' میں نے ضد کی۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں زمر!'' اس نے کہتے ہوئے مجھے ساتھ لپٹا لیا۔

''کتنی؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا، وہ میرے بچگانہ پن پہ ہنس دیا۔

''بہت زیادہ۔'' اس نے دونوں بازو پھیلا کر کہا۔

میں نے اس کے بازو پہ سر رکھ دیا، وہ آہستہ آہستہ مجھے تھپکنے لگا، نیند میں جاتے ہوئے بھی مجھے احساس تھا کہ میں آج پھر اسے ساحر کی سحر کاری سے بچ نہیں پائی تھی، جبھی تو اس کی باتوں کو سچ مان کر خاموش ہو رہی تھی، وجہ جو تھی میری پاس..... ہاں بڑی مضبوط وجہ جو مجھے کمزور بنا دیتی تھی، میں اس سے ''محبت'' جو کرتی تھی۔

عشق میں اس طرح تو ہوتا ہے
اک روش پھر اسے جھوٹ بولتے سننا

☆☆☆

آج گھر میں بہت خاموشی ہے اور میں تنہا ہوں، زمر اپنی والدہ کے گھر گئی ہے جبھی نہ تو حمزہ کا شور ہے اور نہ کوئی ہلچل۔

میں طٰہٰ ہوں، طٰہٰ قربان علی، بینکر ہوں اور ایک ناکام محبت کا حصے دار بھی، مجھے کہانی سنانا نہیں آتی، شاید میں آپ کو بتاتے ہوئے بہت کچھ بھول جاؤں یا بے ربطی کا شکار ہو جاؤں، مگر خیر کہانی شروع ہوتی ہے کہ کالج کے پہلے دن سے پتا نہیں وہ کیسے دن تھے؟ اپنی چھبیس ستائیس سالہ زندگی میں آج تک میں سمجھ نہیں سکا، وہ بڑے عجیب دن تھے خمار بھرے اور جوانی کے نشے میں مدہوش کر دینے والے۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سولہ سال کی عمر کتنی خطرناک ہوتی ہے، میری ماں کہا کرتی تھیں اس عمر میں انسان اپنی جو شخصیت بناتا ہے پھر ساری عمر اس پر قائم رہتا ہے، جبھی وہ میرا خصوصی خیال رکھتی تھیں، مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتیں، میرے آنے جانے کا دھیان رکھتیں، میرے دوستوں کو وقتاً فوقتاً گھر بلاتی رہتی تھیں شاید اس سے وہ یہ اندازہ لگانا چاہتی تھیں کہ میں کس قسم کی کمپنی میں رہتا ہوں۔

جیسے ہی میری کالج لائف شروع ہوئی ان کی مجھ پر توجہ مزید بڑھ گئی، وہ عمر کی تباہ کاریوں سے بخوبی واقف تھیں جبھی مجھے تعمیری سرگرمیوں میں الجھائے رکھتیں اور انہی دنوں جبکہ میں نیا نیا کالج داخل ہوا تھا، میں نے اسے دیکھا اور بس اس کے بعد کچھ نہ دیکھا کہ بقول شاعر۔

اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

وہ بہت حسین تھی اتنی کہ میں اسے دیکھ کر پلکیں نہ جھپک سکا، وہ ہمارے ساتھ والے گھر میں نئے شفٹ ہونے والوں میں شامل تھی، ان کی اکلوتی بیٹی اور دو بھائیوں کی بہن ''سحر ثناء'' وہ واقعی ساحرہ تھی جس کی سحر کاری نے مجھے کسی قابل نہ چھوڑا۔

وہ ایک سہانی صبح تھی، میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی تو ساتھ والی کوٹھی کے لان میں اسے پہلی بار دیکھا، وہ ایک بھوری بلی کے پیچھے بھاگ رہی تھی، میں ساکت رہ گیا، اس کی سفید بانہیں پھیلی ہوئی تھیں اور اس کی سفید رنگ کی بڑی سی فراک ہوا کے دباؤ سے اڑ رہی تھی، سیاہ بال جو کمر تک پھیلے ہوئے تھے لٹوں کی شکل میں لہرا رہے تھے اور سب سے بڑھ کر اس کے چہرے پہ جگمگاتے وہ سنہرے ننھے ننھے گڑھے جن میں میرا دل ڈوب گیا اور پھر کبھی نہ ابھر سکا۔

میں اسے دیکھتا رہا اتنی دیر تک کہ میری آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور اسی شام مجھے تیز بخار ہو گیا، اس حسن بے پناہ کا جلوہ مجھے لے ڈوبا تھا، بہت دنوں بعد میں صحت یاب ہوا تو اندر سے ایک بدلا ہوا انسان تھا، سحر ثناء میرے اندر بیٹھ چکی تھی، اس سے میری روبرو ملاقات ایک شام اپنے گھر میں ہوئی جبکہ اس کے دونوں بھائی بھی موجود تھے اور وہ میرے بڑے بھائیوں سے مل کر کھیلنے آتے تھے، امی کا کہنا تھا کہ ہمسائیگی کا حق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے طور پر ادا کرنا چاہیے جبھی ہم سب آپس میں دوست بن گئے اور کچھ ہی دیر میں لان میں کرکٹ کا میدان سج گیا۔

میں چونکہ پوری طرح صحت یاب نہیں تھا جبھی ایک طرف کرسی پہ بیٹھ گیا، وہ میرے ساتھ والی کرسی پہ موجود تھی، اس کے بھائی نے کوئی اونچی شارٹ ماری تھی جس پہ وہ بچوں کی طرح چلاتے ہوئے اچھل رہی تھی اس نے جوش میں میرا بازو تھام لیا۔

''طٰہٰ! بھائی جیت رہے ہیں۔'' اس کی آواز میں کھنک تھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، میں نے ایک چور نظر اس کے سفید مومی ہاتھوں پہ ڈالی اور یکدم میرے دل میں بڑی عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی میرا جی چاہا میں آگے بڑھوں اور سحر کو بازوؤں میں بھینچ کر خوب پیار کروں، میں خود سے اتنا خوفزدہ ہوا کہ وحشت کے عالم میں خود کو چھڑا کر اندر بھاگتا چلا گیا۔

ہماری دوسری ملاقات کھانے پہ ہوئی تھی، امی نے انہیں دعوت پہ بلایا تھا اور میری خوش قسمتی کہ وہ عین میرے سامنے بیٹھی تھی، میری نظریں اس پر جمی رہیں اور میں نے دیکھا یک بیک اس کی رنگت میں سنہرا پن گھلتا گیا، اس نے نظریں اٹھا کر میری جانب دیکھا اور مسکرائی، مجھے یوں لگا جیسے میرے اردگرد کسی نے سرخ پھول پھینک دیئے ہوں، سارا ماحول خوشبودار ہو گیا تھا۔

بڑی عجیب کیفیت تھی میری اس دن، میری حالت پہ مجھے خود رونا آتا تھا، پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے، پتا ہی نہ چلا کب؟ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں رہتا تھا، ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر پڑھتے اور بعد میں گھنٹہ گھنٹہ بھر ہینگ مین کھیلتے رہتے، ان کے لان میں سی سا تھا اور جھولا بھی، اسے سی سا پر بیٹھنا پسند تھا، جبکہ میری ضد ہوتی جھولے پہ بیٹھنا، پینگ کی طرز کا یہ جھولا بہت مزے سے جھولتا تھا، وہ مجھ سے ایک سال چھوٹی تھی، مگر بہت باتونی اور شوخ تھی جبکہ میں کم گو اور سنجیدہ مزاج تھا۔

مجھے ساری باتیں یاد نہیں ہیں بس کچھ کچھ Glimpses ہیں ذہن میں، میں اندھیرے میں لپکتی بجلی کی مانند آگے بڑھا جاتا ہے، زندگی کے اس موڑ پہ مجھے ''محبت'' نے اپنے بس میں کر لیا تھا، اب میں بے وجہ قہقہے لگاتا، ہنستا اور فضول جوک سنا سنا کر سب کو ہنساتا، امی میرے بدلے تیوروں سے حیران تھیں، ان کے لئے میرے مزاج میں اتنی ہنگامی تبدیلی بہت عجیب واقعہ تھا۔

کالج سے آنے کے بعد ہم سارا وقت ساتھ ساتھ رہتے، یہاں تک کہ کھانا بھی ایک دوسرے کے گھروں میں کھا لیتے۔

وقت کچھ مزید آگے سرکا، وہ کالج میں آ گئی، ہماری دوستی مزید مضبوط ہو گئی، یہ سچ تھا کہ ہم نے باقاعدہ طور پر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا مگر اس کے بغیر بھی ہم دونوں ایک دوسرے پہ جان دیتے ہیں۔

دن بے حد خوبصورت تھے اور راتیں چمکدار، مجھے اس کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا، جو وقت اس کے ساتھ گزرتا بس وہی اچھا لگتا، باقی سارا وقت میں الجھا سا رنجیدہ سا رہتا، یوں لگتا جیسے کوئی چیز کھو گئی ہو، یہ ایک سنہری بہار کا ذکر ہے۔

''طٰہٰ؟ دیکھو نا، میری پتنگ پھٹ گئی ہے۔'' وہ بسورتی ہوئی میرے پاس آئی تھی، میں ہنس دیا۔

''سحر! اس کو رہنے دو، تم یہ لے لو۔'' میں نے ایک نئی پتنگ اس کی طرف بڑھائی، ہم

ؤں چھت پر چڑھے پتنگ بازی میں مصروف ے۔

اس نے پتنگ پکڑی اور ڈور کے ساتھ اس سینگ کرنے لگی، کچھ دیر بعد ہم دونوں کے تیں آسمان میں جھلملا رہی تھیں، ہمارے تقریباً ارے شوق یکساں تھے، البتہ یہ پتنگ بازی الصتاً اس کا شوق تھا وہ مقابلے پہ اپنے بھائیوں کے ساتھ پتنگ چڑھایا کرتی تھی، میں نے پتنگ زی اس سے ہی سیکھی تھی، سنہری دھوپ میں اس کے دلفریب نقوش دمک رہے تھے، میں اسے یکھنے میں اتنا محو تھا کہ کب میری پتنگ کٹ گئی جھے خبر نہ ہوئی، اس نے شور مچایا تو مجھے ہوش آ لیا، میں نے ڈور کھینچی اور گوٹ پہ لپیٹ دی اور کرسی پہ بیٹھ کر جوس پینے لگا۔

''طٰہٰ! مجھے بھی دو جوس۔'' اس نے مہارت سے ایک ہاتھ سے پتنگ سنبھالتے ہوئے دوسرا ہاتھ میری طرف بڑھایا، میں نے شرارت میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا، وہ لڑکھڑائی اور اس کے بوں سے ایک اضطراری چیخ نکلی، توازن بگڑنے سے وہ دھم سے دوسری چیئر پہ گری اور ڈور اس کے ہاتھ پہ پھر گئی، اس نے اذیت سے کراہ بھری اور ڈور چھوڑ دی، اس کے ہاتھ سے خون نکل رہا تھا، میرا رنگ زرد پڑ گیا، میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آہ طٰہٰ! کیا کیا تم نے؟'' اس کی جھیل آنکھیں لبالب بھر گئیں تھیں۔

''سحر! سوری...... پپ پتا نہیں کیسے ہو گیا۔'' میں نے اس کی لہو بہتی پور کو انگوٹھے سے دبا دیا، اس نے سسکاری بھری تھی، میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، مجھے اتنا افسوس تھا کہ حد نہیں۔

''سحر سوری، رئیلی سوری نا، میں تو بس شرارت کر رہا تھا۔'' میں نے شرمندگی سے وضاحت دی تھی، وہ بھی بڑی عجیب تھی، یکدم ہنس پڑی۔

''اچھا، اتنے رنجیدہ کیوں ہو رہے ہو۔'' اس نے شوخی سے کہتے ہوئے میرے بال بکھیر دیئے، میں بھی ہنس دیا۔

ہماری شرارتیں بس اسی قسم کی ہوتی تھیں، کچھ دن بعد اس کے ایگزامز سٹارٹ ہو گئے، وہ سارا دن میرا دماغ کھپاتی رہتی، وہ ایف ایس سی کر رہی تھی، فزکس سے اسے سب سے زیادہ پرابلم تھی۔

پیپر ختم ہوئے تو وہ گاؤں اپنے گرینڈ فادر کے پاس چلی گئی، تب مجھے اصل میں احساس ہوا کہ وہ میری زندگی میں کتنی اہمیت اختیار کر چکی تھی، میں بولایا بولایا سا پھرتا رہتا، امی میری حالت دیکھ کر ہنس دیتیں۔

''طٰہٰ! ایسا بھی کیا پاگل پن؟'' طلحہ بھیا نے بھی میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا، میں کوئی جواب نہ دے پاتا اور پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا جاتا، وہ واپس لوٹی تو اس سے خوب لڑا اور اس سے وعدہ لے کر چھوڑا کہ آئندہ مجھے اتنے زیادہ دنوں کے لئے نہیں چھوڑ کر جائے گی، وہ بس ہنستی رہی۔

اب ہم زندگی کی دوڑ میں مزید آگے بڑھ چکے تھے، میں یونیورسٹی میں تھا اور وہ گریجویشن میں، جب پہلی بار میں نے اسے ایک خوبصورت کارڈ اور سرخ پھول دیئے اور اپنی والہانہ محبت کا اظہار کر دیا تھا۔

وہ سرخ چہرہ لئے مجھے دیکھتی رہی اور کائنات کا سارا حسن اس کی حسین آنکھوں میں سمٹ آیا تھا، زندگی اتنی خوبصورت پہلے کبھی نہ تھی جتنی اب ہو گئی تھی، امی اس کے گھر جانا چاہتی تھیں، میں تو خود دل و جان سے آمادہ تھا، اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن بھی میں نے یونیورسٹی سے واپسی پہ اسے کالج سے پک کیا تو وہ مجھ سے جھگڑ پڑی۔

''طٰہٰ! تم پھر بائیک لے آئے ہو۔'' وہ ناراض ہوئی، اسے بائیک سے ڈر لگتا تھا، اوپر سے میری تیز رفتاری اسے ہولائے دیتی۔

''اچھا، اب بیٹھو بھی۔'' میں نے ہیلمٹ چڑھایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گئی مگر اس نے مضبوطی سے میری شرٹ پکڑ لی۔

''اوہو سحر! مجھے تو چھوڑو۔'' میں نے شرٹ چھڑائی تو اس نے جھلا کر مجھے مکا مارا اور پھر سے مجھے پکڑ لیا، میں ہنسنے لگا۔

''سحر! پتا ہے میرا دل کیا چاہتا ہے، ایک لمبا سفر ہو اور.....''

''اور کیا؟''

''تیرا ساتھ ہو اور سہانی یہ رات ہو۔'' میں گنگنایا تھا، وہ ہنسنے لگی۔

''اور لمبا سفر اس بائیک پہ؟ نو وے۔'' اس نے توبہ کی۔

''اچھا یہ بات ہے، یہ لو پھر۔'' میں نے اسپیڈ بڑھا دی، وہ چلا اٹھی۔

''طٰہٰ! خدا کا خوف کرو، میرا دم نکل جائے گا۔'' وہ لرزتے ہوئے لہجے میں التجا کر رہی تھی، میں ہنسا۔

''میں ہوں تمہارے ساتھ، پھر تمہیں کیا ہو سکتا ہے۔'' ابھی بات میرے منہ میں ہی تھی جب سامنے سے آتے تیز رفتار کنٹینر نے میری بائیک کو ٹکر ماری، بائیک کھلونے کی طرح فضا میں اچھلی اور پھر سب کچھ تاریک ہو گیا۔

اس کے بعد کے واقعات بالکل کسی خواب کی مانند میرے ذہن میں محفوظ ہیں، میں ہاسپٹل کے سفید بیڈ پہ تھا، میری ایک ٹانگ اور ایک بازو پلستر میں تھی اور سحر کے گھر صف ماتم بچھ گئی، وہ چلی گئی، وہ جس کے بغیر میں ایک پل نہیں گزار سکتا تھا مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

میں نے بہت کوشش کی ہے
اپنے سینے میں تمہاری یاد کے اُگے ہوئے
درخت کو اکھاڑ پھینکوں
خاردار اور نوکیلے درخت کو
اور ہمیشہ زیادہ زخمی ہو بیٹھا ہوں
بدن کا بدن تک پرویا جاتا رہا ہے
مجھے اپنی موت کے دکھ سے نکالو
میری روح پر سے اپنا مزار اٹھالو
کہیں کوئی چھوٹی سی قبر ہی بہت ہے
میری آنکھوں سے خون بہتا ہے تو مجھے چھپانا پڑتا ہے
خود سے بھی اور لوگوں سے بھی

مجھے بہت دن بعد بتایا گیا اور میں جو پہلے ہی بستر پہ تھا مزید بیمار پڑ گیا، مجھے یاد ہے امی میرے پاس گھنٹوں بیٹھی رہتیں اور روتی رہتیں اور میں بھی روتا رہتا، پتا نہیں میں نے کیسے اس صدمے کو برداشت کیا؟ کیسے اس غم کے بوجھ سے خود کو نکالا، مجھے یاد نہیں، بس اتنا یاد ہے کہ جب میں ٹھیک ہوا تو بہت بدل گیا تھا۔

سناٹے میرے اندر اتر آئے تھے اور ہر چیز سے لاتعلقی میرے مزاج کا حصہ بن گئی، مجھے اعتراف ہے کہ مجھے سنبھالنے میں میرے گھر والوں کے بعد سب سے زیادہ ہاتھ زمر کا تھا، وہ اتنی پیاری اور خاص تھی کہ میرا دل ٹھہرنے لگا۔

اور اب جبکہ چار سال بیت چکے ہیں، میری زندگی کی ایک ڈائریکشن بن گئی ہے، میرا بیٹا ہے تو پھر سے سحر ہم دونوں کے درمیان آ ٹھہری ہے، میری چھوٹی سی بے اختیاری نے جو کہ ارسلان کے سامنے میں خود کو روک نہ سکا اور اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری باتیں سن لیں، مجھے افسوس ہے، مگر زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ وہ مجھ سے بدگمان ہوگئی ہے، پتا نہیں میں اسے منا پاؤں گا یا نہیں، لیکن سچ یہی ہے کہ میں تو سحر کے صدمے سے ہی بہت مشکل سے نکل سکا تھا، وہ تو چلی گئی، نجات پا گئی مگر مجھے اپنے ہجر بے کراں کے ساتھ اس برزخ میں جلتا چھوڑ گئی۔

عشق کا ازل سے اک یہی دستور ہے غالب
جو اس کو جان لیتا ہے یہ اس کی جان لیتا ہے

میری آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ گر رہے تھے۔

☆☆☆

طٰہٰ مجھے لینے آیا تھا، میں امی سے مل کر اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی، کتنی عجیب بات ہے طٰہٰ کو بائیک چلانے سے ازحد نفرت ہے، اس کے پاس شروع سے ہی میرا مطلب شادی کے بعد جب سے میں آئی تھی کار ہی تھی، راستے میں اس نے گاڑی آئس پارلر کے آگے روک دی۔

''آؤ آئس کریم کھائیں۔'' اس نے مسکرا کر مجھے کہا۔

میں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا، یہ طٰہٰ کا مزاج تو نہیں تھا، مگر میں کچھ بولے بنا اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گئی، میں نے اسٹرابری فلیور کہا تو اس نے بھی یہ ہی کہہ ڈالا مجھے حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا، یہ طٰہٰ کو کیا ہو گیا تھا؟ وہ تو صرف چاکلیٹ فلیور پسند کرتا تھا، آئس کریم کھاتے ہوئے اس نے مجھ سے بڑا عجیب سا سوال پوچھا۔

''زمر! تم سے ایک بات پوچھوں؟'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''جی پوچھیں۔''

''ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا آتا ہے جو اس کی زندگی کا حاصل ہوتا ہے، جسے دیکھ کر ہمیں لگتا ہے کہ یہ تو ہماری روح کا گمشدہ حصہ ہے، جو ہمیں ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اور جسے ہم کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتے، تمہاری زندگی میں بھی ایسا کوئی شخص ہے؟'' اس نے کہا۔

میں ساکت سی اسے دیکھتی رہی پھر میں نے گود میں سوئے حمزہ کا ماتھا چوما اور بڑی مستحکم آواز میں کہا تھا۔

''ہاں ہے، میری زندگی میں طٰہٰ قربان علی ہے جس کے لئے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں، جان بھی دے سکتی ہوں جو مجھے اس ساری دنیا سے زیادہ پیارا ہے۔'' میری آواز بھرا گئی تھی۔

طٰہٰ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس کے بعد وہ کچھ نہ بولا، واپسی کے سارے رستے ہم دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہ ہوئی تھی، میں نے آ کر حمزہ کو کاٹ میں ڈالا اور طٰہٰ کے صبح کے لئے کپڑے تیار کرنے لگی، اس کام سے فارغ ہو کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور بیڈ پہ آ گئی، طٰہٰ جاگ رہا تھا۔

''پتا ہے زمر! آج مجھے کیا لگا؟ آج مجھے لگا کہ تمہاری جگہ میں خود ہوں، یا شاید تم میری جگہ آ گئی ہو، میں بھی ایسی ہی والہانہ محبت کی تھی کسی سے.....'' ہیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کیے، وہ بولا تھا، اس بات مجھے کسی چابک کی طرح لگی تھی، میں نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''وہ کون تھی طٰہٰ؟'' میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، طٰہٰ نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

''وہ سحر تھی، میری دوست، میری پہلی محبت، جیسے میں نے والہانہ چاہا اور.....'' وہ بولتا جا رہا تھا اس کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی اور وہ خود بکھرا ہوا تھا،

اسے نے مجھے سب بتا دیا، کچھ بھی نہیں چھپایا۔

''وہ مر چکی ہے زمر! میں نہیں چاہتا میں ساری زندگی اسے تمہارے وجود میں تلاشتا رہوں جبھی آج سچ تمہارے سامنے رکھ دیا ہے، اگر ظرف رکھتی ہو تو معاف کر دو ورنہ جو چاہے سزا سنا دو۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا، مجھے دھچکا لگا، میں نے تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''آپ نے کیسے یہ سوچ لیا طٰہٰ کہ میں آپ کو سزا..... کوئی فرط جرم عائد کروں گی آپ پر..... ایک مری لڑکی سے میں کیا حسد کروں۔'' میں نے روتے ہوئے اس کے بال سمیٹے اور اس کی پیشانی کو چوما۔

''تم سچ کہہ رہی ہو نا زمر!'' اس نے مجھے شبانوں سے تھام کر سامنے کیا، انداز میں بے یقینی تھی، میں نے اثبات میں سر ہلا دیا، طٰہٰ نے بے اختیار مجھے خود میں بھینچ لیا۔

''شکریہ میری جان! دیکھو یہ گھر تمہارا ہے میں تمہارا ہوں، میرا دل تمہارا ہے وہ تو بس ایک یاد ہے۔'' اس نے مجھے تسلی دی، یا خود کو بہلایا تھا۔

☆☆☆

ان دونوں کی زندگی بہت خوبصورت ہے جس میں ایک دوسرے کی محبت کا اعتماد اور یقین ہے اور ایک دوسرے کے لئے نظروں میں احترام ہے، ایک دن کچھ ڈھونڈتے ہوئے طٰہٰ کے ہاتھ زمر کے ادھورے کالمز لگ گئے، وہ کتنا حیران ہوا تھا اور پھر اس سے بے تحاشا لڑا تھا، اس کا کہنا تھا کہ زمر نے اس سے یہ بات کیوں چھپائی تھی؟ پھر اس نے ضد کر کے اس سے کالم لکھوائے اور مختلف نیوز پیپرز کو ارسال کر دیئے اور جس دن اس کا پہلا کالم چھپا اس دن طٰہٰ نے ایک شاندار ضیافت رکھی تھی۔

یہ ایک خوشگوار دن کا آغاز تھا، چھٹی کا دن ہمیشہ خوشگوار ہی ہوتا ہے، طٰہٰ نے ٹی وی آن کیا تو ایک چینل پر پارٹنگ کی نشریات میں ہوسٹ ایک غزل سنا رہی تھی، اس نے زمر کو آواز دے کر بلا لیا۔

تمہاری آنکھیں کہتی ہیں حصار ذات سے نکلو
تمنا میری بن جاؤ شب برباد سے نکلو
کنارہ تھام لو دل کا بھلا دو ہر گلہ شکوہ!
کبھی سچی ہنسی ہنس دو پرانی یاد سے نکلو
خیال یار اچھا ہے مگر جس نے وفا نہ کی!
پلٹ کر پھر صدا نہ دو در فریاد سے نکلو

طٰہٰ نے مسکرا کر زمر کو دیکھا تھا، ایسا نہیں تھا کہ وہ سحر کو بھول گیا تھا مگر زمر کی محبت اتنی زور آور اور طاقتور تھی کہ وہ خود کو اس کے حصار میں جکڑا ہوا پاتا تھا اور ویسے بھی چاہنے سے زیادہ چاہے جانا خاص لگتا ہے، اسے بھی یہ احساس مغرور بنا دیتا تھا کہ جس قدر اس نے سحر شناء کو چاہا تھا اسی قدر زمر نے اسے چاہا تھا۔

''آج ناشتہ تمہاری پسند کا چلے گا۔'' طٰہٰ نے کہا، زمر نے حیرت سے آنکھیں جھپکیں۔

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' وہ بے یقینی سے بولی، یہی زمر جسے لگتا تھا کہ وہ کوئی فالتو شے ہے اب طٰہٰ کا آئینہ بن گئی تھی جس میں اسے اپنا آپ بڑا اجلا نظر آتا تھا جبھی طٰہٰ نے مسکرا کر اسے یقین دلانے کے لئے اس کی لٹ کھینچ لی، جواباً زمر کی چیخ نے اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا، ان دونوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر حمزہ بھی کھلکھلانے لگا اور زمر کو لگا کہ صحیح معنوں میں آج اس کی کائنات مکمل ہو گئی ہے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں کواکب کچھ

نازیہ ضیاء

''بھابھی...... سعیہ بھابھی......'' زیبا نے سیڑھیوں سے نیچے صحن کی طرف جھانکتے ہوئے آواز دی۔

''ایک منٹ...... زیبا۔'' سعیہ نے چولہے پر رکھے دودھ کے بڑے دیگچے کے نیچے آنچ مدھم کرتے ہوئے جواب دیا، جلدی سے پلٹ کر سنک پر ہاتھ دھوئے اور دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی صحن کے اک کونے سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف آئی، سیڑھیوں کے آخری سرے پہ زیبا کھڑی نظر آئی۔

''کیا بات ہے زیبا...... میں کچن میں ذرا مصروف تھی آج۔'' سعیہ نے پوچھا۔

''وہ بھابھی آپ نے کام والی رکھ لی ہے ناں۔'' زیبا نے پوچھا۔

''ہاں زیبا، بس یہ کمر درد اب زیادہ کام کرنے کی اجازت نہیں دے رہی، تمہارے بھائی جان سے پوچھا تو انہوں نے اعتراض نہیں کیا، اجازت دے دی، اب کچھ دن ہوئے ہیں، غالباً ایک ہفتہ، صفائی کر جاتی ہے روزانہ اور کپڑے بھی دھو دیتی ہے۔'' سعیہ نے تفصیلاً جواب دیا۔

''بھابھی آج آئے تو پلیز اسے تو اوپر بھی بھیجیے گا، مجھ سے بھی اب کام وام نہیں ہوتا، سوچا چلو آپ کی طرف بھی تو آتی ہے، میں بھی کام کروا لوں گی، ویسے بھی اب بے چاری آتی تو ہے کون سا میرے لئے سپیشل آنا پڑے گا۔'' زیبا نے کہا۔

''اچھا آتی ہے تو فارغ ہو کر اوپر آ جائے گی۔'' سعیہ نے جانے کے لئے قدم بڑھائے، وہ ذرا عجلت میں دکھائی دے رہی تھی۔

''بھابھی! ویسے کچن میں کیا آج زیادہ کام ہے؟ کچھ سپیشل بنا رہی ہیں؟'' زیبا نے تجسس سے پوچھا۔

''ہاں بس آج یہ اگلی سڑک پہ جو مدرسہ ہے ناں ادھر کھانا بھجوانے کا ارادہ کیا تھا، تو ان کے لئے کھیر پکا رہی ہوں، باقی کام تو کر لیا کچھ بشریٰ آئے گی تو ہاتھ بٹا دے گی۔'' سعیہ نے مفصل سے جواب دیا۔

''اور کیا بنایا ہے کھیر کے علاوہ۔'' زیبا نے پوچھا۔

''دال گوشت بنایا ہے، نان بازار سے منگوا لیں گے۔'' سعیہ نے بیزاری سے کہا، جانتی تھی کہ جب تک زیبا کو مکمل معلومات نہ ملیں گی وہ آرام سے پیچھے نہیں ہو گی۔

''جی بھابھی! بس لوگ تو جیسے اللہ کو بھول ہی گئے ہیں، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کھانا کھلانا غریبوں کو ان کی عزت نفس مجروح کیے بغیر یوں مدد کرنا کہ ان کو بھی محسوس نہ ہو، اب تو لوگوں میں صرف نمود نمائش اور دکھاوا ہی رہ گیا ہے، جس کو دیکھو بس دنیا اور نفس کے پیچھے بھاگ رہا ہے، اک دوڑ لگی ہے لوگوں میں، کون کتنا بڑا گھر بناتا ہے کتنے مہنگے کپڑے پہنتا ہے اور کس کا اسٹیٹس کتنا اونچا ہے۔'' زیبا نے بڑے مبلغانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

''ہاں ہم لوگ اللہ کو جیسے واقعی بھول ہی

گئے ہیں۔'' سعیہ نے سوچتے ہوئے بڑے متفکرانہ انداز میں سرگوشی نما فقرہ ادا کیا اور اندر صحن کی طرف بڑھ گئی۔

زیبا بھی با آواز بلند اللہ توبہ استغفار کرتی اپنے پورشن کی طرف مڑ گئی۔

☆☆☆

''بشریٰ کپڑے دھونے کے بعد آج صفائی کرنے سے پہلے میرے ساتھ کچن کے تمام دراز اور کیبن صاف کروا دینا۔'' سعیہ نے کپڑے دھونے میں مگن بشریٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی باجی!" بشریٰ نے ہاتھ تیز تیز چلاتے ہوئے جواب دیا۔

سنیعہ نے آج سارا کچن صاف کرنے کا ارادہ کیا تھا، سو سب برتن، مصالحہ جات کی بوتلیں، ہر چیز اپنی جگہ سے باہر نکل کر یا تو کچن کی شلیف پر رکھی تھی یا نیچے فرش پر۔

سنیعہ کے چار بچے تھے، دو بیٹے، دو بیٹیاں، ماشاءاللہ پڑھنے میں طاق تمیز دار اور سلجھے ہوئے۔

سنیعہ نے خود بھی ایم اے کیا تھا اور اس کے شوہر اویس نے بھی ایم بی اے کیا تھا اور اب اپنا کاروبار سنبھالے ہوئے تھا۔

بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن دونوں یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ تھے جبکہ چھوٹی دونوں بیٹیاں عائشہ اور فاطمہ ابھی ایف ایسی سی اور میٹرک کی سٹوڈنٹ تھیں۔

ایک ہی گھر کے نچلے پورشن میں اویس اور سنیعہ رہائش پذیر تھے اور اوپر والے پورشن میں اویس سے چھوٹا بھائی قاسم اپنی بیوی زیبا اور بچوں حسین، محسن اور چھوٹی عمارہ کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔

اویس اور قاسم دونوں بھائی ایک ہی کاروبار چلا رہے تھے، اللہ کا بہت احسان تھا کہ کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔

قاسم کا بڑا بیٹا حسین فاطمہ کے ساتھ ہی میٹرک کا سٹوڈنٹ تھا، محسن اور عمارہ ابھی مڈل اور پرائمری سٹینڈرڈ میں پڑھ رہے تھے۔

زیبا ایک خوش شکل، سمارٹ اور تیز طرار سی لڑکی تھی، ہر وقت دوسروں کو نصیحت کرنے اور ان کی غلطیوں پر ٹوکنے کو تیار رہتی تھی، لوگ بہت برے ہیں یا لوگ سمجھتے نہیں، اس کی گفتگو اس فقرے سے شروع ہو کر اللہ توبہ، اللہ ان لوگوں کو معاف کرے پر ختم ہوتی تھی، سنیعہ نہایت خاموشی سے اس کی گفتگو سنا کرتی۔

آس پڑوس کی خواتین اور اپنے خاندان میں بھی تمام ملنے جلنے والے سنیعہ کو خوش قسمت گردانتے کہ ساس اس کے بیاہنے سے پہلے چل بسی اور دیورانی بھی آئی تو ایسی خوف خدا والی ایسی اچھی کہ کبھی کسی نے ان کی آپس میں ناراضگی یا چپقلش نہ سنی۔

کم گو سی سنیعہ خاموشی سے سب کی باتیں سنتی اور ہولے ہولے مسکراتی رہتی، اس نے کبھی یہ جتانے کی کوشش نہ کی کہ اگر اتنی اچھی ہے زیبا تو شادی کے تیسرے ماہ ہی اوپر والا پورشن کیوں ٹھیک کروانا پڑ گیا، حالانکہ صرف ایک زیبا کا ہی تو گھر میں اضافہ ہوا تھا۔

کبھی سنیعہ کے بچوں کو کسی نے اوپر والے پورشن کی طرف جاتے نہیں دیکھا تھا کہ زیبا باتوں میں تو بہت بچوں کے لاڈ اٹھاتی تھی مگر صرف لفظوں کی حد تک، اگر کبھی بچے اس کے پورشن کی طرف چلے جاتے تو اس کا ٹھنڈا ٹھار رویہ دیکھ کر خود بخود نیچے آ جاتے، کہ بچے محبت کی گرمی کو خود محسوس کر لیتے ہیں، ہاں جب بچے نیچے آ جاتے تو پھر کچھ دیر بعد زیبا نیچے آ کر سنیعہ کو جتانا نہیں بھولتی تھی کہ وہ مصروف تھی اور توبہ بھابھی آپ کے بچے تو مجال ہے کہ ذرا قریب پھٹکیں، جتنا بھی پیار کر لو ان پر اثر نہیں کرتا۔

"دراصل آپ ان کو کہیں آنے جانے بھی تو نہیں دیتیں، اکیلے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔"

پھر آہستہ آہستہ جیسے بچے اوپر کا راستہ ہی بھول گئے، قاسم تھا تو وہ صبح کا گیا رات کو لوٹتا اور پھر بچوں میں گھر کر کئی کئی ہفتے وہ بھی نیچے کا رخ نہ کرتا۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ دونوں

خاندان مکمل علیحدہ زندگی گزار رہے تھے، ہاں جب کبھی کسی رشتہ دار یا مہمان کے آنے کی خبر زیبا کو اوپر ہو جاتی تب وہ ضرور نیچے چلی آتی۔

سنیعہ باورچی خانے میں خاموشی سے مہمانداری میں مصروف کھانا بنا رہی ہوتی یا دیگر لوازمات اور زیبا۔

زیبا مہمان کو مکمل وقت دیتی، اللہ کا خوف یاد کروانی، زمانے کا بدلتا چلن، رشتے داروں، قرابت داروں کے رویوں پر دو ٹوک تنقید اور آخر میں توبہ استغفار کرتی اوپر چلی جاتی کہ اتنی دیر میں نہ صرف مہمان بلکہ وہ خود بھی تمام لوازمات سے انصاف کر چکی ہوتی اور اسے احساس ہوتا کہ اب بھابھی سنیعہ فارغ ہو کر بیٹھیں گی اور بس اب مہمان رخصت لینے والا ہو گا۔

"چلو جی، مہمان بھی نپٹا، کام بھی نپٹا، نہ کچھ کرنا پڑا نہ کچھ خرچ ہوا، تعریف مفت کی حاصل۔"

اور اب ان کے گھر میں اک مزید فرد کا اضافہ بشریٰ کی صورت میں ہوا تھا وہ بھی اک خاموش سامع کی صورت میں اوپر نیچے کام کرتی نظر آتی۔

"بشریٰ تمام جار اچھی طرح گیلے کپڑے سے صاف کر کے پھر خشک کپڑا مارنا اور ان کو واپس دراز میں رکھتی جاؤ۔" سنیعہ نے تمام بڑے دیگچے ایک دوسرے کے اندر ترتیب سے گھساتے ہوئے کہا۔

بشریٰ نے خاموشی سے شلیف پر پڑا کپڑا اٹھایا اور تمام مصالحہ جات کے جار صاف کرنے لگی۔

"بشریٰ کتنے بچے ہیں تمہارے؟" سنیعہ نے پوچھا۔

"دو باجی! ایک بیٹا، ایک بیٹی۔" بشریٰ نے بتایا۔

"پڑھ رہے ہیں یا کسی کام وام پہ جاتے ہیں۔" سنیعہ نے پوچھا۔

"نہیں باجی! کام نہیں، پڑھتے ہیں، میرا بڑا بیٹا ہے، مدثر اس سال اس نے دسویں کے پیپر دینے ہیں اور چھوٹی بیٹی سندس ہے اس نے آٹھویں کے پیپر دینے ہیں۔"

"باجی خود تو پڑھی نہیں، پر مجھے تعلیم سے بہت لگاؤ ہے، میرا دل چاہتا ہے مدثر خوب پڑھ لکھ کر باؤ بنے بڑا آدمی اور سندس پڑھ کر بڑے والا سکول ہوتا ہے ناں جی وہ کالج وہاں استانی لگے، بس باجی یہی ارادہ دل میں باندھ کر گھر کی دہلیز پار کی، میرا خاوند دھوبی کے ساتھ کپڑے استری کرتا ہے، وہ استری پر ہی ہوتا ہے، گھر کا خرچ بہت اچھا چلا لیتا ہے، پر باجی آپ کو پتہ ہے کہ مہنگائی اتنی ہے کرایہ، بل اور روز کی دال روٹی میں کچھ بچتا ہی نہیں، اسی لئے میں اپنے بچوں کے لئے گھر سے نکلی، ان کی پڑھائی کے اخراجات پورے ہوں، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، اسی لئے باجی لوگوں کے گھروں میں کپڑے دھونے، صفائی کرنے لگی، اترن پہن لیتی ہوں، دوسروں کا بچا کھا لیتی ہوں لیکن بچوں کی پڑھائی خراب نہ ہو سارے پیسے ان کے لئے بچائے رکھتی ہوں۔" بشریٰ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر بولی۔

"باجی! میرے بچے اپنی کلاسوں میں پہلے نمبر پر آتے ہیں، ان کے ماسٹر کہتے ہیں کہ بچے بڑے اچھے ہیں، ذہین ہیں، دل لگا کر پڑھتے ہیں، بس باجی یہی بات دل کو سکون دیے رکھتی ہے کہ میری محنت ضائع نہیں جائے گی، اک دن رنگ لائے گی۔" بشریٰ نے دھیمے لہجے میں بڑا تفصیلاً جواب دیا، عجب سے رنگ اس کے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔

آنے والے دنوں کا تصور کر کے ہی اس کی آنکھیں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔

سنیعہ نے یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے آہستگی سے ماشا اللہ کہا اور اس دن کے بعد سے وہ اپنے گھر کا اضافی بھی کام ہو رضائیاں نکلوا کر دھلوانی ہوتیں یا گندم صاف کروانا ہوتی چھت کی صفائی ستھرائی یا کسی مہمان کے آنے پر اضافی کام میں مدد لینا ہوتی سنیعہ، بشریٰ کو بلوا لیتی اور جاتے وقت آہستگی سے اس کے ہاتھ میں اس کی محنت کا معاوضہ تھما دیتی۔

اس وقت بشریٰ کا طمانیت کا انداز سنیعہ کو بہت بھلا لگتا، سارا دن سخت سردی میں شلوار کے پائنچے چڑھائے، شڑپ شڑپ صحن کا فرش دھوتی، کمبل صرف میں ڈبوتی پوری جان سے ان کو دھوتی بشریٰ پر ترس آتا، مگر وہ جی جان سے لگی رہتی۔

ہر کام، ہر وقت کرنے کو تیار کہ آخر اس کو مہینے سے الگ اضافی پیسے ملنے کی آس ہوتی، کبھی کہتی۔

"سنیعہ باجی، مدثر کا رجسٹر ختم تھا ان پیسوں سے اس کو رجسٹر منگوا دوں گی۔"

تو کبھی کہتی۔

"باجی! سندیں کو یونیفارم کی قمیض پھٹی تھی چلو ان پیسوں کے قمیض لا کر بنا دوں گی۔" اور پیسوں کو بہت احتیاط سے پلو سے باندھ لیتی۔

اس دن بھی تمام کچن کی صفائی کرنے کے بعد سنیعہ نے بشریٰ کو دو سو روپے تھمائے تو وہ بڑی متشکرانہ نگاہوں سے سنیعہ کو دیکھنے لگی۔

"سنو بشریٰ، تم بتا رہی تھی کہ مدثر کی فیس تم سے دی نہیں جا رہی۔" سنیعہ نے پوچھا۔

"ہاں باجی! اب دو ماہ بعد دسویں کے پیپر (سالانہ امتحان) ہونے ہیں اور مدثر کہہ رہا تھا کہ وہ ٹوشن (ٹیوشن) پڑھنا چاہ رہا ہے، لیکن میرے پاس فیس کے پیسے کہاں باجی، اکٹھا پانچ سو کیسے نکالوں۔" بشریٰ نے بڑے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اچھا یوں کرو، اسے ٹیوشن بھیج دیا کرو اور ہر ماہ مجھ سے پیسے لے لیا کرنا۔" سنیعہ نے آہستگی سے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔

بشریٰ نے ایک لحظہ کے لئے آنکھوں میں بے یقینی بھر کر سنیعہ کو دیکھا اور پھر ہاتھ پھیلا کر سنیعہ اور اس کے بچوں کے لئے بے ساختہ دعائیں دینے لگی، اپنے آنسو پونچھتی جاتی اور دعائیں دیے جاتی، تبھی اوپر سے زیبا کی آواز آئی۔

"بھابھی! سنیعہ بھابھی! سامنے ہونا ذرا۔" زیبا نے تیز آواز میں پکارا۔

"کہو زیبا!" سنیعہ نے سیڑھیوں کی طرف اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھابھی وہ بشریٰ اگر ابھی ہے تو اوپر بھجوا دیں ذرا، سردیوں کے کپڑے نکلوا لوں اس سے۔" زیبا نے عجلت بھرے انداز سے کہا۔

"ہاں ہے۔" اور تبھی سیڑھیوں کی طرف آتی بشریٰ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں زیبا باجی! میں آتی ہوں۔" بشریٰ نے سنیعہ کے دیکھنے پہ خود ہی جواب دیا اور ساتھ ہی اوپر والی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

☆☆☆

باہر بچوں کے سکول رکشہ رکنے کی آواز سنائی دی تو سنیعہ دروازہ کھولنے کے لئے چل پڑی، حسین اور محسن آپس میں باتیں کرتے لڑتے جھگڑتے اندر آئے اور اوپر اپنے پورشن کی سیڑھیوں میں بیگ پھینک کر یکدم اندر صحن کی

طرف بھاگ گئے۔

حسین آگے جبکہ محسن اس کے پیچھے اسے پکڑنے کے لئے بھاگ رہا تھا جب یکدم محسن نے حسین کی شرٹ پیچھے سے پکڑ کر کھینچ ڈالی، سنیعہ نے بھاگ کر ان دونوں کو پکڑا اور الگ الگ کیا۔

"ہوا کیا؟" سنیعہ نے آرام سے دونوں سے پوچھا۔

"تائی امی! یہ حسین نے میرے پیسے لئے اور اب واپس نہیں کر رہا۔" محسن نے غصے سے کہا۔

"نہیں تائی امی! اس کے پیسے میرے پاس نہیں ہیں۔" حسین نے فوراً جواب دیا، سنیعہ بچوں کو دونوں ہاتھوں سے تھامے پرے رکھنے لگی تھی کہ اچانک محسن نے حسین کی شرٹ کالر سے پکڑ کر زور سے کھینچی، اس کی شرٹ کا بٹن ٹوٹ کر گر گیا سنیعہ نے بہت غصے سے دونوں بچوں کو دیکھا اور اک دم زور سے بولی۔

"رک جاؤ، اب اگر تم میں سے کسی نے بدتمیزی کی تو میں ماروں گی۔" حسین اپنی شرٹ ٹھیک کرنے لگا اور محسن نے رونا شروع کر دیا، تبھی اچانک سنیعہ کی نظر حسین کی شرٹ پہ پڑی، وہ حیران رہ گئی، شرٹ کے اندرونی طرف جیب کے ساتھ سیفٹی پن کی مدد سے ایک تعویذ لٹک رہا تھا۔

"حسین ٹھہرو ذرا، یہ کیا ہے؟" سنیعہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں تائی امی! کچھ بھی تو نہیں۔" حسین نے فوراً شرٹ کو آگے سے بند کرتے ہوئے کہا۔

"میں بتاتا ہوں آپ کو تائی امی!" محسن نے روتے ہوئے انتقامی لہجے میں کہا۔

"یہ پڑھتا نہیں، سبق یاد نہیں ہوتا، روز ٹیچر سے مار کھاتا ہے، ماما نے اس کو شاہ جی سے تعویذ لا کر باندھیں ہیں، تائی امی ایک اس کے بازو پر اور ایک شرٹ کے کالر پر بھی ہے۔" اس نے ایک ایک کر کے تمام تعویذوں کے متعلق بتایا۔

"ماما نے منع کیا تھا کسی کو بھی بتانے کو، اس نکمے کو کچھ آتا جو نہیں۔" محسن نے حسین کے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر بتانا شروع کیا تو بتاتا ہی چلا گیا اور تبھی زیبا کے شاید محسن کی رونے کی آواز سنی تھی اسے صحن کی طرف آتے دیکھ کر بچے اس کی طرف بھاگ گئے، دونوں ہی اپنی اپنی بات پہلے بتانے کے چکر میں اکٹھے ہی بولتے جا رہے تھے اور سمجھ خاک نہیں آ رہی تھی، سنیعہ تو خاموش اپنی جگہ کھڑی دیکھ رہی تھی بس۔

"اچھا چپ کرو، دیکھو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اس طرح بدتمیزی کرنے سے۔" زیبا نے ڈپٹا۔

"محسن آپ چھوٹے ہیں چلو آپ بتاؤ کیا ہوا؟"

"ماما اس نے میرے پیسے لے لئے۔" محسن نے فوراً ہی مسئلے کو بیان کیا۔

"مگر پیسے تو آپ کو صبح دیے ہی نہیں تھے بیٹا۔" زیبا نے محسن کو بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں مگر جو رات کو پاپا کے دوست نے مجھے دیے تھے وہ تو میرے تھے ناں میں وہ لے کر گیا تھا۔" محسن نے ٹھنکتے ہوئے کہا۔

"ماما یہ پانچ سو لے کر گیا ہوا تھا، اس نے وہاں اپنے سارے دوستوں کو بھی کینٹین سے چاکلیٹس لے کر دی تھیں۔" حسین نے بھی شکایت لگائی۔

"تو کیا ہے میرے پیسے تھے، میں جس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرضی دوں۔'' محسن نے ماں کے ساتھ لگے لگے حسین کو بدتمیزی سے جواب دیا۔

''اور ماما یہ تائی امی کو تعویذوں کا بھی بتا رہا تھا، آپ نے منع کیا تھا ناں۔'' حسین نے بتایا۔

''چلو اوپر چلو دونوں، یوں آپس میں نہیں لڑتے، اللہ تعالیٰ ڈانٹتے ہیں، بری بات ہے آپس میں زبان چلانا۔'' زیبا نے دونوں بچوں کو گالوں پہ پیار کرتے ہوئے کہا۔

محسن حسین دونوں بیگ اٹھائے آپس میں اک دوجے کو چھیڑتے آگے پیچھے اوپر بھاگ گئے، زیبا نے سر پر دوپٹہ ٹکاتے ہوئے سنیعہ کی طرف دیکھا۔

''بس بھابھی میں تو ان کو ہر وقت پیار سے سمجھاتی رہتی ہوں، یہ کرو، یہ نہ کرو اللہ کو پسند نہیں لڑنا جھگڑنا، ابھی بھی دیکھیں کتنے آرام سے سمجھ گئے ہیں اور اوپر چلے گئے، میں تو کوشش کرتی ہوں کہ ان کو ماروں ناں، ڈانٹوں ناں، بس ان کے معاملات پر نظر رکھوں اور ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر دھیان دوں، اللہ ہی ان کو سیدھے راستے پر لگانے والا ہے، دیکھیں کتنے بھولے بچے ہیں میرے ورنہ آج کل تو..... توبہ توبہ ڈھیٹ اور نافرمان اولاد ہے لوگوں کی کہ کچھ نہ پوچھیں نہ ماں باپ کو دین ایمان کی خبر نہ اولاد کو، بچے تو جانوروں کے بھی پل جاتے ہیں مگر لوگوں کو ذرا فکر نہیں ہوتی کہ یہی اولاد ان کے لئے صدقہ جاریہ بھی ہے اور یہی اولاد ان کا مستقبل بھی مگر ناں جی، بے فکرے لوگ، انجان بنے اولاد کو بگاڑتے چلے جاتے ہیں۔''

تبھی اوپر سے حسین اور عمارہ کے چیخنے اور رونے کی آوازیں آنے لگیں تو زیبا کو اپنا ''لیکچر'' فوراً سمیٹ کر اوپر کا رخ کرنا پڑا۔

سنیعہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی، پڑھائی کے لئے تعویذ ابھی تک اس کی آنکھوں کے آگے ناچ رہے تھے تو وہیں حسین کا پانچ سو روپے اپنا کہہ کر دھڑلے سے خرچ کرنا، سنیعہ کے دونوں بیٹے مسلسل وظائف حاصل کر رہے تھے اور یونیورسٹی تک بھی وہ اپنی محنت اور اپنے ان وظائف کے بل بوتے پر ہی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور آج تک سنیعہ نے اللہ سے دعا اور ان کو محنت کروانے کے علاوہ اور کسی سے کبھی ان کی تعلیم کے بارے میں کچھ نہ پوچھا تھا اور پتہ نہیں کون سے شاہ جی تھے، یہ نیا شگوفہ بھی وہ سن بیٹھی تھی۔

اور ابھی تک عبداللہ یا عبدالرحمٰن کبھی یوں ''میرے پیسے ہیں تمہیں کیا'' نہ کہہ سکے تھے، کہ سنیعہ نے بچوں کو یہی سکھایا تھا کہ سب گھر والے ایک اکائی ہیں یہاں کوئی تیرے یا میرے پیسے نہ کہتا تھا۔

سنیعہ کا پرس سیف میں پڑا رہتا، اگر کبھی بچوں کو ضرورت پڑتی تو وہ سنیعہ سے اجازت لیتے ضرورت کی بابت بتا کر مطلوبہ رقم لے لیتے یہ خیال تو کبھی نہ آیا تھا کہ یہ میرے پیسے ہیں اب صرف میں ہی خرچ کر سکتا ہوں۔

فاطمہ اور حسین ایک ہی کلاس کے سٹوڈنٹ اور ہم عمر تھے لیکن سنیعہ نے کبھی فاطمہ کو اتنی کھلی چھوٹ نہ دی تھی اور ہمیشہ اسے محنت کرنے اور پھر اللہ سے کامیابی کی دعا مانگنا ہی سکھایا تھا۔

''سب سے بڑا تعویذ، محنت اور سب سے بڑے شاہ جی، اللہ جی، اللہ ہم سب پر رحم کرے۔'' سنیعہ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اس دن بھی ان کی پھوپھی ساس آئی بیٹھی تھیں سو زیبا بھی پھوپھی جان کے پاس بیٹھی

ڈھیروں ڈھیر باتیں کیے جا رہی تھیں جب بشریٰ کام کرنے کے لئے آ گئی۔

''بشریٰ پلیز آج پہلے کپڑے دھو لینا، پھر لائیٹ چلی گئی تو سارا دن مشین میں ہی لگ جاتا ہے اور کپڑے خشک بھی نہیں ہوتے۔'' سنیعہ نے بشریٰ کو کہا۔

''جی باجی! میں پہلے مشین ہی لگا لیتی ہوں۔'' بشریٰ نے فوراً کہا۔

''بھئی بشریٰ تم سے تو میں سخت ناراض ہوں، میں خوش نہیں تم سے۔'' زیبا نے بشریٰ کو مخاطب کیا۔

''کیوں باجی!'' بشریٰ کے لہجے میں یکدم تشویش اور پریشانی اتر آئی، پھوپھی جان اور سنیعہ بھی حیرانگی سے زیبا کو دیکھنے لگیں۔

''بھئی، تم نماز نہیں پڑھتی ہو، پہلے نماز پڑھا کرو، پھر کام کیا کرو، تمہارے کام میں بھی برکت ہوگی اور تمہیں دلی سکون بھی حاصل ہوگا۔''

''سچی پھوپھی جان، اگر کبھی میری نماز قضا ہو جائے تو میں تو روتی رہتی ہوں کہ میری نماز قضا ہوگئی، اب کیا کروں، دل کو بے سکونی، بے چینی لاحق ہو جاتی ہے، نہ کسی کام میں دل لگتا ہے نہ بچوں میں، نماز وقت پر پڑھ لوں تو آپ یقین کریں یوں جیسے سکون آ جاتا ہے کہ اب اللہ میرے ساتھ ہے۔''

اسی دوران بشریٰ آہستگی سے اٹھی اور کپڑے دھونے چل پڑی، سنیعہ بھی اِدھر اُدھر بکھری چیزیں سمیٹنے میں مصروف ہوگئی۔

''ماشا اللہ..... ماشا اللہ۔'' پھوپھی جان نے زیبا کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اللہ تمہیں اپنے پیارے بندوں میں شامل کرے، تمہاری عبادت اللہ قبول فرمائے، میں تو گھر بھی سب کو تمہاری مثال دیا کرتی ہوں کہ دیکھو کیسے گھر بھی سنبھالا ہے اور بچوں کی تربیت کیسے اچھے اسلامی اصولوں پہ کر رہی ہے اور خود بھی کیسی اللہ والی ہے، یقیناً اللہ قاسم کو تمہاری قسمت کا دے رہا ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ قاسم کی کوئی ادا اللہ کو بہت پسند آئی ہے اس نے یقیناً کوئی ایسی نیکی کی ہے کہ جس کا عوض اللہ نے اسے تمہاری صورت میں دیا، بیٹی اتنی نیک اور فرمانبردار بیویاں قسمت سے ملتی ہیں۔'' پھوپھی جان نے دل سے زیبا کو دعائیں دی تھیں۔

''بس پھوپھی جان لوگ تو جیسے اللہ کو بھول ہی گئے ہیں، نماز پڑھنا تو کسی کو یاد ہی نہیں، اللہ کے احکامات کو نظر انداز کیے، جہنم کی آگ کو بھولے دوسروں کے مذہب کی تقلید میں اپنا آپ بھلائے جا رہے ہیں۔'' زیبا نے اپنا لہجہ بھرپور دکھی کرتے ہوئے کہا۔

کچھ ہی دیر بعد پھوپھی جان زیبا اور سنیعہ کو پیار کرتے ہوئے رخصت لیتے ہوئے چلی گئیں۔

زیبا اپنے پورشن کی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی جب بشریٰ نے پکارا۔

''زیبا باجی!'' بشریٰ نے آواز دی۔

زیبا نے وہیں سے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا اور بولی۔

''ہاں بشریٰ، کیا بات ہے۔'' زیبا نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

شلوار کو ٹخنوں تک چڑھائے قمیض کے اگلے پچھلے دامن کو ایک جانب گرہ لگائے اپنے ہاتھوں میں کپڑے دھونے والا برش پکڑے کہنے لگی۔

''باجی! آپ نے مجھے نماز پڑھنے کو کہا، میں بھی مسلمان ہوں مجھے بھی پتہ ہے کہ مجھے نماز پڑھ کر اپنے اللہ سے ہی مانگنا ہے دینے والا تو وہ ہے، پر باجی اک بات تو بتاؤ، میں اپنے ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گندے کپڑوں سے جس پر باتھ روم دھوتے چھینٹے بھی پڑے ہوتے ہیں اور کپڑے دھوتے میرے سر پہ بھی اکثر صابن کے چھینٹے اڑ کر پڑتے ہیں، کیا نماز جائز ہو گی یوں پڑھنا۔'' بشریٰ نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اور اگر میں ہر مرتبہ نہا کر کپڑے بدل کر نماز پڑھوں تو باجی آپ جیسے لوگ ہی کہتے ہیں کہ کام لیٹ ہو جاتا ہے اور وقت پر کام نہ کرنے کے بہانے ہیں اور باجی آپ کا کیا خیال ہے جب میں نہا کر پاک صاف ہو کر آپ کے گھر آپ کے سامنے رہتے ہوئے نماز کے لئے یہ سب کروں گی تو جب آپ کے گھر کی دہلیز پار کروں گی تو لوگوں کی آنکھیں، لوگوں کی زبانیں کیا مجھے بخش دیں گی، سوال نہ کریں گی۔''

''نہیں باجی! ہر نظر میں میرے لئے سوال اور ہونٹوں پہ میرے لئے الزام دھریں ہوں گے اور باجی میرے جیسی کی گواہی کے لئے تو آپ جیسے لوگ بھی نہیں بڑھتے، میں روز گھر سے نکلتی ہوں ہزاروں لوگوں کی نظروں اور فقروں کا سامنا کرتے ہوئے صبح سے شام کرتی ہوں روز شام کو گھر جا کر میں اپنے اوپر سے ان نظروں ان گندے فقروں کا بوجھ اتارتی ہوں، کیا میرے گیلے بال میرے بدلے ہوئے کپڑے ان کے لئے سوالوں کے نئے انداز نہ چھوڑیں گے۔''

''زیبا باجی! آپ جیسے لوگوں کے لئے اللہ نے دنیا کو بنایا ہے مگر ہم جیسے لوگوں کے لئے یہ دنیا خود خدا بن بیٹھی ہے، اللہ میری مجبوری اور میرے ہر فعل کو جانتا ہے، مگر آپ جیسے لوگ صرف کہہ دیتے ہیں یہ جانے بغیر کہ زندگی ہمارے لئے کتنا مشکل ہے۔'' بشریٰ نے بہت مضبوط لہجے میں یہ سب کہا، سنیعہ پیچھے کھڑی چپ چاپ سنتی رہی۔

زیبا نے سب سنا ضرور مگر کچھ بھی بولے بغیر اللہ تو یہ کرتی سیڑھیاں اوپر چڑھ گئی اور بشریٰ واپس غسل خانے میں جا کر کام کرنے لگی۔

☆☆☆

''تائی امی..... تائی امی!'' محسن نے آج اسکول سے چھٹی کی تھی اور اب سنیعہ کو آوازیں دیتا اِدھر اُدھر پھر رہا تھا، محسن کو ہلکا سا بخار اور نزلہ وغیرہ تھا، زیبا کو اچانک کسی فوتگی پر جانا پڑ گیا تھا سو محسن اب گھر میں اکیلا کبھی اوپر چلا جاتا اور کبھی نیچے سنیعہ کے پاس آ بیٹھتا۔

''جی بیٹا!'' سنیعہ نے کچن سے جواب دیا۔

''تائی امی آپ کو موبائل کا کوڈ کھولنا آتا ہے۔'' محسن نے بہت مدبرانہ انداز میں پوچھا۔

''کیوں میری جان!'' سنیعہ نے اس کے گالوں پر پیار کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تائی امی یہ موبائل کا کوڈ کھولیں، حسین بھائی نے اس کو کوڈ لگا کر لاک کر دیا ہوا ہے، مگر میں بھی کھول لوں گا۔'' محسن نے موبائل کے مختلف بٹن دباتے ہوئے کہا۔

''بیٹا یہ موبائل کس کا ہے، ماما کا گھر تو نہیں رہ گیا۔'' سنیعہ نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں تائی امی، یہ موبائل تو حسین بھائی کا ہے، اس دفعہ عید پر جو عیدی اسے ملی تھی ناں وہ اپنے دوست کے ساتھ جا کر یہ موبائل لے آیا، تائی امی اسی میں ایک گھنٹے کی مووی، ریکارڈنگ اور نیٹ بھی ہے۔'' محسن نے بڑے پرجوش طریقے سے بتایا۔

اور سنیعہ حیران سی اس کی طرف دیکھنے لگی، حسین کی عمر اس کی خود مختاری محسن کا متجانہ انداز اور موبائل کے بارے میں دلچسپی اور معلومات۔

''آپ اسے چھوڑو ادھر وہ گیم پڑی ہے وہ نکالو، آپ کے ساتھ میں کھیلتی ہوں، بس میں

پانچ منٹ میں واپس آئی۔'' سنیعہ نے اسے بہلاتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف واپس مڑ گئی۔

بمشکل دو یا تین منٹ گزرے تھے جب محسن کی خوشی سے چلائی آواز سنیعہ نے سنی۔

''آخاہ..... واہ..... تائی امی میں نے کوڈ اوپن کر لیا۔'' محسن نے موبائل لہراتے ہوئے کہا۔

''ادھر دو بیٹا۔'' سنیعہ نے محسن سے کہا۔

لیکن محسن موبائل کے بٹن اِدھر اُدھر دبانے میں مصروف تھا، سنیعہ آگے بڑھی اور سرسری سی نظر موبائل سکرین پر ڈالی اور جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی، نہایت عامیانہ اور فضول سی کسی ہندوستانی اداکارہ کی تصویر وہاں دکھائی دے رہی تھی۔

''ادھر دو مجھے۔'' سنیعہ نے سختی سے محسن کے ہاتھ سے موبائل چھینا۔

''یہ کیا ہے؟'' سنیعہ نے پوچھا۔

''وہ تائی امی، یہ تصویریں حسین نے بازار سے ڈاؤن لوڈ کروائیں تھیں اسے قطرینہ کیف اور بیاشا باسو بہت پسند ہے ناں۔''

''تو وہ یہ دیکھتا رہتا ہے۔'' محسن نے بہت لاپرواہ انداز میں جواب دیا۔

''بیٹا..... ماما، پاپا کو پتہ ہے۔'' سنیعہ نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

''ہاں تائی امی، ماما کو خود قطرینہ کیف بہت پسند ہے۔'' محسن نے انکشاف کیا اور سنیعہ نے خاموشی سے واپس کچن کا رخ کیا۔

لوگوں پر بے محابہ تنقید کرنے والی دوسروں کی تربیت پہ نکتہ چینی اور ایمان کی کمزوری پہ ملامت کرنے والی دراصل دوسروں کو اپنی زندگی میں جھانکنے سے روکنے کی ہی کوشش کرتی رہتی تھی۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی
عادت ڈالیئے
ابن انشاء
طنز و مزاح، سفر نامے
اردو کی آخری کتاب
آوارہ گرد کی ڈائری
دنیا گول ہے
ابن بطوطہ کے تعاقب میں
چلتے ہو تو چلیں کو چلئے
قدرت اللہ شہاب
یا خدا
ماں جی
بابائے اردو مولوی عبدالحق
قواعد اردو
انتخاب کلام میر
ڈاکٹر سید عبد اللہ
مقامات اقبال
طیف غزل
طیف اقبال
طیف نثر
مکمل فہرست طلب کیجئے
لاہور اکیڈمی
۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بے چاری زیبا، اللہ اس پر رحم کرے۔"

☆☆☆

سنیعہ نے دل سے دعا کی، تبھی باہر کا گیٹ دھڑ دھڑایا گیا۔

سنیعہ تیزی سے باہر کی طرف گئی، فاطمہ نے دروازے سے اندر آتے ہی ایک دم سنیعہ کے گلے سے لگتے ہوئے خوب چیخیں ماریں۔

"کیا ہوا فاطمہ؟" سنیعہ نے اس کے خوشی سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ماما، میرا اے پلس آیا، ماما سائنس گروپ میں سکول میں سب سے زیادہ مارکس آئے ہیں ماما، سب آپ کی دعاؤں کی وجہ سے ہوا۔" فاطمہ نے خوشی سے اک بار پھر سنیعہ کے گلے لگتے ہوئے کہا، تبھی سنیعہ کو بشریٰ آتے دکھائی دی۔

"باجی! میرا مدثر پاس ہوگیا، باجی بارہ نمبر کم نوسو آئے ہیں مدثر کے، سارے ماسٹر اور سارے اس کے دوست مبارک دے رہے ہیں۔" بشریٰ نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بتایا۔

"باجی اللہ آپ کا بھلا کرے، اللہ کے بعد مجھے آپ نے بڑا سہارا دیا، اللہ آپ کو ساری خوشیاں دے، بچوں کو کامیاب کرے۔" بشریٰ نے دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے دعائیں دیں۔

"نہیں بشریٰ میں کیا، یہ تو تمہارے بیٹے کی محنت اور تمہاری محنت اور حلال کی کمائی کا پھل ہے، دیکھنا ابھی تم اور ایسی کئی خوشیاں دیکھو گی۔" سنیعہ نے بشریٰ کے کندھے پر تھپکتے ہوئے کہا۔

ابھی دونوں آپس میں باتیں کر رہی تھیں جب زیبا گھر میں داخل ہوئی۔

"بھابھی، باہر کا گیٹ بالکل کھلا پڑا ہے، آج کل لوگوں کا ایمان تو پہلے ہی ڈانوں ڈول ہے، کوئی کھلا دروازہ دیکھ کر اندر آ جائے تو پھر۔"

زیبا آتے ہی شروع ہوگئی۔

"بس زیبا، خوشی میں دھیان نہیں رہا۔" سنیعہ نے جواب دیا۔

"کیسی خوشی۔" زیبا ٹھٹکی۔

"چچی جان، میں نے سکول میں ٹاپ کیا ہے، اے گریڈ آیا ہے میرا۔" فاطمہ نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ بھی تم لوگ اتنے اچھے سکول اتنے اعلیٰ اکیڈمی میں جاتے ہو مجھے پتہ تھا اتنے نمبر تو تمہارے آ ہی جائیں گے، چلو اب بتاؤ بھئی ہم سے کیا گفٹ لو گی۔" زیبا نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"ارے زیبا، بشریٰ کے بیٹے کے بھی بہت اچھے نمبر آئے ہیں، دیکھو ذرا نہ گائیڈنس نہ کوئی اچھا سکول پھر بھی کتنے اچھے نمبر آئے ہیں، اصل گفٹ تو بشریٰ کو دینا چاہیے۔" سنیعہ نے خوشی سے زیبا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور تبھی باہر گیٹ پر اک بار پھر بیل ہوئی۔

سنیعہ نے زیبا اور بشریٰ کو نظر انداز کرتے ہوئے فاطمہ سے کہا۔

"جاؤ بیٹا، دروازے پہ دیکھو کون ہے، میں آتے ہوئے کھلا گیٹ بند کر آئی تھی۔" واپسی پر فاطمہ کے ساتھ منہ لٹکائے حسین چلا آرہا تھا۔

"جی حسین بیٹا، آپ کا رزلٹ کیا آیا ہے۔" سنیعہ نے پیار سے حسین سے پوچھا۔

"تائی امی "سی" گریڈ اور دو سائنس مضامین میں فیل۔" حسین نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا، لیکن اس کے انداز میں شرمندگی نہ تھی، زیبا خاموشی سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"اللہ ہمیں معاف کرے۔" سنیعہ کے منہ سے بے ساختہ الفاظ ادا ہوئے اور زیبا کے چہرے سے شرمندگی جھلکنے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک لمحہ

ارم ذاکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رضا! کوئی ماں اپنے کلیجے کے ٹکڑے کے بنا اک پل نہیں رہ سکتی۔" اس کے جذباتیت سے بھرپور لب و لہجے پر بالکونی کے کھلے دروازے سے اندر آتے ہوا کے نم سے جھونکے نے ٹھٹک کر اسے دیکھا اور اگلے ہی پل بے تحاشا ہنستے ہوئے دروازے سے سر ٹکرانے لگا۔

"میری اماں بھی تو میرے بغیر رہتی ہیں، ثوبان، ابھی ایک سال کا ہے اور تمہاری تڑپ کا یہ عالم ہے میری ماں نے تو چھبیس سال تک مجھے پال پوس کر بڑا کیا وہ کیسے تڑپتی ہوگی ناں میری جدائی میں۔" رضا نے اک نظر طنزیہ قہقہے لگاتی ہوا کو دیکھا اور اگلے ہی پل پھیکی مسکراہٹ سمیت گویا ہوا آخر میں اس کا لہجہ بھرا گیا تھا شاید اماں کی یاد آگئی تھی۔

اس کے سامنے کھڑی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتی تزئین کے تو گویا تلووں سے لگی اور سر پہ بجھی۔

"آپ کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں جو وہ آپ کی جدائی میں بے حال ہوں بھلا آپ کا اور ثوبان کا کیا جوڑ، کوئی بات ہے کرنے کی ہونہہ۔" اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا جبکہ ناگواری اس کے کہے گئے ایک ایک لفظ سے مترشح تھی، ان دو سالوں میں یہ پہلا موقع تھا جب بے ساختہ شکوہ رضا کے لبوں سے پھسلا تھا ورنہ تو عموماً وہ خاموش رہتا تھا اور اس کی خاموشی کو وہ اس کی فطرت کا خاصہ سمجھتی رہی اس خاموشی کے پیچھے اماں سے دوری کا ملال چھپا ہوا تھا یہ انکشاف ہی اسے دہلا دینے کے لئے کافی تھا۔

"مطلب جب ثوبان دودھ پیتا بچہ نہیں رہے گا تو تم بخوشی اسے خود سے علیحدگی پر مجبور کر دو گی۔" اس کے خوبصورت چہرے کو تنے تنے سے نقوش اور ماتھے پر پڑی سلوٹوں کا بغور مشاہدہ کرتے ہوئے رضا نے دانستہ قہقہہ لگایا جو سراسر طنز کی آمیزش سے بھرپور تھا۔

"اللہ نہ کرے۔" تزئین بے ساختہ دل تھام کر رہ گئی وہ رضا کو کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر نجانے کیا ہوا تمام الفاظ جیسے یکدم اپنا ہاتھ چھڑا کر دور بھاگ گئے تھے اور وہ عجب خالی الذہنی کی کیفیت میں ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھے گئی جو بظاہر خود کو پھر سے سامنے کھلی کتاب کے مطالعہ میں بری طرح سے غرق کر چکا تھا۔

بالکونی کے کھلے دروازے سے نظر آتے آسمان پر شام کے دھندلکے میں نمودار ہوتے ستارے نے بے حد غور سے تزئین اور رضا کے مابین پھیلی نامحسوس سی لاتعلقی کا جائزہ لیا اور ایک حیرانی سے بھرپور نگاہ تزئین کے ساکت و جامد وجود پر ڈال کر بادل کی اوٹ میں چھپ گیا۔

اسی لمحے کال بیل کی آواز نے ان کے چھوٹے سے فلیٹ کی خاموش فضا میں ارتعاش برپا کیا تھا اور تزئین جیسے کسی خیال سے چونک گئی، رضا کتاب ایک طرف رکھ کر کال بیل کی آواز پر دروازہ کھولنے چلا گیا اور وہ بے ساختہ اس کے پیچھے لپکی تھی۔

بڑے بھیا دروازے پر ثوبان کو رضا کے سپرد کر کے مسکراتے ہوئے چلے گئے، رضا، ثوبان کو اپنی بانہوں میں مقید کیے آگے بڑھا اور اسے تھما دیا۔

ثوبان خوشی سے قلقاریاں مارتے ہوئے ہاتھ میں تھامی چاکلیٹ کا ریپر کھولنے پر اکسار تھا، اس کی معصوم سی حرکت سے قطع نظر اس نے بے تابی سے ثوبان کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا یوں لگا جیسے جلتی روح سیراب ہو گئی ہو، آنکھوں کی سطح نجانے کیوں نم ہو رہی تھی اس نے اک نظر بیڈ روم میں جاتے رضا پر ڈالی اور وہیں لاؤنج

میں رکھی چیئر پر بیٹھ کر ثوبان کو خود سے لپٹائے سسکنے لگی۔

رات کا کھانا اسی خاموشی اور لاتعلقی سے کھایا گیا، جو شام ہی سے ان کے مابین آ ٹھہری تھی، رضا جانتا تھا کہ اب اگلے چند روز اسے تزئین کا پھولا ہوا منہ دیکھنا پڑے گا اور اگر اس کیفیت میں اس نے تزئین سے کوئی بات کرنی چاہی تو وہ لاوے کی مانند پھٹ پڑے گی اور پھر رونے دھونے کا سیشن عین ممکن تھا کہ تمام رات پر محیط ہو جاتا۔

"ابھی تو تھکن اور نیند سے برا حال ہو رہا ہے کل سنڈے ہے صبح شاپنگ پر لے جاؤں گا موڈ خود ہی درست ہو جائے گا۔" کھانے سے فراغت کے بعد وہ ثوبان کو کندھے سے لگا کر سلاتے ہوئے بیڈ روم میں ٹہلتے ٹہلتے دل ہی دل میں ارادے باندھتا رہا۔

معمول کے کام نمٹا کر وہ کمرے میں آئی تو رضا اور ثوبان نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔

"ہونہہ! مجھے بے سکون کر کے خود کتنے مزے سے سو رہے ہیں۔" رضا کو اطمینان سے سوتا ہوا دیکھ کر اسے خواہ مخواہ غصہ آنے لگا۔

آج دوپہر بھیا، بھابھی ان کے ہاں لنچ پر انوائیٹڈ تھے، لنچ بے حد خوشگوار ماحول میں کیا گیا بڑے بھیا کا پانچ سالہ اکلوتا "عفیف" ثوبان سے بے حد پیار کرتا تھا واپسی پر وہ ثوبان کو اپنے ساتھ لے جانے پر بضد ہو گیا۔

"پھپھو یہ میلا (میرا) بھائی ہے، اشے میں شات لے تے داؤں دا۔" (اسے میں ساتھ لے کے جاؤں گا۔)

"بیٹا! آپ یہیں رہ جایئے۔"

"نئیں میں شوبان تو اپنے شات لے کے داؤں دا پاپا پاس تو لے تے تلیں ناں (نہیں میں ثوبان کو اپنے ساتھ لے کے جاؤں گا پاپا بھائی کو لے کے چلیں ناں)۔"

"بھئی ہمارے عفیف کی تو جان ثومی میں قید ہے۔" بھابھی خوشدلی سے گویا ہوئیں۔

"ماما! میں ثوبان کے بنا کھل (گھر) نئیں داؤں دا۔" وہ مصر رہا۔

"او کے بیٹا ثوبان کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں، یار پلیز اجازت دے دو میرا بیٹا اتنی چاہت سے اصرار کر رہا ہے ایک دو گھنٹے تک میں ثوبان کو تمہارے بھیا کے ساتھ واپس بھجوا دوں گی۔" بھابھی نے پیار بھری منت کی اور یوں وہ انکار نہ کر سکی چونکہ ثوبان ان لوگوں سے بے حد مانوس تھا لہٰذا خوشی سے اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں "ماما، پاپا، بائے بائے" کہتا ہوا چلا گیا۔

ابھی بھیا کو رخصت ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس کے دل کی بیقراری عروج پر پہنچ گئی۔

"رضا! اتنا ٹائم ہو گیا ثوبان ابھی تک نہیں آیا، بھیا کو کال کر کے معلوم کریں۔" وہ کچن کا بکھیڑا سمیٹ کر گیلے ہاتھ دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی اندر چلی آئی اور کوئی چوتھی بار رضا سے اپنی فکر بیان کی۔

"یار! ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔" رضا کتاب کے معالعے میں منہمک تھے اسی طرح مصروف سے انداز میں سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"کیسے پریشان نہ ہوں، ماں ہوں آپ کے سینے میں ماں کا دل نہیں ہے آپ کیا جانیں ایک ماں اپنی اولاد سے کتنا پیار کرتی ہے۔"

"سمجھ سکتا ہوں۔" کتاب سے نظر اٹھا کر کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ مرکوز کرتے ہوئے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھوئے کھوئے انداز میں مخاطب تھا۔

''خاک سمجھ سکتے ہیں، ابھی تک ایک فون کال تو کی نہیں ہے بھیا کو کہ ثوبان کو واپس چھوڑ جائیں۔'' تزئین پر جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی۔

''ثوبان کسی غیر کے ہاں نہیں گیا اپنے ماموں کے گھر گیا ہے اور اگر وہ وہاں ناخوش ہو کر روتا تو بھیا ضرور اسے فوراً واپس ڈراپ کر جاتے۔''

''بات اس کے خوش یا ناخوش ہونے کی نہیں، بات میرے دل کی ہے ثوبان سے چند لمحات کی دوری میرے لئے سوہان روح بن گئی ہے، اولاد تو ماں کے کلیجے کا ٹکڑا ہوتی ہے۔''

''رضا! کوئی ماں اپنے کلیجے کے ٹکڑے کے بنا اک پل نہیں رہ سکتی۔'' اپنی جذباتیت سے بھرپور تقریر کے جواب میں اسے بے نیازی سے سر جھٹکتے دیکھ کر وہ جل کر خاک ہی تو ہو گئی اور پھر رضا نے اچانک وہ کہہ دیا جس کی اسے قطعاً توقع نہیں تھی۔

دوپہر کا منظر پوری جذئیات سمیت از سر نو یاد آنے پر وہ پھر سے ڈھلکتی کلستی تکیہ درست کر کے کروٹ کے بل لیٹ گئی۔

''ہونہہ آپ کی اماں نے خود ہمیں اس گھر سے بے دخل کیا تھا میں نے کوئی گن پوائنٹ پر یہ سب نہیں کروایا تھا۔'' اس نے زیر لب بڑبڑا کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے اور بے خبر سوئے ہوئے رضا پر اک جلتی نگاہ ڈالی اسی لمحہ اس کے اندر کوئی بے ساختہ ہنسا تھا نہیں شاید کمرے کے اندر کوئی تھا جو قہقہہ پر قہقہہ لگا رہا تھا، وہ ایکدم بے حد سراسیمہ سی ہو گئی خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی مگر کمرے میں ہر سو معمول کا سناٹا تھا۔

اپریل کی اوئل راتوں کی ہوا کے خوشگوار جھونکے بالکونی کے کھلے دروازے سے اندر آ کر ہر تھوڑی دیر بعد کمرے میں چکرانے لگتے، جس کی بدولت نائٹ بلب کی مدھم نیلگوں روشنی میں ڈوبے کمرے کی خاموش فضا میں ہلکی سی سرسراہٹ سر اٹھا کر، گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ مل کر عجب سی پراسراریت کو جنم دیتی۔

تزئین بے ساختہ اپنے پہلو میں سوئے ننھے ثوبان کے خوابیدہ وجود سے لپٹ گئی، نیند آج اس کی آنکھوں سے روٹھی ہوئی لگ رہی تھی اور مختلف سوچوں اور وسوسوں کی آماجگاہ بنے ذہن کی کیفیت کو وہ سمجھنے سے قاصر تھی یا پھر سمجھنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔

''اللہ! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ مجھے سکون قلب عطا فرما۔'' آنکھیں موند کر دل ہی دل میں اللہ سے راز و نیاز کرتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

وہ کسی پرانے بوسیدہ سے گھر کے صحن میں ملگجے اندھیرے میں کھڑی کسی کی سسکیوں کی آواز تواتر سے سن رہی تھی آواز کی سمت کا تعین کر کے پوری احتیاط و توجہ سے مدھم سی روشنی میں قدم اٹھاتی وہ اس اندھیری کوٹھری میں سسکیاں لیتے وجود کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور رونے کا سبب دریافت کیا۔

''میری بہو اور بیٹا اس بڑھاپے میں مجھے تنہا و بے آسرا چھوڑ کر چلے گئے۔'' بے حد نحیف و غمزدہ آواز میں کہتے ہوئے اس نسوانی وجود نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور تزئین نے مدھم سی روشنی میں جو اس کا جھریوں زدہ چہرہ بغور دیکھا تو بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ اس بوڑھی عورت کے خال و خد تزئین سے مشابہت رکھتے تھے۔

''تزئین! تزئین کیا ہوا؟'' سوئے ہوئے

رضا نے ہڑبڑا کر اسے بے ساختہ جھنجھوڑا تو یکایک وہ خواب سے بیدار ہوئی اور چونک کر اٹھ بیٹھی اس کا پورا وجود پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اور تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔

''تزئین تم ٹھیک تو ہو؟ کوئی برا خواب دیکھا کیا؟'' رضا نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں گلاس میں پانی انڈیل کر اسے تھمایا اور بمشکل نیند میں ڈوبی آنکھیں جھپک جھپک کر فکرمندی سے اسے دیکھا۔

وہ خاموشی سے سر ہلا کر ایک ہی سانس میں غٹا غٹ پورا گلاس چڑھا گئی اور گلاس اسے تھما کر چپ چاپ اس کی جانب سے رخ موڑ کر لیٹ گئی۔

رضا نے اسے لیٹتے دیکھا تو خود بھی بستر پر دراز ہو کر جلد ہی نیند کی وادی میں کھو گیا، جبکہ تزئین کا دماغ مسلسل خواب والی بوڑھی عورت میں اٹک گیا تھا۔

''آخر کون تھی وہ؟'' اسے بے حد خوف محسوس ہوا۔

''تم۔'' آواز اس کے اندر سے ابھری تھی۔

''نہیں، نہیں میرا مستقبل ایسا بھیانک نہیں ہو سکتا، اللہ نہ کرے، میں وہ محض ایک خواب تھا، شاید شام میں رضا کے ثوبان کے متعلق کہے گئے الفاظ کا لاشعوری ردعمل۔''

وہ خود کو مطمئن کرنے کی سعی میں ذہن کو جھٹک کر سونا چاہتی تھی، مگر اس کے اندر کوئی پھر سے قہقہے لگانے لگا، اندر کے بے ہنگم سے شور پر گھبرا کر اس نے اپنے کان بند کرنے چاہے مگر وہ منحوس ہنسی کی آوازیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

یکدم اسے لگا کمرے کی ہر چیز، آدھی رات، تاریک آسمان بالکونی کے کھلے دروازے سے اندر آتے ہوا کے جھونکے اور در و دیوار سب بے تحاشا ہنس رہے ہیں، طنز سے بھرپور، مضحکہ خیز کانوں کے پردے پھاڑتی ہنسی۔

''چپ ہو جاؤ، خدا کے لئے تم سب چپ ہو جاؤ۔'' وہ بستر پر لیٹے لیٹے زور سے چلا اٹھی۔

''کیا ہوا؟ کس سے لڑ رہی ہو؟'' اس کی تیز بڑبڑاہٹ رضا کی نیند میں بری طرح نہ صرف مخل ہوئی تھی بلکہ اب کے اس کے چہرے پر قدرے بیزاری تھی اور تو اور سویا ہوا ثوبان بھی ہلکا سا کسمسانے لگا تزئین نے چونک کر اسے دیکھا۔

پھر اک نظر ہر سو دوڑائی جہاں ہر چیز پھر سے خاموشی کے پردے میں جا سوئی تھی، وہ نیند میں کسمساتے ثوبان کو تھپکنے میں مشغول ہو گئی اور رضا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل کر سونے کی سعی کرنے لگا۔

ثوبان جلد ہی پرسکون ہو کر گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا اور وہ مختلف سوچوں کے حصار میں گھری بے بسی و پریشانی سے رو پڑی۔

''یہ آج میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے یہ میرا دل مجھ پر کیوں اتنے استہزائیہ انداز میں ہنس کر مین میخ نکال رہا ہے۔'' تھک ہار کر اس نے تکیے پر سر پٹخا۔

''میں تمہارا دل نہیں ہوں۔'' اچانک اس کے اندر کوئی گویا ہوا۔

''تو پھر کون ہو، میری کیا خطا ہے جو مجھے اتنا ٹارچر کر رہے ہو۔''

''میری بات غور سے سنو، میں تمہیں آگہی و ادراک کی منزل تک پہنچانا چاہتا ہوں۔'' کسی نے سرگوشی کی تھی اور تزئین نے ناسمجھی کی کیفیت میں تھک ہار کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور پھر اس کی نگاہوں کے سامنے مختلف مناظر سر اٹھانے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆☆☆

وہ شروع سے ہی خودغرض اور مغرور واقع ہوئی تھی یا یوں سمجھ لیں کہ خودغرضی دکھانا شروع ہی سے اس کی فطرت کا خاصہ رہا، ہمیشہ اپنے بارے میں سوچنا اپنی خوشی کو دوسروں پر مقدم رکھنا، ماں باپ اور بھیا کی لاڈلی رہی حتیٰ کہ والدین کی حادثاتی موت کے بعد بڑے بھیا نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا اس کی ہر جائز و ناجائز ضد پوری کی اور بھابھی آئیں تو انہوں نے بھی ناز نخرے اٹھانے اور جی حضوری کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

شادی ہوئی تو چاہنے کرنے والا شوہر ملا سسرمدت گزری رضا کے بچپن میں ہی چل بسے تھے جبکہ ساس خاصی بے ضرر خاتون واقع ہوئیں مگر ساس نامی رشتے سے تو اسے نجانے کیوں اللہ واسطے کا بیر تھا اور شادی کے محض دو ماہ میں ہی تزئین کو ساس کا وجود بری طرح سے کھٹکنے لگا، یہی وجہ تھی کہ دن بدن اس کا رویہ ان کے ساتھ انتہائی خشک اور سرد ہوتا رہا۔

''رضا! آپ مجھے ٹائم نہیں دیتے آفس سے آکر اپنی ماں کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے رہتے ہیں۔'' اس کی مبالغہ آمیزی پر رضا نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''پتا ہے فیملی کے ساتھ رہنے میں یہی مضائقہ ہے کہ انسان کی کوئی پرائیویٹ لائف نہیں ہوتی۔'' اس نے ڈھٹائی سے بیان جاری کیا۔

اب کے رضا نے حیرت اور ناگواری کے ملے جلے تاثرات لئے احتجاجاً اسے گھورا تھا اسے لفظ فیملی پر شدید اعتراض تھا مگر تزئین کو اس کے اعتراض کی قطعاً پرواہ نہ تھی۔

''رضا! ہم الگ گھر لے لیتے ہیں یہاں آپ فیملی کے درمیان میں مجھے ٹھیک طرح سے ٹائم نہیں دے پاتے۔'' وہ ٹھنکی۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، پورے گھر پر صرف تمہارا راج ہے میری فیملی میں اماں کے علاوہ اور ہے ہی کون، محض اماں کے وجود کو تم فیملی کا نام دے رہی ہو۔'' رضا کا موڈ بری طرح سے بگڑ چکا تھا۔

''میں سمجھتا تھا کہ بن ماں کی بیٹی ہے یقیناً میری ماں کو سگی ماں کا درجہ دے گی، مجھے افسوس ہے کہ میں غلط تھا۔''

''ہاں تو ساس کبھی ماں کا درجہ نہیں لے سکتی۔'' تزئین کو اپنے کہے گئے کسی لفظ پر قطعاً ندامت محسوس نہ ہوئی۔

''میں اپنی بیوہ ماں کا واحد سہارا ہوں میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا، یہ بات تم اچھی طرح سے سمجھ لو تو تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔'' اشتعال کی شدت سے مٹھیاں بھینچ کر دبے دبے انداز میں گھر درے لہجے میں کہا گیا ایک ایک لفظ وہ تزئین کی سماعتوں میں انڈیل کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

''ہونہہ! بے حس، کٹھور، سنگدل بیوی کے آنسوؤں کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا، ماں کی پڑھائی گئی پٹیاں رنگ دکھا رہی ہیں۔'' وہ روتے ہوئے تنفر سے سوچنے لگی اور قطعاً فراموش کر گئی کہ وہ رضا کو اماں کے پاس ٹکنے ہی کب دیتی جو وہ بیچاری کوئی پٹی پڑھاتیں۔

اِدھر رضا نے گھر میں داخل ہو کر اماں کے صحن میں بچھے تخت کے پاس جھک کر انہیں سلام کیا اُدھر وہ کسی نہ کسی بہانے سے رضا کو اندر بلوا لیتی۔

''بیٹا کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

اگلے دن اس کا سستا ہوا چہرہ دیکھ کر اماں نے فکر

مندی سے اس کا ماتھا چھوا۔

''ہونہہ زیادہ فکرمندی کا ڈھونگ رچانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بدتمیزی و بدلحاظی سے ان کا ہاتھ جھٹک کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔

''دیکھو تزئین! میں کیسے اتنا گر جاؤں کہ ماں کو ان کے اپنے گھر سے بے دخل کر دوں کیا ئیں اسی دن کے لئے اللہ سے بیٹے مانگتی ہیں کہ ن کے بڑھاپے میں سہارا بننے کی بجائے انہیں نہاوے آسرا چھوڑ دیں۔''

اگلے دو دن تک جب وہ منہ پھلائے پھرتی رہی تو رضا نے تنگ آکر اسے سمجھانے کی سعی کی۔

''ہائے اللہ، توبہ توبہ، رضا! آپ مجھے اتنا گھٹیا سمجھتے ہیں کہ میں اماں کو اس گھر سے بے دخل کرنا چاہوں گی۔'' تزئین نے بے ساختہ اپنے دونوں گال پیٹ ڈالے جبکہ رضا نے یکدم خوش فہمی کے حصار میں گھر کر اسے دیکھا تھا مگر اس کے اگلے جملے نے رضا کے اندر سر اٹھاتی خوش فہمی کا گلا گھونٹ ڈالا۔

''ارے بھئی ہم خود کہیں اور شفٹ ہو جائیں گے اماں کو یہ گھر نہیں چھوڑنا پڑے گا۔'' و مزے سے گویا ہوئی۔

''تزئین بیگم! کان اِدھر سے پکڑو یا اُدھر سے ایک ہی بات ہے۔'' رضا نے افسوس بھری نگاہوں سے اسے ایک عدد گھوری سے نوازا جس کا تزئین نے ذرہ برابر اثر نہیں لیا۔

''دیکھیں ہم کوئی فلیٹ کرائے پر لے لیتے ہیں ادھر اماں اوپر کا پورشن کرائے پر چڑھا دیں گی تو ان کا دل بھی بہلا رہے گا اور جو رقم کرائے کی صورت میں موصول ہو گی وہی اٹھا کر فلیٹ کے مالکان کو ادا کر دیں گے۔'' رضا کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھ کر تزئین نے اپنے لائحہ عمل سے اسے آگاہ کیا اور داد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا، تمہیں کیوں سمجھ نہیں آ رہی، میں مر کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتا اور تم بھی اس فضول سوچ کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔'' بے حد غضبناک انداز میں غرا کر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے رضا کروٹ بدل کر سونے کی سعی میں لگ گیا جبکہ کمرے کی خاموش فضا میں تزئین کی مدھم مدھم سسکیوں کی بازگشت اس کی نیند میں بری طرح مداخلت کا باعث بنتی رہی مگر وہ تمام رات کان لپیٹے پڑا رہا۔

☆☆☆

وہ ابھی آفس سے لوٹا تھا ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے سلام کیا اور وہیں تخت پر اماں کی گود میں سر رکھ کر نیم دراز ہو گیا، وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھیں کتنا سکون آ گیں لمس تھا رضا کے تنے ہوئے اعصاب سکون پانے لگے۔

''اور وہ کہتی ہے کہ ہونہہ۔'' اس کے دماغ میں اک سوچ کی کڑواہٹ ابھری جو اس کے حلق تک پھیلتی چلی گئی۔

''بیٹا! تزئین کی بات مان لو۔'' اماں جیسے اس کی ہر سوچ بخوبی پڑھ رہی تھیں، حیرت کے شدید جھٹکے کی بدولت وہ اٹھ بیٹھا۔

''کک..... کون سی بات؟'' بمشکل اپنی ہکلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے چونک کر استفسار کیا۔

''وہی جو تم سمجھے ہو۔'' وہ اپنے ازلی مطمئن ٹھہرے ہوئے انداز میں مخاطب تھیں۔

''اماں! اماں یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''زئین نے کچھ کہا کیا؟'' وہ ایکدم بے حد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مضطرب و بے چین نظر آنے لگا۔

"نہیں بیٹا! کچھ باتیں کہی نہیں جاتیں از خود سمجھی جاتی ہیں۔" ان کے لہجے میں گہرا سمندر سمٹ آیا تھا اب وہ اسے کیا بتاتیں کہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے ان کے تخت تک آنے والی آوازیں ہرگز بھی مدھم نہیں ہوتیں یا پھر یہ کہ جب انہیں بھوک لگتی ہے تو وہ اپنی روٹی خود پکا کر کھاتی ہیں کیونکہ تزئین اپنے اور رضا کے لئے روٹی پکا کر انہیں کورا سا جواب ٹکاتی اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔

یا پھر یہ کہتیں کہ ان کے دل ناتواں کے لئے تزئین کی آنکھوں سے چھلکتی نفرت بوجھ کی صورت اختیار کر چکی ہے اور وہ مزید سہنے کی تاب نہیں رکھ پاتیں، کہتیں تو کیا کہ اپنے کسی فالتو سے وجود کی خاطر اپنے بیٹے کا گھر اجڑتے بکھرتے دیکھنا کسی صورت گوارا نہیں ہے۔

رضا پر گھڑوں پانی پڑ گیا اماں کی آنکھوں سے چھلکتے کرب کی شدت سے اسے اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہونے لگے۔

"اماں آپ کی شان میں مجھ سے کوئی کوتاہی بھول سرزد ہوئی ہو تو خدارا مجھے معاف کر دیجئے، اماں آپ میرے لئے سکون کا سرچشمہ ہیں آپ کی دعائیں میرے لئے گھنا سایہ ہیں آپ، آپ میری جنت ہیں اماں، مجھے اس جنت سے بے دخل نہ کیجئے، اماں کچھ تو کہیے، مجھے میری خطاؤں پر مار لیجئے مگر یوں خاموش مت رہیے اماں!" ان کے بوڑھے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگائے وہ بری طرح بلک رہا تھا۔

اسی پل اماں کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور ان کا لرزتا کپکپاتا ہاتھ اس کے بالوں میں آٹھہرا۔

"بیٹا! تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی، جب پنچھی اڑنا سیکھ جائے تو اسے ایک دن گھونسلہ چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔"

رضا کے سامنے وہ حتی الامکان ضبط سے کام لے رہی تھیں ورنہ چھوٹے سے آنگن کے در و دیوار گواہ تھے کہ یہ کٹھن فیصلہ انہوں نے کتنے تکلیف دہ رتجگوں میں آنسوؤں سے باوضو ہونے کے بعد کیا تھا۔

"نہیں اماں! نہیں مجھے اڑنا نہیں آتا، مجھے گھونسلے سے بے دخل مت کیجئے اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں اڑ سکتا ہوں تو خدارا میرے پر کاٹ دیجئے مگر مجھے خود سے دور مت کیجئے، میں آپ کے بنا نہیں رہ پاؤں گا۔" ان کا جھریوں زدہ چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھامے وہ روح کی گہرائیوں سمیت کویا ہوا۔

اپریل کے ابتدائی دنوں کی نیم گرم سہ پہر نے بے اختیار جھرجھری سی لی اور آسمان پر منڈلاتے بادلوں کے وجود میں چھپنے کی جستجو میں مگن ہو گئی۔

"میرے بچے! اب تم شادی شدہ ہو، تمہاری اپنی ایک زندگی ہے میرے پیچھے تم اپنے تعلقات مت خراب کرو۔" ضبط کرتے کرتے بھی ان کی آنکھیں چھلک ہی گئیں مگر بھلا ہو بہار کے بادلوں کا یکدم ٹوٹ کر برسے اور ان کے آنسوؤں کا بھرم رکھ لیا۔

"نہیں اماں! میں اسے چھوڑ دوں گا مگر آپ کو نہیں۔" وہ بضد تھا اور اچانک ہی ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا ایکدم بڑی زور سے بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگے۔

"رضا!" اماں کے لہجے میں بجلیوں کی لپک تھی۔

"تم میرا مرا منہ دیکھو گے اگر تم نے اسے چھوڑا، جاؤ وہ جو کہتی ہے مان لو اور اس کے ساتھ

خوش رہو، یہ میرا حکم ہے، تمہاری ماں کا حکم، سنا تم نے۔"

"اماں!" رضا شاک کی کیفیت میں یک ٹک انہیں دیکھتا رہ گیا، جبکہ بارش کے آنسو تیزی سے اماں اور رضا کو وجود کے بھگوتے چلے گئے۔

اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے کان لگائے باہر دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو پر تزئین کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"چل الیلے پنچھی تیرا دور ٹھکانہ ہے۔" جاتی بہاروں کی ایک شام جب سب پنچھی آسمان پر تیزی سے اپنے اپنے آشیانوں کی سمت محو سفر تھے، اس سے رضا کے سنگ اماں سے رخصت لیتے ہوئے تزئین کا دل بھولا بسرا نغمہ گنگنا رہا تھا۔

فلیٹ میں شفٹ ہوئے انہیں دو سال کا قلیل عرصہ گزر چکا تھا جو کہ رضا کو بے حد طویل لگتا تھا ان دو سالوں میں اماں ایک بار بھی ان کے ہاں نہیں آئیں۔

حتی کہ ثوبان کی پیدائش پر بھی نہیں البتہ انہوں نے ڈھیروں ڈھیر تحائف اور ریڈی میڈ کپڑے رضا کے ہاتھ بھجوائے تھے، ہاں رضا تو آفس سے واپسی پر بلاناغہ اماں کے حضور حاضری دیتا ہوا گھر آتا تھا اور کمال مہارت سے تزئین کو اوور ٹائم لگانے کا بہانہ بنا کر مطمئن رکھتا تھا۔

"اماں آپ ہر بار طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر ٹال دیتی ہیں یوں لگتا ہے جیسے آپ ہمارے گھر ہی نہیں آنا چاہتیں۔"

ہر سنڈے کی شام وہ ثوبان اور تزئین کے ہمراہ اماں کے ہاں گزارتا اور ہر بار کی طرح اپنا شکوہ دہراتا۔

"میں بس چاہتی ہوں کہ میرے بچے خوش رہیں، تزئین بیٹا تم خوش تو ہو ناں رضا سے کوئی شکایت ہے تو بتاؤ میں اس کے کان کھینچوں گی۔"

وہ ثوبان کے ساتھ مگن سے انداز میں کھیلتے ہوئے جواب دیتیں اور کبھی اچانک کسی انجانے سے خدشے کے تحت تزئین سے مخاطب ہوتیں اور ان کی بات پر وہ قدرے بیزاری سے مارے باندھے انداز میں مسکرا کر سر ہلا دیتی۔

وہ طویل رات اپنے ساتھ آگہی کے ایسے لمحات لے کر آئی تھی جس نے یکے بعد دیگرے اس پر اپنی لغزشوں کے انکشافات کیے تھے، ایک مدت کے بعد سویا ہوا ضمیر انگڑائی لے کر بیدار ہوا تھا اور ضمیر کے آئینے میں اسے اپنا آپ بے حد بھیانک و کریہہ نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

ناشتے کی ٹیبل پر روٹھی ہوئی بیگم کے معمول کے انداز نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا اور اس کی ناقابل یقین بات پر تو رضا پراٹھے کا لقمہ منہ تک لے جانا بھول کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا کہا تم نے؟" اسے اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان گزرا تھا۔

"وہی جو آپ نے سنا۔"

"مگر میں یہی تو جاننا چاہ رہا ہوں کہ جو سنا وہ صحیح ہے یا مجھے کوئی مغالطہ ہوا ہے۔" اس کی بات پر تزئین کو گہری ندامت نے اپنے حصار میں جکڑ لیا۔

"رضا مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور میں بے حد نادم ہوں، مجھے معلوم ہے دیر ہوئی ہے مگر اتنی نہیں کہ واپس پلٹنے میں دشواری ہو۔"

رضا کی گہری سنجیدگی پر وہ ثوبان کو ناشتہ کروانا بھول کر پشیمانی کے شدید احساس تلے دبی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ کر لب کچلنے لگی۔

"تم مذاق کر رہی ہو ہے ناں؟" رضا بے حد مشکوک انداز میں اس کے ستے ہوئے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ندامت کی گہری چھاپ کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"رضا میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں مجھے کل شام آپ کی کہی گئی بات سے اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا ہے۔"

"چہ خوب اپنی الگ دنیا بسانے کے دو سال بعد آپ کو یہ احساس ہوا ہے اور وہ بھی اتنی سادہ سی بات سے۔" رضا اب استہزائیہ انداز میں اسے بے یقینی سے ملاحظہ کرنے لگا اپنی بیوی کا یکسر بدلا ہوا روپ اسے سخت استعجاب میں مبتلا کرنے لگا۔

"ہاں رضا! مجھے اعتراف ہے کہ بعض اوقات ایک سادہ سی بات، ایک ادراک کا لمحہ انسان کو تبدیل کر دیتا ہے اور آگہی کے اس لمحہ نے میرے دل کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔" رضا ہونق سا اسے دیکھنے لگا ایسے غالباً تزئین سے اتنی مدبرانہ باتوں کی توقع نہیں تھی۔

"رضا! دنیا مکافات عمل ہے گزشتہ رات سوئے ہوئے ثوبان کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ جیسے میں نے اماں سے ان کے لخت جگر کو جدا کیا کل کلاں کو میری بہو ثوبان کو....." آنسوؤں کی یلغار نے اسے جملہ ادھورا چھوڑنے پر مجبور کر دیا وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک اٹھی، جبکہ رضا نے خوشی سے جگمگاتا چہرہ لئے اس کے گرد بے اختیار اپنے بازو کا حصار قائم کیا تھا۔

☆☆☆

جاتی بہاروں کی الوداعی شام بے حد خوشگوار لئے ہوئے تھی چھوٹے سے آنگن میں تخت پر براجمان اماں محلے کے بچوں کو سپارہ پڑھانے میں مشغول تھیں آنگن کی منڈیر پر رکھے باجرے سے بھرے مٹی کے کٹورے پر بیٹھی چڑیاں چہچہا رہی تھیں جبکہ چند ایک ذرا فاصلے پر دھرے پانی کے کٹورے میں اٹھکیلیاں کرنے میں مگن تھیں، دھوپ دیواروں سے ڈھل رہی تھی جب ثوبان کے سنگ رضا اور تزئین نے کھلے دروازے کے اندر قدم رکھا، اماں تو ان تینوں کو دیکھتے ہی کھل سی گئیں۔

"آخاہ، میرے گھر کے بھاگ کھل گئے آج تو تم لوگ رہنے کے ارادے سے آئے ہو۔" رضا کو بھاری بھرکم بیگ اٹھائے دیکھ کر انہوں نے قیاس کیا جبکہ خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی چھوٹے سے آنگن میں ایکدم ہلچل سی مچ گئی اماں نے بچوں کو فوراً چھٹی دے دی۔

"اماں! ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لوٹ آئے ہیں۔" تزئین نے دمکتے چہرے اور پرجوش لہجے میں پژمردہ سنایا۔

اماں ایک ثانیے کے لئے خاموش ہوگئیں انہوں نے تعجب سے رضا کی سمت تائیدی نگاہ ڈالی اس کے اثبات میں سر ہلانے پر اماں کے وجود پر شادی مرگ طاری ہوگئی ان کی آنکھوں میں چمکتی نمی نے تزئین کو ندامت کے عمیق گڑھے میں دھکیل دیا۔

"اماں، اماں میں بہت بری ہوں مجھے معاف کر دیں، آپ تو بہت اعلیٰ ظرف خاتون ہیں کوئی سگی ماں بھی اپنی اولاد کی لغزشوں پر اسے لعن طعن کرتی ہے آپ نے تو اس سے بھی زیادہ ضبط کا مظاہرہ کی، اماں آپ میری ماں ہیں اور میں آپ کی بیٹی، میری نادانیوں پر مجھے ڈانٹیں مجھے لعن طعن کریں۔" وہ ساکت و جامد کھڑی اماں کے ہاتھ تھامے ندامت سے چور لہجے میں کہنے لگی آنکھوں سے بہتے شفاف سچے موتی اس کے لہجے کی سچائیوں کے پیامبر تھے اور اماں خوشی سے رو پڑی تھیں۔

"تو..... تو میری بہت اچھی بیٹی ہے۔" انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

"اماں اب میرے سینے میں بھی ایک ماں کا دل دھڑکتا ہے میں آپ کی کیفیت سے باخبر ہوگئی اس لئے لوٹ آئی آپ نے مجھے معاف کر دیا ناں؟"

"جھلی ہے تو بھلا کوئی ماں بھی اپنی بیٹی سے ناراض ہوسکتی ہے۔" اسے خود سے الگ کر کے اماں نے اپنے بوڑھے ہاتھوں کی پوروں سے اس کے آنسو چن لئے اور وہ دل سے اماں کی اعلیٰ ظرفی کی قائل ہوگئی۔

"اماں اس کی ذرا اچھی طرح سے گوشمالی کیجئے۔" رضا نے ان کے محبت کے مظاہرے پر انہیں بھڑکانے کی کوشش کی۔

"چل ہٹ!" اس کے لہجے کی معصوم سی شرارت پر اماں نے اسے پرے دھکیل کر پھر سے تزئین کو گلے سے لگالیا۔

"چلو بھئی یہاں تو ساس بہو کی محبت کے مظاہرے ہی ختم نہیں ہو رہے بیٹا تیرا اور میرا پتا کٹ۔" رضا مسخرے پن سے ثوبان کو لئے تخت پر لڑھک گیا اور ثوبان کھلکھلانے لگا۔

"جلنے کی بو آرہی ہے ناں۔" تزئین نے بھرپور شرارت سے اماں کی طرف تائیدی نگاہ ڈال کر رضا کی جانب اشارہ کیا، اماں بے ساختہ مسکرانے لگیں۔

رضا کی آنکھوں میں پہلی بار تزئین کے لئے فخر تھا اور لب بے ساختہ مسکرائے تھے اور اس لمحے تزئین کے اندر طمانیت و سکون کا ایک ایسا احساس جاگزین ہوا جس کے زیر اثر ایک شفاف و بے ریا ہنسی کا نغمہ اس کے ہونٹوں پر بکھر گیا دوسروں کی خوشی میں ہماری طمانیت کا راز پوشیدہ ہوتا ہے اس نے اس راز کو بھی آج پالیا تھا اور بہاروں کی الوداعی شام مسکراتی ہوئی ان کے درمیان ہمیشہ کے لئے ٹھہر گئی تھی۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب.....
خمار گندم.....
دنیا گول ہے.....
آوارہ گرد کی ڈائری.....
ابن بطوطہ کے تعاقب میں.....
چلتے ہو تو چین کو چلئے.....
نگری نگری پھرا مسافر.....
خط انشا جی کے.....
بستی کے اک کوچے میں.....
چاند نگر.....
دل وحشی.....
آپ سے کیا پردہ.....

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو.....
انتخاب کلام میر.....

ڈاکٹر سید عبداللہ
طیف نثر.....
طیف غزل.....
طیف اقبال.....

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رُت پھول کھلنے کا موسم

ساجدہ تاج

"ایشال ایشال کہاں ہوتم، مجھے میرے موزے نہیں مل رہے ہیں، نجانے کہاں رکھ دیئے ہیں تم نے۔" اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے وہ انتہائی غصے سے بولا تھا، لہجے و انداز میں شدید کوفت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی شامل تھا۔

"وہیں صوفے پر ہی ہوں گے۔" ایشال کی عجلت بھری آواز کچن سے برآمد ہوئی تھی۔

"نہیں ہیں صوفے پر، عجیب پھوہڑ عورت ہوتم، کتنی بار کہا ہے کہ میری ضرورت کی تمام چیزیں رات کو ہی نکال کر رکھ دیا کرو، مگر تمہاری سمجھ میں میری کوئی بات آئے تب نا، روزانہ یہی کچھ ہوتا ہے، میں بیڈروم میں کھڑا چیخ چیخ کر تم سے اپنی چیزوں کے متعلق پوچھ رہا ہوتا ہوں اور تم نہ ڈھنگ سے ناشتہ بنا پاتی ہو اور نہ میرے آفس جانے کی تیاری میں مدد کر سکتی ہو، تم سے شادی کر کے عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں میں۔" غصے کا گراف بدستور بڑھتا جا رہا تھا۔

موزوں کی تلاش میں کمرے کی ابتر ہوئی حالت اس بات کا ثبوت تھی کہ صاحب بہادر نے موزوں کی تلاش کو آسان بنانے کی بجائے ڈھونڈنے والے کے لئے مزید مشکل بنا ڈالا تھا۔

"ایک منٹ رافع میں...... میں ابھی آئی، اریبہ کا فیڈر بنالوں، پھر آپ کو موزے بھی ڈھونڈ کر دے دیتی ہوں۔" وہ جلدی جلدی کام سمیٹتی عجلت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

روزانہ صبح کی ابتداء اپنے جلو میں اسی طرح بے پناہ مصروفیت اور ہڑبونگ لے کر آتی تھی، اس کا ایک پاؤں کچن میں ہوتا تھا، تو ایک بیڈروم میں اور اگر کسی دن اریبہ اڑ جاتی اس دن تو انتہا ہی ہو جاتی تھی، رافع غصے سے ایشال کو بے نقط سناتا یہ جا وہ جا ہوتا اور ایشال، اس کا وہ سارا دن روتے دھوتے ہی گزرتا تھا اور صبح کی اس افراتفری اور عجلت میں اس کی ساس شبانہ بیگم اس کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے کمرے میں ٹی وی لگائے رنگ رنگ کے مورننگ شو میں مگن ہو جاتی تھیں اور ننھی آٹھ ماہ کی اریبہ کے رونے دھونے کی آواز پر بھی وہ کان نہ دھرتیں تھیں۔

"وہ...... میں نے ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا ہے آپ اتنے میں ناشتہ کرلیں میں تب تک آپ کی سوکس ڈھونڈ دیتی ہوں۔" دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی وہ رافع سے کہہ رہی تھی، اگرچہ کہ روزانہ کی طرح کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کا ذہن ایک پل کو چکرایا تھا، مگر ضبط کرتی وہ ان کے موزے ڈھونڈنے لگی تھی، کہ ضبط کے سوا وہ اور کچھ کر بھی نہ سکتی تھی چیزوں کو ساتھ ساتھ سمیٹتی وہ موزے بھی ڈھونڈ رہی تھی مگر شاید موزوں کی تلاش نے ہی موزے اِدھر اُدھر کر ڈالے تھے کہ مل ہی نہ رہے تھے اور ابھی وہ موزوں کی تلاش میں سرگرداں ہی تھی کہ اریبہ زور و شور سے رونے لگی، پھر کیا ایشال کو موزوں کی تلاش بیچ میں چھوڑ کر اریبہ کو اٹھانا پڑا اور اسی بات پر رافع کا موڈ بگڑ گیا۔

"اسی لئے...... اسی لئے ایشال بیگم، اسی لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم سے شادی کر کے میری زندگی جہنم بن گئی ہے، سکون اطمینان نام کو نہیں رہا ہے میری زندگی میں، نجانے اتنا پڑھ لکھ کر تم نے کیا کیا ہے، ایک بچی اور ایک شوہر کی ذمہ داری تم سے اٹھائی نہیں جاتی اور تم نجانے کیا کرو گی، وہ عورتیں بھی ہوتی ہیں جو نہ صرف جاب کرتی ہیں بلکہ اپنے گھر شوہر اور بچوں کی ذمہ داری بھی بخوبی نبھاتی ہیں اور ایک تم ہو، نجانے اتنا پڑھ لکھ کر کیا کیا ہے، تم نے۔" غصے سے بولتا رافع وہی کل کی پہنی سوکس ڈالتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا، ناشتہ بھی ادھورا چھوڑ دیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے۔

ہفتے کے چار دن وہ اسی طرح آفس جاتا تھا، اب اس میں غلطی واقعی ایشال کی تھی یا رافع اسے سمجھنے کی ہی کوشش نہ کر رہا تھا، مگر پچھلے دو سال سے ان کی زندگی اسی طرح گزر رہی تھی گویا زندگی میں ہونے والی یہ چخ چخ ان دونوں کی زندگی کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

شدت ضبط سے آنکھوں میں آئے آنسو ضبط کرتی وہ اریبہ پر جھک گئی تھی صبح صبح ہونے والی یہ تذلیل ایک بار پھر اسے رلا گئی تھی۔

☆☆☆

رافع عثمان کے تین مرلے کے اس چھوٹے سے گھر میں کل چار افراد رہتے تھے رافع عثمان جو کہ گریجویشن کے بعد ایک پرائیویٹ کمپنی میں کمپیوٹر آپریٹر کی جاب کرتا تھا، رافع عثمان کی والدہ شبانہ بیگم اور ایک بہن لالہ رخ کے علاوہ اس کی بیوی ایشال اور بیٹی اریبہ رہتے تھے، والد حیات نہ تھے جبکہ ایک شادی شدہ بہن ماہ رخ جوہر کالونی میں رہتی تھی۔

یہ گھر اپنے وسائل اور مسائل کے اعتبار سے بھی چھوٹا تھا، قدامت پسند اس گھر میں رہائش پذیر لوگوں کی یہ سوچ تھی کہ تعلیم پر صرف لڑکوں کا حق ہے جبکہ لڑکیوں کو تعلیم حاصل نہیں کرنی چاہیے کیونکہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملنے والی آزادی کا وہ ناجائز استعمال کرتی ہیں، یہی وجہ تھی کہ رافع عثمان کی بڑی بہن ماہ رخ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی جبکہ لالہ رخ نے بہ مشکل میٹرک کیا تھا، ایک صرف ایشال ہی تھی، جس نے انگلش میں ماسٹرز کر رکھا تھا، چھ بھائیوں کی لاڈلی ایشال دراصل رافع کی پھپھو زاد بھی تھی اور بچپن میں طے ہونے والے اس رشتے کی بدولت ہی آج وہ اس گھر میں نظر آ رہی تھی، ایشال ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی تھی اور اس کی یہی خوبی اس کے سسرال والوں کی نظر میں خامی بن گئی تھی جس کے اسے وقتاً فوقتاً طعنے سننے کو ملتے رہتے تھے جسے وہ اپنی صابر طبیعت کی بدولت کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی جاتی تھی کہ لڑائی جھگڑا اس کی فطرت میں نہ تھا، یا شاید وقت اور حالات نے اسے بہت سمجھدار اور بڑا بنا دیا تھا۔

☆☆☆

''اے بیٹا! تم نے صبح ناشتہ تو کر لیا تھا نا یا پھر سارا دن اسی طرح بھوکے گزار دیا۔'' وہ رافع سے چائے کا پوچھنے کے لئے شبانہ بیگم کے کمرے میں آئی تھی جب اندر سے آتی شبانہ بیگم کی آواز سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔

''کہاں امی! آج آفس میں کام ہی اتنا تھا کہ کیا بتاؤں اور اس کام کو جلدی جلدی نبٹانے کے لالچ میں آج کا لنچ بھی گول کرنا پڑا، بس اسی بھاگ دوڑ میں سارا دن گزر گیا۔'' ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے رافع نے تفصیل بتائی تھی لہجے و آواز دونوں تھکن کے غماز تھے۔

''بس بیٹا کیا کروں، مجھے تو خود ہر وقت یہی شرمندگی کھائے جاتی ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے میری وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔'' ایک افسردہ آہ بھرتے ہوئے انہوں نے کہنا شروع کیا، لہجے و انداز میں بلا کی افسردگی اور پریشانی تھی، ادھ کھلے دروازے کے باہر کھڑی ایشال سمجھ گئی تھی کہ اب وہ اپنے پسندیدہ موضوع کی جانب آ رہی تھیں، تب بھی نہ چاہتے ہوئے وہ وہیں کھڑی رہی تھی، اپنے لئے رافع کے منہ سے کوئی اچھی بات سننے کے لئے اس کے کان ترس گئے تھے۔

''کیا مطلب امی!'' الجھن زدہ لہجے میں رافع نے پوچھا۔

''مطلب کیا ہونا تھا بیٹا! نہ میں تمہاری بچپن میں ایشال کے ساتھ منگنی کرتی اور نہ تمہیں آج یہ دن دیکھنا پڑتے۔'' وہ ایک پل کو رکی تھیں۔

''ارے میں نے تو اس کی معصومیت اور خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے جنت آپا سے اسے تمہارے لئے مانگ لیا تھا، اب مجھے کیا پتہ تھا کہ بڑے ہو کر اس کی معصومیت پر چالاکی و ہوشیاری کا رنگ گہرا ہو جائے گا اور خالی خولی خوبصورتی کا کیا ہے، ارے جب تک لڑکی میں طریقہ سلیقہ اور گھر داری کے گن نہ ہوں تو اس کی خوبصورتی کسی کام کی نہیں ہوتی، مگر مجھ بے عقل کو کون سمجھاتا، ہائے ہائے۔'' انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے آہ بھری۔

اپنی شان میں ہونے والی اس قصیدہ گوئی نے باہر کھڑی ایشال کو دکھ کے گہرے سمندر میں غرق کر دیا تھا، وہ جتنا اس گھر کے مکینوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتی تھی وہ اتنا ہی اس کی ذات سے خار کھاتے تھے۔

''کوئی بات نہیں امی اب تو میں اس سب کا عادی ہوتا جا رہا ہوں۔'' گہرے طنزیہ لہجے میں رافع نے کہا۔

''تم تو مجبوراً عادی ہو ہی جاؤ گے بیٹا! مگر میں اپنے اس دل کا کیا کروں جو تمہیں اور اس گھر کے حالات کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے اور جب تم..... جب تم یوں بغیر ناشتہ کیے گھر سے جاتے ہو تو سارا دن میرے حلق سے ایک نوالہ بھی نہیں اترتا، یہی سوچ سوچ کر دل ہولتا رہتا ہے کہ نجانے تم نے کچھ کھایا بھی ہوگا یا نہیں۔'' دکھ سے چور لہجے اور آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو لئے وہ بالکل سفید جھوٹ بول رہی تھیں اور باہر کھڑی ایشال ان کی اس مکاری پر دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔

آملیٹ پراٹھے کا ناشتہ کرنے کے بعد دو کپ چائے پی تھی انہوں نے اور پھر دس گیارہ بجے کینوں کا جوس نکال کر پینے کے بعد انہوں نے ڈٹ کر دوپہر کا کھانا بھی کھایا تھا، مگر اب کس دیدہ دلیری سے سارا دن کچھ نہ کھانے پینے کا جھوٹ بول رہی تھیں، یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ یہ نہ جانتی تھیں کہ یہ سب کچھ کرنے سے وہ اپنے بیٹے کے تو قریب ہو جائیں گی مگر اپنے رب سے دور ہو جائیں گی۔

''بس بیٹا! دل میں ہر وقت یہی پشیمانی لگی رہتی ہے، ارے میں نے ایسی ایسی لڑکیاں بھی دیکھی ہیں جو چھوٹے چھوٹے جڑواں بچوں کو بھی تن تنہا سنبھالتی ہیں اور گھر داری اور شوہر کے معاملات بھی بخوبی نبھاتی ہیں ایک تمہاری بیوی ہے جو ڈھنگ سے نہ تمہارا خیال رکھ سکتی ہے اور نہ بچی کو سنبھال سکتی ہے، رہ گئی گھر داری تو لالہ رخ اور میرے ہوتے ہوئے اسے اس گھر داری کی بھی فکر نہیں ہے، کیا ہوگا تمہارا یہی سب کچھ سوچتے سوچتے میری راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔'' دکھ سے چور لب و لہجے میں بولتیں وہ اس وقت مکمل طور پر غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اپنی شان میں ہونے والی اس قصیدہ گوئی نے اسے بہت مایوس کیا تھا، کرچی کرچی ہوتے دل اور آنکھوں میں آنسو لئے وہ بہ مشکل اپنے کمرے تک پہنچی تھی اور پھر کمرے میں پہنچتے ہی وہ زور و شور سے رونے لگی تھی، کہ کاتب تقدیر نے اس کے سوا کچھ اور اس کے نصیب میں لکھا ہی نہ تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح ایشال کی بڑی بہن فریال کا فون آ گیا تو ہمیشہ کی طرح گلے شکوے شروع ہو گئے ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں میں۔

''ایشال تمہیں پتہ ہے کہ ہم لوگ تمہیں کتنا مس کرتے ہیں مگر تم ہو کہ نہ جلدی جلدی ملنے آتی ہو اور نہ ہی فون پر رابطہ رکھتی ہو۔'' ہمیشہ کی طرح فریال نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں آپی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، مس تو میں بھی آپ سب لوگوں کو کرتی رہتی ہوں مگر بس مصروفیت کی وجہ سے۔'' ایشال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بس رہنے دو، مصروفیت کی بھی تم نے خوب کہی، ابھی صرف ایک بچی ہے اور تم مصروفیت کے رونے روتی رہتی ہو کل کلاں کو دو چار بچے ہو گے تو تم تو ہمیں بھول ہی جاؤ گی۔'' انہوں نے ایشال کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اس چیز کی آپی آپ بالکل فکر نہ کریں، اپنے بہن بھائیوں کو بھی بھلا کوئی بھولتا ہے جو میں بھولوں گی۔'' ان کی محبت بھری خفگی پر ایشال نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو بس پھر ٹھیک ہے صبح پہلی فرصت میں تمہیں ہمارے پاس ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے آپی میں کوشش کروں گی، اگر گھر میں کوئی ضروری کام نہ ہوا تو میں رافع سے کہوں گی کہ وہ آپ کی طرف چھوڑتے چلے جائیں۔'' ایشال نے رسان سے کہا۔

''چلو پھر ٹھیک ہے، صبح ملاقات ہوگی او کے اللہ حافظ۔'' ایشال نے آنے کی ہامی تو بھر لی تھی مگر جانتی تھی کہ شبانہ بیگم اس کے جانے پر سو طرح کے اعتراض ضرور اٹھائیں گی اور اس کام میں ان کا ساتھ دینے والا رافع بھی پیچھے نہ رہتا مگر خلاف توقع رافع نے صبح اسے فریال کے گھر چھوڑنے کی ہامی بھر لی، شبانہ بیگم سے اس سلسلے میں اس نے کیسے بات کی یہ ایشال نہیں جانتی تھی، اس کے لئے تو یہی بہت تھا کہ رافع نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ اٹھایا تھا اور یوں وہ اگلے دن فریال آپی کے گھر تھی۔

''ایشال تم خوش تو ہو نا۔'' فریال آپی نے اس کے صبیح چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے اس سے پوچھا تھا، نجانے وہ اس کے چہرے پر خوشی کا کون سا احساس ڈھونڈنے جا رہی تھیں۔

''جی آپی میں بہت خوش ہوں مگر آپ ایسے کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' ان کی گہری کھوجتی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے اس نے چونک کر پوچھا۔

''پتہ نہیں کیوں ایشال، ہم سب کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں ہو، تمہارے سسرال کا ماحول اور ان کی سوچ سب بہت دقیانوسی ہے، اب تو شہباز بھائی اور نیاز بھائی کو بھی احساس ہوتا ہے کہ جیسی تمہاری تعلیم و تربیت تھی اس حساب سے تمہاری زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس مقام پر آ کر کبھی ہم لوگ سوچتے ہیں کہ ہمیں بچپن کی اس منگنی کو سرے سے اہمیت ہی نہیں دینی چاہیے تھی۔'' فریال آپی دھیرے دھیرے پر سوچ انداز میں بولتی چلی گئیں۔

''افوہ آپی! آپ نجانے کس سوچ میں پڑ گئی ہیں، بس اتنا جان لیں کہ جو میرے نصیب میں تھا وہ مجھے مل گیا، اس میں نہ تو کسی کا دوش ہے اور نہ ہی کسی کا قصور، اچھا یا برا ہے اب وہ گھر اور اس گھر کے مکین ہی میرا سب کچھ ہیں اور جہاں تک ان کے ماحول اور سوچ کی بات ہے تو میرا اس بات پر یقین ہے کہ سچائی اور اچھائی ایک نہ ایک دن اپنا آپ ضرور منوا لیتی ہیں، بس پھر مجھے اس دن کا انتظار ہے۔'' ایشال نے ایک جذب

کے عالم میں جواب دیا تھا پھر مسکرا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''چلیں کچن میں مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے۔'' اور پھر اگلے کچھ لمحوں میں وہ کچن میں موجود تھیں۔

☆☆☆

''کیا؟ رافع کا ایکسیڈنٹ، کب کہاں اوہ مائی گاڈ۔'' فون پر ملنے والی اس اطلاع نے ایشال کے تو حواس ہی گم کر دیئے تھے، اس سے پہلے کہ وہ مزید حواس باختہ ہو کر نیچے گر پڑتی اس نے خود کو حوصلہ دیا تھا اور اطلاع دینے والے سے ہاسپٹل کا پوچھنے لگی تھی اور اگلے کچھ منٹوں میں وہ شبانہ بیگم کو ہمراہ لئے ہاسپٹل میں موجود تھی۔

رافع کی بائیک کا ایکسیڈنٹ سامنے سے آنے والی ٹرک سے ہوا تھا، اسی نتیجے میں رافع کو کافی سیریس چوٹیں آئی تھیں، سر میں شدید چوٹ آنے کے ساتھ ساتھ پورے وجود پر جا بجا چوٹیں تھیں جبکہ بائیں ٹانگ میں بھی فریکچر ہو گیا تھا۔

اگلے چھ گھنٹوں میں رافع کو اگرچہ کہ ہوش تو آ گیا تھا، مگر اسے کسی سے بھی زیادہ بات چیت کی اجازت نہ ملی اور پھر ایک ہفتے تک اسے ڈاکٹرز نے ہاسپٹل میں ایڈمٹ رکھا تھا، اس دوران ایشال کی بھاگ دوڑ قابل ستائش تھی اور شاید یہ اس کی بھاگ دوڑ اور توجہ کا ہی نتیجہ تھا کہ جب ایک ہفتے بعد ڈاکٹرز نے اسے ڈسچارج کیا تو اسکے جسم اور سر کے زخم کافی حد تک مندمل ہو چکے تھے، ہاں مگر ٹانگ کے فریکچر کی وجہ سے ڈاکٹرز نے اسے چھ ماہ کے لئے بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی وہ گھر آ گیا تھا اور اس دوران اسے صرف اور صرف اپنی جاب کی ہی فکر تھی اور یہ فکر کم ہونے کی بجائے اس وقت اور بڑھ گئی جب اس کی کمپنی کی جانب سے اسے اس جاب سے فارغ کرنے کا نوٹیفکیشن ملا، پرائیویٹ کمپنی والوں نے اس کی جگہ پر کوئی اور لڑکا رکھ لیا تھا، کتنی مشکلوں سے اس نے یہ جاب حاصل کی تھی مگر اب.....

وہ بستر پر پڑا دن رات صرف یہی سوچتا رہتا کہ اب اس گھر کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے، دوسری طرف رافع کی تیمار داری کرنے والی ایشال کو بھی یہی فکر ستائے جاتی تھی اور پھر بالآخر ایک دن اس نے جاب کرنے کا فیصلہ کر لیا اور جب یہی بات اس نے رافع کے سامنے رکھی تو وہ خاموشی سے ایشال کو دیکھے گیا۔

''رافع پلیز، میری بات سمجھنے کی کوشش کریں، میں مستقبل جاب کرنے کا نہیں سوچ رہی میں تو صرف تب تک یہ سب کچھ کرنا چاہتی ہوں جب تک تم پراپر ٹھیک نہیں ہو جائے اور اللہ کے فضل و کرم سے جب تم مکمل صحت یاب ہو جاؤ گے تب میں خود بخود جاب چھوڑ دوں گی، یہ گھر اور اس کی گھر کی ذمہ داریاں جتنی آپ کی ہیں اتنی ہی یہ سب میری بھی ہیں پلیز رافع۔'' ایشال نے پر زور انداز میں حقیقت پر سے پردہ اٹھایا تھا اور اس پل رافع کی خاموشی اس بات کا ثبوت تھی کہ ان حالات میں ایشال جو کچھ کرنے جا رہی تھی وہی بہتر تھا اور پھر اگلے دو چار دن میں اس کی کوششوں سے اسے قریبی پرائیویٹ کالج میں لیکچرار کی جاب مل گئی، اس نے چونکہ انگلش میں ماسٹرز کیا تھا اس لئے بھی اس کی ویلیو تھی، پھر بہت جلد بہت سی میٹرک، ایف اے، بی اے کی لڑکیاں انگلش کی ٹیوشن اس سے لینے گھر آنے لگیں اور یوں وہ اس گھر کی تمام ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھانے کے ساتھ ساتھ رافع کی تیمار داری بڑی دلجمعی سے کرنے لگی، اگرچہ کہ یہ سب کرتے ہوئے وہ رات تک بری طرح نڈھال ہو جاتی تھی مگر کسی قسم کا کوئی گلہ شکوہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی زبان پر نہ ہوتا تھا۔

اس دوران رافع خاموش لیٹا بس اس کی مصروفیات پر غور کرتا رہتا تھا، اب تو وہ بلاوجہ ایشال کو ڈانٹتا بھی نہ تھا، اگر اس کے کسی کام میں دیر سویر ہو جاتی تو ایشال کو برا بھلا کہنے یا طعنے دینے کی بجائے وہ خاموشی سے اس کی فارغ ہونے کا انتظار کر لیتا تھا۔

دن اسی رفتار سے گزرتے رہے ایشال کو جاب کرتے چار ماہ ہو گئے تھے، اب تو وہ اپنی ٹانگ کو ہلکی پھلکی حرکت بھی دینے لگا تھا، شبانہ بیگم اور لالہ رخ کے وہی شب و روز تھے، شبانہ بیگم ٹیلی ویژن سے فارغ ہوتیں تو کچھ دیر رافع کے پاس بیٹھ جاتیں یا پھر جب تک ایشال کالج سے نہ آجاتی وہ اریبہ کو سنبھال لیتی تھیں جبکہ لالہ رخ ٹی وی کے آگے سے ہٹتی تو آئینے کے آگے جا کھڑی ہوتی اس کی روٹین کچھ اس طرح کی تھی، رافع یہ سب کچھ بہت خاموشی سے نوٹ کر رہا تھا، گھر میں سارا دن رہنے والی دونوں خواتین کچن میں جھانک کر نہ دیکھتی تھیں، گھر کی باقی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کچن کی مکمل ذمہ داری بھی اس پر ہی تھی، ان سب حالات و واقعات میں اگر اپنا ہوش نہیں تھا تو صرف ایشال کو نہیں تھا۔

اور رافع یہ سب کچھ دیکھ کر دل ہی دل میں ایشال سے بے حد شرمندہ تھا کہ وہ اسے نجانے کیا سمجھتا رہا اور وہ کیا نکلی۔

☆☆☆

''ارے یہ کیا، اریبہ آج بے وقت ہی سو گئی۔'' شبانہ بیگم نے جس وقت کمرے میں قدم رکھا تو رافع کے کندھے سے لگی اریبہ کو سوئے ہوئے دیکھ کر بے اختیار پوچھ بیٹھیں۔

''جی بھوک سے بے چین تھی اس لئے روتے روتے خود ہی سو گئی۔'' رافع نے اپنے اندر اٹھتے ابال کو کنٹرول کرتے ہوئے بہ مشکل تمام کیا۔

''ارے بیٹا تو مجھے آواز دے دیتے، میں اس کا فیڈر بنا لاتی۔'' شبانہ بیگم نے اپنے لہجے میں محبت کی مٹھاس سموتے ہوئے کہا۔

''آپ کو ہی آوازیں دی تھیں مگر آپ سٹار پلس دیکھنے میں محو تھیں، اس لئے یہ بے چاری روتے روتے خود ہی سو گئی۔'' رافع کے لہجے میں ہلکا سا طنز سمٹ آیا تھا۔

''ہاں بس وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی کام سے فارغ ہو کر ٹی وی کھولا تھا میں نے اور یہ کیا..... ایشال نہیں آئی ابھی تک۔'' انہوں نے شرمندہ سے انداز میں سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا پھر رافع کے نزدیک کھلتے ہوئے دوبارہ گویا ہوئیں۔

''ارے بیٹا اسی لئے میں تمہاری بیوی کی نوکری کے حق میں نہیں تھی، لو بتاؤ بھلا کیا وقت ہونے کو آیا ہے مگر مہارانی صاحبہ کو نہ گھر کی فکر ہے اور نہ گھر والے کی، ارے اس چھوٹی سی معصوم بچی کا بھی احساس ختم ہو جاتا ہے تمہاری بیوی کو گھر، نوکری کا بہانہ کر کے نجانے کہاں پھرے اڑا رہی ہوگی اور تم.....''

''بس امی!'' اس سے پہلے کہ وہ ایشال کے بارے میں مزید فضول گوئی کرتیں رافع چیخ اٹھا۔

''اس سے پہلے کہ میری برداشت جواب دے جائے بس کر جائیں امی، جس عورت پر آج آپ بہتان باندھ رہی ہیں، کیا آپ نے سوچا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو آج ہم کہاں ہوتے، پچھلے پانچ ماہ سے یہ گھر کیسے چل رہا ہے یہ آپ نے سوچا ہے کبھی، میری دوائیاں میرا ٹریٹمنٹ اور اس گھر کے اخراجات، سوچا ہے کہ یہ سب کہاں سے پورے ہو رہے ہیں یہ سب اسی عورت کے بل بوتے پر ہی پورے ہو رہے ہیں، جس نے

پچھلے پانچ ماہ سے نہ دن کو دن سمجھا ہے اور نہ رات کو رات، یہ سب کچھ اس عورت اور اس کی تعلیم کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے وہ تعلیم جسے میں نے اور آپ نے اس کے لئے گالی بنا دیا تھا، سوچیں امی، صرف ایک پل کے لئے ہی سوچیں کہ اگر وہ تعلیم یافتہ نہ ہوتی تو میرے اس حادثے کے بعد آج ہم کس حال میں زندگی گزار رہے ہوئے۔'' رافع بولتے بولتے ایک پل کو خاموش ہوا تھا پھر کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک گہری سانس بھرتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔

''امی جس طرح ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح سب پڑھی لکھی عورتیں بھی ایک جیسی نہیں ہوتیں، عورت کا دوسرا نام ہی وفا ہے، ہاں مگر کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو عورت کے نام پر دھبہ ہوتی ہیں مگر ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم سب عورتوں کو ایک ہی کیٹگری میں نہیں کھڑا کر سکتے۔'' اب کمرے میں شبانہ بیگم اور رافع کے علاوہ خاموشی کا راج تھا اور دروازے کے باہر آنکھوں میں تشکر کے آنسو لئے ایشال کھڑی سوچ رہی تھی کہ آج اس کو اس کے صبر کا صلہ مل گیا ہے، بلاشبہ عورت کو اس کے صبر ہمت اور حوصلے کا صلہ ضرور ملتا ہے اور ایشال کا ایمان تو آج اس بات پر اور بھی پختہ ہو گیا تھا، کہ بلاشبہ اچھائی اور سچائی اپنا آپ منوا لیتی ہیں اور اس کے لئے اب پھول کھلنے کا موسم آچکا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو کوری کی

تحسین اختر

''بیگم صاحبہ اٹھ گئی ہیں۔'' تیمور نے اخبار تھوڑا سا پرے کھسکا کر ملازمہ سے پوچھا تھا۔

''نہیں جی، کیا اٹھا دوں۔'' وہ مستعدی سے بولی تھی۔

''نہیں آرام کرنے دو، ان کے آرام میں خلل ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے وہ جب اٹھیں گی خود ہی اٹھیں گی۔''

آج چھٹی کا دن تھا اس لئے اس نے دوبارہ سے منہ اخبار میں کھسیڑ لیا تھا۔

''جی اچھا!'' ملازمہ سر ہلا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

''آج تو لگتا ہے کئی دنوں کی نیند پوری کی ہے۔'' تقریباً دو گھنٹے بعد تیمور اپنے بیڈ روم میں آیا تھا اور اس نے دیکھا تھا رباب جاگ گئی تھی مگر اب تک کسلمندی سے بستر میں لیٹی ہوئی تھی، وہ بیڈ کے کنارے اس کے قریب ٹکتے ہوئے بڑی محبت سے بولا تھا، رباب نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ ایک گہری نظر اس پہ ڈال کر دونوں ہاتھوں سے اپنے بال سمیٹے تھے اور اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''میں تو بہت دیر سے جاگا ہوا ہوں، واک بھی کر آیا ہوں، اخبار بھی چاٹ لیا ہے اور دو دفعہ جوس بھی پی چکا ہوں، ناشتہ البتہ نہیں کیا، وہ تمہارے ساتھ ہی کروں گا، اب تم جلدی سے فریش ہو جاؤ پھر ناشتہ کرتے ہیں۔''

''ناشتہ میرے ساتھ کرنا کیا ضروری ہے، جہاں اتنا کچھ کیا ہے وہاں ناشتہ بھی کر لیتے۔'' وہ بستر سے اٹھ کر واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولی تھی۔

''اب تو جان جاں سب کچھ ہی اکٹھا ہے جینا اور کیا مرنا، تم ناشتے کی بات کرتی ہو۔'' وہ اس کے جواب سے ذرا بھی بدمزہ نہیں ہوا تھا بلکہ اسی خوشگوار لہجے میں بولا تھا۔

☆☆☆

''رباب چائے رہنے دو یہ فریش جوس لو نا، میں نے تمہارے لئے خاص طور پر بنوایا ہے۔'' ناشتے کی میز پر بھی تیمور کا وہی حال تھا۔

''مجھے چائے ہی پینی ہے۔'' اس نے چائے کا فل سائزنگ اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا، تیمور ملازمہ کے سامنے اس وقت تھوڑا سا شرمندہ ضرور ہوا تھا، وہ چیزیں لا لا کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی، تیمور کو اس کے سپاٹ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کا شائبہ ہوا تھا۔

''ملازموں کا تو کچھ خیال کر لیا کرو، کیا ضروری ہے کہ تم ہر وقت اور ہر جگہ پر میری تردید کرتی رہو۔'' ملازمہ کچن کی طرف چلی گئی تھی اس نے دبی ہوئی زبان میں رباب سے کہا تھا۔

''تو آپ کو بھی کس نے کہا ہے کہ ہر وقت مجھ پر اپنی مرضی ٹھونستے رہیں، یہ ٹھیک ہے کہ اس گھر میں میرا آنا خالصتاً آپ کے ارادے اور آپ کی وجہ سے ممکن ہوا ہے لیکن اب اس گھر میں ہوں اور تم اس گھر میں بھی رانیوں کی طرح ہی رہتی ہو۔''

''ہونہہ سونے کا پنجرہ۔'' اس نے چائے ختم کی تھی اور کرسی پیچھے ہٹا کر اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھے تو اپنی بیگم صاحبہ ایک آنکھ نہیں بھاتیں، صاحب اتنے اچھے ہیں، ان کا اتنا خیال رکھتے ہیں، انہیں ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا ہے، مگر اس عورت کے تو مزاج ہی نہیں ملتے، ہر بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ہر کام میں صاحب کی حکم عدولی کرتی ہیں، وہ پیار سے بات کرتے ہیں اور یہ انہیں کھانے کو دوڑتی ہیں، ہم لوگوں سے بھی کبھی بات نہیں کرتیں، ہر وقت اپنے آپ میں رہتی ہیں، صاحب نے پورا گھر ان کے حوالے کر رکھا ہے وہ تو اپنے گھر میں بھی دلچسپی نہیں لیتیں، ایسی عورتیں گھر بسانے والی نہیں ہوتیں، مجھے تو ڈر ہے ایک نہ ایک دن صاحب کا جی اس سے بھر جائے گا پھر یہ پچھتائے گی۔"

تیمور زبردستی رباب کو شاپنگ کروانے بازار لے گیا تھا، رحیماں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنے شوہر سے تبادلہ خیال بھی، وہ بھی اس گھر میں چوکیداری پر مامور تھا۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے صاحب لوگوں کے کاموں میں دلچسپی لینے کی، وہ جیسے چاہیں رہیں، ہمیں کیا، ہمیں تو بس اپنے کام سے غرض ہونی چاہیے۔" اس نے فریج سے ایک موٹا تازہ سرخ سیب نکال کر دانتوں سے کترا تھا۔

"لو اس میں دلچسپی کی کیا بات ہے، ہر وقت ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے جو دیکھتی ہوں وہ تمہیں بتا رہی ہوں، یہ انار بھی لے لو، صاحب کل ہی لایا تھا کہہ رہا تھا بیگم صاحبہ کے لئے جوس بنا دیا کروں، بیگم صاحبہ کے تو نخرے ہی نہیں سنبھالے جاتے، تم کھاؤ اور موجیں کرو۔" رحیماں نے ایک سرخ انار اپنے شوہر کے سامنے رکھا تھا۔

"تمہیں تو کسی چیز کا شوق ہی نہیں ہے، اس شاپنگ میں بھی زیادہ چیزیں میں نے ہی خریدی ہیں، کاسمیٹکس، جیولری، شوز، لباس، لڑکیاں تو ان چیزوں پر مرتی ہیں اور خرید خرید کر ان کا جی نہیں بھرتا، جبکہ تم تو بازار جا کر ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی ہو۔" وہ شاپنگ سے واپس آ گئے تھے، تیمور نے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز صوفے پر ڈھیر کرتے ہوئے رباب سے کہا تھا۔

"کبھی مجھے بھی بہت شوق تھا، جہاں سب کچھ گیا وہاں یہ شوق بھی گیا، ویسے بھی اب ان چیزوں کا کیا کروں۔" وہ گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی اور بیٹھتے وہی طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

"ان چیزوں کو میرے لئے استعمال کرو، اب تو تمہارا اجنا سنورنا سب میرے لئے ہے۔"

"اسی لئے تو دل نہیں چاہتا۔" اس نے آہستہ سے کہا تھا تیمور اس کی یہ بات نہیں سن سکا تھا۔

☆☆☆

تیمور شور کی آواز سن کر اوپر اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا، کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اس کی سماعتوں نے رباب کے چیخنے اور چلانے کی آواز سنی تھی، وہ روتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ کمرے کی ہر چیز تہس نہس کرتی جا رہی تھی، اس کے سامنے جو چیز بھی آ رہی تھی کرچیوں میں بٹتی جا رہی تھی۔

"رباب کیا ہو گیا ہے تمہیں، پاگل ہو گئی ہو۔" اس نے بکھری ہوئی رباب کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

"ہاں میں پاگل ہو گئی ہوں، چھوڑ دو مجھے، آج میں ہر شے کو آگ لگا دوں گی، چھوڑ دو مجھے، ہاتھ مت لگاؤ مجھے، یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" اس نے زخمی شیرنی کی طرح تیمور کی شرٹ کھینچی تھی، کئی بٹن ٹوٹ کر نیچے گرے تھے اور شرٹ پھٹ گئی تھی۔

"آخر ہوا کیا ہے کچھ پتہ تو چلے۔" دوپہر کو

وہ شاپنگ سے واپس آئے تھے انہوں نے پھر لنچ کیا تھا وہ ٹی وی لگا کر نیچے بیٹھ گیا تھا، جبکہ رباب اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور پھر یہاں کیا ہنگامہ ہوا تھا وہ اس سے بے خبر تھا۔

"ہونا کیا ہے، ہو تو اسی دن سب کچھ گیا تھا جس دن تم مجھے دھوکے سے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اپنے گھر لے آئے تھے تم نے دن دیہاڑے میری عزت پر میرے ماں باپ کی عزت پر ڈاکا ڈالا تھا، اسی دن سے یہ قیامت ہماری زندگیوں میں آئی ہوئی ہے، میری بہن کی شادی ہو رہی ہے، میری ماں جائی کی، ہم دونوں میں اتنی محبت تھی کہ ہم سانس بھی ایک دوسرے کے بغیر نہیں لیتے تھے اور اب وہ وداع ہو رہی ہے تو میرے ماں باپ مجھے نہیں بلا سکتے، میں اپنے گھر نہیں جا سکتی، ان شریف لوگوں نے تو مجھے اسی دن مرا ہوا سمجھ لیا تھا جس دن تم مجھے لے آئے تھے، عاشی کا فون آیا تھا اس نے مجھے بتایا ہے شادی کا، ورنہ تو شاید مجھے خبر بھی نہ ہوتی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"دیکھو رباب میں تمہارا دکھ سمجھتا ہوں، میں مانتا ہوں جو کچھ میں نے کیا وہ بالکل غلط تھا، میں تم سے محبت کرتا تھا اور تم سے دوری برداشت کرنا میرے لئے ناممکن ہو گیا تو میں تو تمہارے ماں باپ کے پاس تمہیں مانگنے گیا تھا انہوں نے تمہارا رشتہ مجھے دینے سے انکار کیا تو میں نے جذبات میں آ کر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا، میں تمہارا مجرم ہوں اور اس جرم کی تلافی کے لئے میں نے اسی دن تمہیں باعزت طریقے سے اپنا لیا اور آج تک تمہاری غلط سلط باتیں سن رہا ہوں، میں نے کوشش کی ہے کہ تمہیں ہر چیز دوں، ہر وہ چیز جو تم سے چھن گئی ہے۔"

"تم وہ چیز مجھے کبھی نہیں دے سکتے، تم پیسہ دے سکتے ہو، محبت دے سکتے ہو، مگر کیا عزت دے سکتے ہو، بتاؤ عزت دلا سکتے ہو، کسی نے کہا میں بھاگ گئی کسی نے کہا میں نے اپنی مرضی سے گئی بہت کم لوگوں نے حقیقت کو مانا کہ تم مجھے زبردستی لے آئے تھے، بتاؤ تیمور خان تم مجھے عزت دے سکتے ہو جو لاکھوں کروڑوں میں بھی نہیں ملتی، بتاؤ دے سکتے ہو۔" وہ تیمور کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی، تیمور کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا لیکن اس وقت وہ اتنا ضرور سوچ رہا تھا کہ آج اس کی زندگی کے اس اتار چڑھاؤ میں زیادہ قصور کس کا ہے، منہ زور محبت کا، رباب کی میٹھی باتوں کا جو وہ دونوں گھنٹوں موبائل پر ایک دوسرے سے کرتے تھے، اس کی اور رباب کی دوستی موبائل پر ہی تو پروان چڑھی تھی یا پھر جذبات کا جنہوں نے اس سے کوئی غلط کام تو نہیں کروایا مگر غلط راستے پر ضرور لا کھڑا کیا تھا پھر ان ماؤں کا جو جوان بیٹوں پر نظر نہیں رکھتیں اور جب وقت ہاتھ سے ریت کی مانند پھسل جاتا ہے تو پھر پچھتاتی ہیں۔

"بتاؤ تیمور تمہاری محبت نے مجھے دو کوڑی کا کر دیا ہے، تم مجھے عزت دے سکتے ہو۔" رباب نے ایک بار پھر کہا تھا اور تیمور اپنے ذہن میں گونجتے سوالوں کی بازگشت میں کھویا ہوا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ستاروں کے آئینے میں

PISCES

برج حوت

سیارہ مشتری

20 فروری تا 20 مارچ

نام کے پہلے حروف

د۔چ

نام کے پہلا حرف	.....	د۔چ
نشان	.....	مچھلیاں
عنصر	.....	پانی
مبارک دن	.....	جمعرات
خوش بختی کا ہندسہ	.....	7

دیگر برج سے تعلقات

بہترین	.....	سرطان، عقرب
بہتر	.....	جدی، دلو، حمل اور ثور
غیر یقینی	.....	جوزا، سنبلہ
غیر جانب دار	.....	اسد، میزان اور قوس

حوت افراد خوبصورت ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں روشن اور پرسوچ ہوتی ہیں، اگر کوئی شخص زندگی بھر ان کی آنکھوں میں جھانکتا رہے اور تو بھی ان کی گہرائی کے اسرار کو نہیں پا سکتا۔

ان کی زندگی دوسرے افراد کی نسبت متنوع ہوتی ہے، وہ زیادہ مشاہدہ کرتے ہیں اور زیادہ برداشت کرتے ہیں، وہ دائرۃ البروج کے درویش ہوتے ہیں، ان کے خواب بھی دوسروں کے خوابوں سے مختلف ہوتے ہیں۔

تیز وطرار:۔

محبت، تعلقات اور کام کے معاملہ میں حوت افراد لچکدار مسحور کن اور تحیر سے بھرپور ہوتے ہیں، وہ جتنا نظر آتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ سخت ہوتے ہیں، وہ مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں، اگر کوئی زیادہ قریب آجائے تو وہ دور ہٹ جاتے ہیں۔

ماحول کے مطابق ڈھالنا:۔

حوت افراد کا ذہن بہت جدید خطوط پر سوچتا ہے، وہ البرٹ آئن سٹائن کے اس نظریہ کی علامت ہوتے ہیں کہ ہم روز مرہ زندگی میں حقیقت کی بات کرتے ہیں خلاصہ بیان کرنے کی بجائے لمبی چوڑی بات کرتے ہیں، وہ ایک متحرک فلم کی طرح ہوتے ہیں نا کہ ایک سٹل فوٹو گراف کی طرح۔

سادہ لوح، زود رنج:۔

حوت افراد کو چاہے جانے کی چاہت ہوتی ہے، اچانک جوش و جذبہ میں گھر جانے پر وہ وحشیانہ ڈھول بجانے والے نہیں ہوتے بلکہ نزاکت کے ساتھ ستار بجانے والے ہوتے ہیں۔

وہ ہر انداز سے محبت کرتے ہیں، مذہبی، روحانی، افلاطونی اور جنسی، وہ اس وقت بہت زیادہ مسرت محسوس کرتے ہیں جب وہ اپنے جذبات کی انتہا پر ہوتے ہیں، دراصل، وہ انتہائی تکمیل پسند ہوتے ہیں اور اپنے تعلقات میں اسی صفت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حوت افراد ایسے دوست اور جیون ساتھی منتخب کرنے کا رجحان رکھتے ہیں جو کہ انہیں مایوس بھی کر دیتے ہیں کیونکہ وہ محبت میں تصوراتی آئیڈیل کی تلاش میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کے آئیڈیل میں کوئی خامی نکل آئے تو وہ غم و غصے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ اکثر احساس جرم کا شکار بھی ہوتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی بھی شخص جو ان سے محبت کرتا ہے اسے از خود معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی خواہشات کیا ہیں؟

جذباتی، بالواسطہ، انحصار کرنے والے:۔

حوت افراد تصوراتی ہوتے ہیں اور ان کی حساس طبع انہیں براہ راست عمل یا گفتگو کے لئے ناموزوں قرار دیتی ہے، انہیں اپنی عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان دونوں خصوصیات کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے، انہیں یہ بھی سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کا کھلم کھلا اظہار کر سکیں۔

کسی قریبی تعلق میں حوت افراد کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے خود مختاری کے جذبہ کو برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کریں، بصورت دیگر دونوں کے درمیان ایک ایک جیسا بندھن کی بجائے ایک ایسا تعلق پیدا ہو جائے گا جس میں وہ دوسرے کے دست نگر ہو کر رہ جائیں گے۔

وجدانی، روحانی قوت:۔

روحانی قوتوں سے مالا مال حوت افراد صوفیت اور پراسراریت پر یقین رکھتے ہیں، وہ دنیاوی آفات و مصائب میں زندگی گزارنے کی توقع کرتے ہوئے اپنی روحانی پرواز بلند کرتے جاتے ہیں، وہ اس لحاظ سے تضاد کا شکار ہوتے ہیں کہ وہ دکھ اور تکلیف کو زندگی کے ایک حصہ کے طور پر تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر دوسرے لوگ تکلیف کا شکار ہوں تو وہ خود کو مجرم محسوس کرتے ہیں۔

حوت افراد اپنے جذبات و احساسات میں سرتاپا ڈوبے ہوتے ہیں، خوف و احساس جرم اور غصے کے بوجھ تلے دبے ہونے کی وجہ سے وہ یہی جذبات دوسروں سے بھی اخذ کرتے ہیں اور ان کے خراج میں دقت محسوس کرتے ہیں، وہ فراریت اختیار کر کے ان خامیوں سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کا علاج یہ نہیں ہے، حوت افراد کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنی ذات کے خول سے باہر نکلیں اور دوسروں کے ساتھ گفت و شنید کر کے اپنے مسائل پر قابو پائیں، انہیں ایسے متعلقین کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے خوابوں پر یقین رکھتے ہوں اور ان کے اظہار ذات اور تعمیری توانائی کی راہ ہموار کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکیں۔

اندرون بین، فراریت، آرٹسٹک:۔

حوت افراد کا تعلق خفیہ جذبات، منفی احساسات، خود ترسی اور ذاتی نظر بندی سے ہوتا ہے، وہ پابندیوں میں جکڑے ہوتے ہیں، وہ بہت جلد فرار کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اکثر حوت افراد ایسی صورتحال سے گریز کرتے ہیں جہاں ان کی ذات کی آزمائش اور ناکامی کی پیمائش ہو سکے، اسی طرح وہ کامیابی سے بھی گریزاں ہوتے ہیں اور اپنی زندگی شیخ چلی کے خوابوں اور خود بینی کی سرگرمیوں میں گزار دیتے ہیں۔

وہ دوسروں پر اپنے خیالات کا اظہار بہت کم کرتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس طرح وہ اپنا تحفظ کر رہے ہوتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ شرمیلا، حساس، شاعر اور فنکار بننے کی قیمت بہت زیادہ ہے لیکن اگر ہر شخص ان کی تعریف نہ کرے پھر بھی اکثریت انہیں داد و تحسین سے نوازتی ہے۔

وہ مخلص دوستوں اور روزمرہ معمولات کی بدولت فراریت سے بچ سکتے ہیں، وہ خود احتیاطی اور مسائل و تعلق سے وابستگی کا ایک مناسب توازن قائم کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ جو درست محسوس کریں اور پر عمل کریں، حوت افراد میں کامیابی اور ناکامی کے بارے میں انتہا پسندانہ خیالات پائے جاتے ہیں۔

غور و فکر، کم توانائی:۔

حوت افراد جسمانی طور پر توانا نہیں ہوتے اور انہیں اپنے منفی جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے، انہیں چاہیے کہ اپنے منفی جذبات کے اپنے جسم پر مضر اثرات کو سمجھیں، انہیں چاہیے کہ ایک بہتر نظام اپنائیں جس سے ان کے جذبات کا مناسب اخراج ہو سکے، انہیں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اضطراب کی بجائے آرام و سکون کو ترجیح دیں۔

صحت کا مطلب ہوتا ہے کہ ذہن بدن اور روح کے درمیان متوازن رشتہ ہو، اس کا اطلاق ہر شخص پر ہوتا ہے، لیکن ان کی شدید حساسیت کی وجہ سے اگر ان تینوں میں سے ایک پر بھی برا اثر پڑے تو وہ بری طرح متاثر ہوتے ہیں، ذاتی اور پیشہ ورانہ حوالے سے وہ صحت کے بارے میں کوئی تحریک کھڑی کر سکتے ہیں، اس تحریک کی بنیاد اس نظریہ پر ہو گی کہ ذہن اور جسم ایک دوسرے پر باہمی انحصار کرتے ہیں اور یہ کہ جسمانی صحت دراصل ذہنی صحت کا اظہار ہے۔

احساس جرم، قربانی کا جذبہ:۔

حوت افراد بہت سی چیزوں کے بارے میں احساس جرم کا شکار ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی خود غرضی کے بارے میں احساس جرم میں مبتلا ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر ایسی چیزوں سے انحراف کرتے ہیں جو کہ مسرت کا باعث ہوتی ہے

حوت افراد اکثر ذاتی اور پیشہ ورانہ معاملات میں قربانی کا جذبہ رکھتے ہیں، انہیں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ غیر جانبداری کے ساتھ اپنا تحفظ کریں، انہیں اپنے متضاد برج سنبلہ کے افراد کی طرح کچھ خصوصیات اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے، کسی شخص کا متضاد برج ایسی خصوصیات کی عکاسی کرتا ہے جن کی اس شخص کے برج میں کمی ہوتی ہے، حوت افراد کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ سنبلہ افراد کی ذہنی یکسوئی،

تجزیہ، واضح ہدف اور منطقی رائے کی خصوصیات کو اپنائیں، انہیں ایسے افعال میں مشغول ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کا کارکردگی میں اعتماد کے عنصر کا اضافہ کریں۔

عزت نفس کی کمی:۔

حوت افراد کا سب سے زیادہ غیر صحت مندانہ رجحان اپنی ذات پر یقین نہ کرنا ہے اور اضطراب کی طرف فرار حاصل کرنا ہے، ہر شخص کی طرح وہ ایک اہم سوال کا سامنا کرتے ہیں، کہ عزت نفس کیونکر حاصل کی جائے، حوت افراد کو بالخصوص اپنی فطرت کے مثبت پہلوؤں کو مضبوط کرنے کے لئے اور یہ سمجھنے کے لئے کہ بات میں زندگی کا مفہوم پنہاں ہے یہ طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں کیا کرنے کی ضرورت ہے۔

انہیں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ایک قابل قدر اور قابل قبول انسان ہیں، اگرچہ ہم سب اپنے ذات میں کوئی نہ کوئی کمی محسوس کرتے ہیں اور جو نہیں ہیں، وہ ہونا چاہتے ہیں، لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم اپنی موجودہ حالت میں بھی بے مثال اور قابل قدر ہیں، حوت افراد کو بھی چاہیے کہ اپنی مثبت خصوصیات بار بار اپنے ذہن میں دہراتے رہیں۔

حوت افراد اپنی ذات سے محبت کرنا سیکھ سکتے ہیں، وہ انسانی حالات کی بہتری کے لئے ایک گروپ تشکیل دے سکتے ہیں جو انسانی حقوق کے لئے آواز بلند کرے، یہ ان کے لئے تخلیقی اور ذمہ دار شخصیت قرار پانے کا ایک اچھا طریقہ ہے، انہیں اپنے بے مثال کارناموں پر داد تحسین بھی حاصل ہو گی، حوت افراد کو ایسے مخصوص لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے ساتھ حساسیت سے پیش آتے ہیں انہیں عمل کی دنیا میں دھکیل دے، انہیں ایسے مخصوص افراد کو پہچاننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے مقاصد تک پہنچ سکیں۔

☆☆☆

حوت عورت

برج حوت دو مچھلیوں کو ظاہر کرتا ہے، جو مخالف سمت میں تیر رہی ہیں، حوت عورت کے لئے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ مثبت راستے کا انتخاب کرے اور اسے مضبوطی سے پکڑ لے، چونکہ حوت بہتی ہوئی مچھلی کی طرح پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ آسانی سے بہنا پسند کرتی ہے اس لئے حوت عورت کو اپنے زرخیز تخیل اور حساسیت کو تعمیری انداز سے استعمال کرنے کے لئے سہارے اور تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

حوت عورت بے حد محبت اور تحفظ کی طلبگار ہوتی ہے، جب تک وہ محبت اور تحفظ کے احساس سے شاد رہے تب تک وہ ایک پھول کی طرح کھلی رہتی ہے، وہ دوسروں کے لئے دباؤ سے آزاد ماحول پیدا کرتی ہے، لیکن ان کوششوں میں اپنا نقصان کر بیٹھتی ہے، حوت شدید کمزوری کے اندر چھپے ہوئے آزادی کے مفہوم کا نام ہے، تضاد اس کی شخصیت کا بہت بڑا پہلو ہے اور اس کے تعلقات میں تضاد اس کے انداز کی نمائندگی کرتا ہے۔

وہ ایسے دوست اور محبوب کو پسند کرتی ہے جو اس کی طرف جھکتا چلا جائے، وہ چاہے جانے اور کسی کی ہو جانے کی خواہش مند ہوتی ہے تاہم اس کی روح اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتی، وہ تعلقات کے ضمن میں شش و پنج کا شکار رہتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور اس کے بارے میں پیشگوئی کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ایک حوت عورت محبوب میں جن خصوصیات کو دیکھنا چاہتی ہے، وہ ان خصوصیات سے قدرے مختلف ہوسکتی ہیں جو وہ ایک شوہر میں دیکھنا چاہتی ہے، چنانچہ حوت عورت کی ضروریات زندگی اس کی دوشیزگی اور پختگی کی عمر میں مختلف ہوسکتی ہے۔

ابتدائے شباب میں وہ ایک ننھی بچی کی طرح ہوسکتی ہے جو کہ ابھی بڑے اور مضبوط مرد کی تلاش میں ہو جو اسے تحفظ فراہم کر سکے، بعد ازاں وہ ایسے مرد کی متمنی ہوگی جو اسے اس کی ذات کی نمو اور نئی آزادی سے ہمکنار کرنے میں اس کی مدد کرے، رفیقہ حیات کے طور پر حوت عورت وفادار، حساس، ذمہ دار، تخلیقی اور رجعت پسند ہوتی ہے، اگر اسے قائل کر دیا جائے کہ اس نے اپنے ساتھی کے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی ہے تو وہ قسمت میں لکھی ٹھوکریں بھی قبول کر لیتی ہے، وہ تھوڑے بجٹ میں گھر کا انتظام معجزاتی انداز میں چلاسکتی ہے اور اپنے شریک حیات کو محبت اور توجہ دیتی ہے۔

اپنے برج کی طرح حوت کی جنس بھی دو دھاری ہوتی ہے، ناتجربہ کار حوت عورت ایک ایسے نازک پھول کی مانند ہوتی ہے جس کی خوشبو بھنورا صفت لوگوں کو اس کی طرف مائل کر سکتی ہے جبکہ تجربہ کار حوت عورت محبت کے فن میں ممتاز اور پراعتماد ہوتی ہے۔

پختہ کار حوت عورت ایک حساس، نفساتی اور غیر معمولی طور پر تخلیقی محبوبہ ہوتی ہے جسے اپنے جسم پر کنٹرول ہوتا ہے اور جس آسانی سے وہ اپنے آپ کو خوش کرتی ہے، اسی آسانی سے اپنے رفیق حیات کو خوش کر سکتی ہے، وہ آزاد خیال بھی ہوتی ہے اور عفت و عصمت کی پرانی اقدار کی پیروکار بھی، وہ اپنے محبوب کے تخیلات کو عملی جامہ پہناتی ہے اور اس کے موڈ کی عکاسی کرتی ہے وہ مکمل محبت کے تجربے پر یقین رکھتی ہے اور تعلقات زن و شو کو وجد کے تبادلے محسوس کرتی ہے۔

اس کے لئے محبت اور جنس کا امتزاج ناگریز ہے، اس کی اندرونی جدوجہد یا تو اسے جذبات کی بلندیوں پر لے جاتی ہے یا اسے استحصال، ڈرگز اور مکمل ترک نفس کی گہرائیوں تک لے جاتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حوت تعلقات زن و شو میں یک جان دو قالب کی سی کیفیت محسوس کرتی ہے، بلکہ من تو شرم، تو من شوی کی منہ بولتی تصویر بن جاتی ہے، حوت عورت ان عورتوں میں سے ایک ہے جو افلاطونی محبت کرنا پسند کرتی ہے اور خواہ محبوب کتنی دور ہی کیوں نہ ہو تعلقات میں تسکین محسوس کرتی ہے، وہ نرم و نازک اور شاعر مزاج کے لوگوں سے دور نہیں رہ سکتی، وہ ایسے لوگوں کو مامتا بھری شفقت سے نوازتی ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

فرزانہ سلیم

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ غیبت کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے تھے غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے ناپسند ہو، ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

''عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے روٹی کھاتے ہیں، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کر کے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔'' پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ تھے، انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا، ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

''اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔'' اللہ کا ارشاد ہوا۔

''مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی طرف دوڑتے تھے۔''

(تذکرہ غوثیہ)

حمیرا رضا، ساہیوال

کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

- حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ جاتا اور فرمایا۔

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ''سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔''

(دارمی، مدارج النبوت)

- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، کیونکہ مضر ہضم ہے، جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○ کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ (مسلم)

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے کو منع فرماتے (یہ دل ثقالت پیدا کرتا ہے)۔ (زادالمعاد)

○ کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو، وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یاد خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت اہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے، حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی، جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

ماروخ آصف، خانیوال

ایک اور دانت

دندان ساز کی بیٹی نے اپنے محبوب سے پوچھا۔

"آج اچھا موقع تھا تم کلینک گئے تھے کیا آج بھی تم نے میرے پاپا سے رشتے کی بات نہیں کی؟" نوجوان نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں! حسب معمول آج بھی میری ہمت جواب دے گئی اور میں ایک اور دانت نکلوا کر خاموشی سے واپس چلا آیا۔"

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

ہری مرچیں

○ ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے، سوائے گھر کی عورت کے۔

○ آپ سنیما دیکھ کر اتنے خوش نہیں ہو سکتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

○ سمجھدار جج پہلے عورت کی عمر دریافت کرتے ہیں اور تب انہیں جا کر سچ بولنے کا حلف اٹھواتے ہیں۔

○ یاد رکھیے! ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

○ اپنی نقدی کی حفاظت کرو، اصولوں کی حفاظت دیکھا جائے گا۔

○ عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے، جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

وفا عبدالرحمان، روالپنڈی

سرگوشیاں

○ سفر کا آغاز تیز رفتاری سے کیا ہے تو دیکھ کر کنا نہیں ورنہ تمہارا اپنا ہی غبار راہ تمہیں دبوچ لے گا۔

○ زندگی نجانے کس کس کا انتظار کرتی ہے اور موت بن بلائے مہمان کی طرح اچانک آ جاتی ہے۔

○ در ہمیشہ وار رکھنے چاہیں کہ کچھ لوگ دستکوں کے عادی نہیں ہوتے اور صدا دیے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔

○ جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے، وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

○ محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے، اس کو آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا، اسے آزاد کرنے سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

○ غصہ ایک چور ہے جو انسان کے اچھے لمحات چوری کر لیتا ہے۔

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

جنٹلمین

مسٹر برائن امریکیوں کا سامان دلانے میں مصروف رہا، درمیان میں کیپٹن غلام حسین نے ایک دو بار اسے توجہ دلائی کہ "پاکستانیوں کا سامان بھی لوڈ کرا دے۔" لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی، جب فارغ ہوا تو اس نے سامان کے وزن کی جمع تفریق کے بعد بے پروائی سے کیپٹن غلام حسین سے کہا۔

"پاکستانی تو اس پرواز سے نہیں جا سکتے۔"

"کیوں نہیں جا سکیں گے؟" کیپٹن غلام حسین نے مسٹر برائن کی ناک سے ناک ملا کر دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

ایک تھرڈ ورلڈ ملک کے ایک جونیئر فوجی سے مسٹر برائن کو قطعاً اس اشتعال انگیز رویے کی توقع نہیں تھی، اس کا خیال تھا کہ "ترلے منتیں" کرنے کے بعد وہ پاکستانیوں کو آئندہ کسی پرواز سے بھجوا دے گا لیکن غلام حسین سیاستدان تو تھا نہیں اس نے اک پاکستانی کو آواز دی۔

"بہزاد! ذرا یہ اسٹین گن دینا مجھے۔"

یہ ذات شریف جس کا نام بہزاد تھا بڑے مستعد ثابت ہوئے، انہوں نے اسٹین گن کا رخ آسمان کی طرف کیا، اسے کاک کیا، سیفٹی کیچ اتارا اور کیپٹن غلام حسین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"Gun loada, cocked safty catch removed"

غلام حسین نے اسٹین گن پکڑتے ہوئے مسٹر برائن سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر برائن! پاکستانی کیوں نہیں جا سکتے اس فلائیٹ سے؟" مسٹر برائن نے دور ایک نظر گوروں کی طرف دیکھا جو کتوں اور لڑکیوں کی چاپلوسی میں مصروف تھے اور پاکستانی فوج پر نگاہ کی جو پاس ہی نظم وضبط سے اپنے افسروں کے اگلے احکامات کے منتظر کھڑے تھے۔

"ٹھہرو، ٹھہرو جائیں گے جائیں گے، اسی فلائٹ سے جائیں گے۔"

مسٹر برائن کی ساری لاپروائی کافور ہو گئی، پورے واقعے میں چند سیکنڈ لگے ہوں گے، کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ دو اہم ملکوں کی خارجہ پالیسی کن نشیب و فراز سے گزر گئی۔

(جنٹلمین سبحان اللہ از اشفاق حسین)

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

اقوال اختری

☆ تھکن سود کی طرح ہوتی ہے، ادائیگی نہ ہو تو بے حساب بڑھتی اور جمع ہوتی رہتی ہے جب تک کوئی بھلا آدمی بھلے طریقے سے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باقی نہ کروادے۔

☆ فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے اندر غلطی کا امکان گھاس کی اس نرم کونپل کی طرح ضرور ہوتا ہے جو کسی بھی جگہ، کسی بھی لمحے سر اٹھائے چپ چاپ لہرانے لگتی ہے۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے ذرا نا موافق بات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالات و حالت تک بدل دیتی ہے۔

☆ جعلی عکس ڈالنے والا علم ہو یا اعداد و شمار، ہمیشہ نتیجہ توقعات کے برعکس ہی لاتے ہیں۔

☆ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے بٹھا دے نقصان تو وہ ہے جو کسی کو آپ کی نظروں سے گرادے۔

☆ رویوں میں اندھیرا آئے تو صرف انہیں کوسنے مت بیٹھ جایئے، ممکن ہے آپ کے ایک چراغ جلانے سے کسی کے اندر کی کچھ تاریکی کم ہو جائے۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

عیب جوئی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا۔

''اے لوگوں! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو مار جلانے اور شرمندہ کرنے اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا اور وہ رسوا ہو کے رہے گا اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔'' (جامع ترمذی)

حناز بیر احمد، بہاولپور

اقوال شیخ سعدی رحمتہ اللہ

☆ جب تو اللہ سے مغفرت و عطا کا طالب ہے تو جن لوگوں کی امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں تو انہیں بھی محروم و مایوس نہ کر۔

☆ جو شخص سعی و عمل میں کوتاہی کرتا ہے پیچھے رہنا اس کا مقدر ہے۔

☆ بادشاہ اگر عدوات اور ظلم پر کمر باندھ لے تو پھر اسے بادشاہ کی بجائے بھیڑیا کہنا زیادہ مناسب ہے۔

☆ دنیا بے وفا اور انتہائی ناقابل اعتبار ہے، اس سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جو اسے مخلوق خدا کی اصلاح اور فلاح میں لگا دیتا ہے۔

☆ عقل مند اپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اٹھاتا ہے۔

اُم رباب، ساہیوال

تعبیر

سیہ راتوں کے آگے سرخرو ہوں
چاند سے آنکھیں ملا کر بات کرتی ہوں
کہ میں نے عمر میں دیکھا ہے پہلی بار یہ منظر
میری نیندیں میرے خوابوں کے آگے سر اٹھا کر
چل رہی ہیں۔

نعیمہ بخاری

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

پلک جھپکتے ہی دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

.....

خزاں میں چاک گریباں تھا میں بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج ذرہ پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

.....

کوچہ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا

فضہ بخاری ---- رحیم یار خان

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکلا

.....

تھکا گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

.....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

حناز بیر احمد ---- بہاولپور

چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

.....

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری ، خواب تمہارے ٹوٹے

.....

مجھے سمیٹ سکو تو معجزہ ہو گا
بکھر گیا ہوں خلا میں وسعتوں کی طرح

اُم رباب ---- ساہیوال

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفا داری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

.....

باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو بھلا ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

.....

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو دیتے ہیں گواہی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا

نعیمہ بخاری ---- اٹک

ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری تجھے کس کی تلاش

.....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں
ثمرین زاہرہ ---- خان پور

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

.....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

.....

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
شاید ابھرے صدا کہیں اس کی
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

.....

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

.....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے
طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

.....

پانی پہ بہی ریت پہ تڑپی چنی گئی
بنتی رہی ہے دکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

.....

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
عمرانہ علی ---- حاصل پور

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

.....

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

.....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح
عظمیٰ جبیں ---- لیہ

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

.....

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

.....

وہ ریت کرکے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے
وردہ منیر ---- لاہور

تم نے گم کر دیا تھا دانستہ
اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو

.....

یہ ورق ورق تیری داستاں
یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں الگ
تجھے زندگی کی کتاب سے

.....

جب سے چھوڑا ہے تو نے ساتھ میرا
میں کسی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں
ہو گیا ہوں میں سنگدل اتنا
دل کسی کا بھی توڑ سکتا ہوں
ثمرہ شیرازی ---- پتوکی

ان پلکوں سے کوئی اشک ٹپک جانے دو
ان اشکوں سے میرا درد ابھر جاتا ہے
ہم جو روتے ہیں تو رونے نہیں دیتا کوئی
سب کو معلوم ہے یوں بوجھ اتر جاتا ہے

.....

اس نے ہنس کے دیکھا تو مسکرا دیے ہم بھی
ذات سے نکلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

.....

تو جو کہے تجدید محبت میں تو مجھے کچھ عار نہیں
دل ہے بکار خویش ذرا ہشیار ابھی تیار نہیں
حمیرہ حماد ---- کراچی

تم کو معلوم سہی مجھ کو تو معلوم نہیں
درد جب لطف کی منزل سے گزر جاتا ہے
نہ دلاسوں سے بہلتا ہے تڑپتا ہوا دل
نہ نگاہوں کو کسی طور قرار آتا ہے

.....

قرب میسر ہو تو یہ پوچھیں درد ہو تم یا درماں ہو
دل میں تو آن بسے ہو لیکن مالک ہو یا مہماں ہو
دوری آگ سے دوری بہتر قرب کا انجام ہے راکھ
آگ کا کام فروزاں ہونا راکھ ضرور پریشاں ہو

.....

ہم یاد کی روشن شمعوں سے اس جی میں اجالا رکھیں گے
اور سینے میں آبادی کا سامان نرالا رکھیں گے
تم اجنبی اجنبی راہوں میں جب تھک جاؤ اک کام کرو
اس دل میں آن قیام کرو اس سینے میں بسرام کرو
مصباح فیصل ---- کوہاٹ

دیوار شب اور عکس رخ یار سامنے
پھر دل کے آئینے سے لہو پھوٹنے لگا
پھر وضع احتیاط سے دھندلا گئی نظر
پھر ضبط آرزو سے بدن ٹوٹنے لگا

.....

اسے سخن مطرب زیبا کہ سلگ اٹھے بدن
اک قدح ساقی مہوش جو کرے ہوش تمام
ذکر صبح کہ رخ یار سے رنگین تھا چمن
یاد شہبا کہ تن یار تھا آغوش تمام

.....

نہ اب رقیب نہ ناصح نہ غم گسار کوئی
تم آشنا تھے تو تھیں آشنائیاں کیا کیا
جدا تھے ہم تو میسر تھیں قربتیں کتنی
بہم ہوئے تو پڑی ہیں جدائیاں کیا کیا
عائشہ شہباز ---- لاہور

گماں تو کیا یقیں بھی وسوسوں کی زد میں ہوتا ہے
سمجھنا سنگ در کو سنگ درآماں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

.....

جی بات پر ہنسنا بہت اس بات پر رونا بہت
احوال اپنا بھی ہمیں کچھ داستانوں سے لگے
معلوم تو ہم کو بھی تھا ہے آسرا جی کا زیاں
یہ ناتواں سا رابطہ دل کو مگر اچھا لگے

.....

جس کی باتوں کے فسانے لکھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے تو کچھ نہ کہا تھا شاید
تجھ کو بھولے تو دعا تک بھولے
اور وہی وقت دعا تھا شاید
نسرین خورشید ---- جہلم

گزارو گے جس کے لئے مدتیں
وہ لمحہ بہت مختصر آئے گا
محبت میں پڑتی نہیں جھریاں
میں پہچان لوں گا اگر آئے گا

....

ہزاروں دکھ پڑے سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
جہاں میں جب تک پنچھی چہکتے اڑتے پھرتے ہیں
ہے جب تک پھول کا کھلنا محبت مر نہیں سکتی

....

وہ اک بات جو بہت تلخ کہی تھی اس نے
بات تو یاد نہیں یاد ہے لہجہ اس کا
صائمہ مظہر ---- حیدر آباد

غم اپنے کسی طور عبارت نہیں کرتے
ہم اہل وفا اتنی جسارت نہیں کرتے
ہم لوگ خطا وار محبت سہی لیکن
ہم لوگ وفاؤں کی تجارت نہیں کرتے

....

کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکا دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا ظرف تھا کہ خاموش رہے ورنہ
داستاں سناتے تو محفل کو رلا دیتے

....

کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکا دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا ظرف تھا کہ خاموش رہے ورنہ
داستاں سناتے تو محفل کو رلا دیتے
ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوچا کیے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کر خون کر گئے جس کے ملال میں

....

اس سے پہلے کہ بے وفا ہو جائیں
کیوں نہ اے دوست ہم جدا ہو جائیں
بندگی ہم نے چھوڑ دی فراز
کیا کریں لوگ جب خدا ہو جائیں

....

برباد کرنے کے اور بھی راستے بہت تھے
نہ جانے انہیں محبت کا ہی خیال کیوں آیا
شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

مجھ سے بچھڑ کے تو بھی تو روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تری خواہشوں میں ہوں

....

اسے بلا کے ملا عمر بھر کا سناٹا
مگر یہ شوق کہ اک بار پھر بلاؤں اسے
ابھی تک اس کا تصور تو میرے بس میں ہے
وہ دوست ہے تو خدا کس لئے بناؤں اسے

....

جنہیں سلیقہ ہے تہذیب غم سمجھنے کا
انہی کے رونے میں آنسو نظر نہیں آتے
خوشی کی آنکھ میں آنسو کی جگہ رکھنا
برے زمانے کبھی پوچھ کر نہیں آتے
صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

جب میں باتوں سے ٹوٹ جاتا ہوں
کوئی ہونٹوں سے جوڑتا ہے مجھے
جانے وہ کون تھا دیے کی طرح
راستے میں جلا گیا ہے مجھے

☆☆☆

رنگِ حنا

بلقیس بھٹی

وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر "ستارہ لان" لے کر آ گیا
ثمرین زاہرہ، خان پور

چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے
نمرہ سعید، اوکاڑہ

مقام شکر

"کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔" ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔

"جی ہاں...... صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا۔" بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

"ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔"
طاہرہ رحمان، بہاولنگر

رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لئے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا، جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔

"جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی، جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا، اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہو گی۔"

عمرانہ علی، حاصل پور

اف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں، اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔

وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں اور......اور......اور۔"
عظمیٰ جبین، لیہ

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی، اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی، ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا، نئی نویلی دلہن بلی سے خوفزدہ ہو گی اور تم بلی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مار کر دلہن پر رعب جمانا، بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہوگی۔

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی، جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھا دھم کی آوازیں آ رہی ہیں، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

"ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا، میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کرلوں۔"

وردہ منیر، لاہور

بین الاقوامی کہاوتیں

- O جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)
- O سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہو کر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا۔ (ترکش کہاوت)
- O اگر تم خود ترقی نہیں کرسکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)
- O تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)
- O روتی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پر کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)
- O آپ کا دماغ بڑھ تو سکتا ہے لیکن عورت کی عمر ساری زندگی نہیں بڑھتی۔ (فارسی کہاوت)
- O ساس ری ساس تیرا کون سا دانت سیدھا۔ (بنگلہ دیشی کہاوت)
- O اگر کوئی کتا آپ پر بھونک رہا ہے تو آپ اس پر بھونکنا شروع مت ہو جائیں۔ (یونانی کہاوت)

ثمرہ شیرازی، چتوکی

بیویات

امریکن بیوی: ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تا کہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں، نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور وفکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لئے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تا کہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کرسکوں۔

برطانوی بیوی: یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اہمیت دیتی ہے تو اپنے نئے نئے بوائے فرینڈز کو، بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ دو چار نئی گرل فرینڈز بنالے، آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کرلیتی ہے۔

برازیلین بیوی: شوہر کے آرام وسکون کا بہت خیال رکھتی ہے، اسی لئے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے، تا کہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی: اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے، جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنز بیوی: اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائنیز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائنیز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی: اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لئے بہادری کے قصے سناتی ہے، نا صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی: ایک عدد شوہر کے مل جانے

پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما نوکر، بچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

حفصہ حماد، کراچی

بے چارگی

"مائی ڈیئر! تمہیں خط لکھنا کتنا مشکل ہے جب میں پہلی بار لکھنے بیٹھی تو ایک بچے نے چاکلیٹ گرا دی، جب دوسری مرتبہ لکھنے بیٹھی تو میرے پین کی انک ختم ہوگئی، اب تیسری بار تمام نقد اور ادھار دے کر بیٹھی ہوں تو دماغ سے مضمون ہی غائب ہو گیا ہے۔

مصباح فیصل، کوہاٹ

مرحوم خصوصی

"برصغیر کے بعض پسماندہ علاقوں میں اب تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ برادری کی تمام بوڑھیاں کسی کے ہاں غمی میں شریک ہوتی ہیں تو لمبا سا گھونگھٹ کاڑھ کے بیٹھ جاتی ہیں اور اپنے اپنے پیاروں کے نام لے کر بین کرتی، دھاڑتی ہیں، سب اپنے اپنے مردوں اور مردوں کی خوبیاں بیان کر کے خشک آنسوؤں سے روتی ہیں۔

اگر کوئی ناواقف حال پہنچ جائے تو وہ ایک گھنٹے بین سن کر بھی یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ اس مجلس آہ و بکاہ میں دو ڈھائی سو مردوں میں آج کا مرحوم خصوصی کون ہے۔"

عائشہ شہباز، لاہور

بے چارگی

محاذ جنگ سے بھاگے ہوئے ایک سپاہی کو دیکھ کر کمانڈر نے غصے سے کہا۔

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"جناب! وہ تو جنگ میں ہلاک ہو گیا ہے۔"

"اور تم اسے وہیں چھوڑ آئے ہو، جاؤ احمق اس کی لاش لے آؤ۔"

"مگر جناب! میری لاش اٹھا کر کون لائے گا؟" سپاہی نے بے بسی سے کہا۔

نسرین خورشید، جہلم

انداز ہمدردی

بس میں بہت زیادہ رش تھا، ایک بزرگ سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے ڈنڈا پکڑے کھڑے تھے، قریب ہی سیٹ پر ایک نوجوان کھڑکی پہ سر ٹکائے سو رہا تھا، کنڈیکٹر نے اس خیال سے اسے جگانے کی کوشش کی کہ کہیں اس کا اسٹاپ نہ نکل جائے۔

نوجوان نے آنکھیں کھولے بغیر بولا۔

"میں سو نہیں رہا ہوں، تم اپنا کام کرو۔"

"سو نہیں رہے ہو تو پھر اس طرح آنکھیں بند کیے کیوں بیٹھے ہو؟" کنڈیکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"میں بزرگوں کو کھڑے ہو کر سفر کرتے نہیں دیکھ سکتا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

صائمہ مظہر، حیدر آباد

فخریہ پیشکش

میاں بیوی نے بچہ گاڑی خریدی، بچے کو اس میں بٹھایا اور گھر کی طرف چل دیے راستے میں انہیں جو کوئی دیکھتا ہنسنے لگتا، میاں بیوی بہت پریشان ہوئے کہ آخر ماجرا کیا ہے جب وہ گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ بچہ گاڑی سے کارخانے کا لیبل اتارنا بھول گئے تھے، جس پر تحریر تھا۔

"ہمارے کارخانے کی فخریہ پیشکش۔"

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

چٹخارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆ ایک ٹرک دوسرے کو رسے سے کھینچ رہا تھا، ایک آدمی یہ دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو گیا اور بولا۔

''ایک رسے کے ٹکڑے کو اٹھانے کے لئے دو ٹرک۔''

☆ پہلا بے وقوف ''میں نے ایک ایسی چیز ایجاد کی ہے جس سے دیوار کے پار دیکھا جائے۔''

''دوسرا۔ ''کیا چیز ہے؟''

پہلا بے وقوف ''سوراخ۔''

☆ استاد شاگرد سے۔ ''دس پھلوں کے نام بتاؤ؟''

شاگرد، ''پانچ کیلے، پانچ مالٹے۔''

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

کاسٹ

پبلک لائبریری میں گیا اور لائبریرین سے کہا۔

''مجھے پڑھنے کے لئے ڈراموں کی کوئی اچھی سی کتاب دیجئے۔''

''برنارڈ شاہ کے ڈراموں کا مجموعہ کیسا رہے گا؟''

''ٹھیک ہے دیجئے۔''

دوسرے دن وہ یہ کتاب واپس دینے آیا۔

''اسی مصنف کے ڈراموں کی کوئی اور کتاب ہے؟''

''جی ہاں کیوں نہیں۔'' لائبریرین نے کہا اور ازراہ مذاق ٹیلی فون ڈائریکٹری اس کے ہاتھ میں تھما دی اگلے دن وہ یہ کتاب واپس کرنے آیا تو لائبریرین نے پوچھا۔

''پسند آئی کتاب؟''

''پلاٹ ولاٹ کی تو مجھے کچھ زیادہ سمجھ نہیں آئی البتہ کاسٹ بڑی زبردست ہے شہر کا کوئی بڑا چھوٹا آدمی نہیں چھوڑا۔''

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

سیل

ایک میڈیکل اسٹور والے نے پیک شدہ سینڈوچز بھی فروخت کے لئے کاؤنٹر پر رکھنے شروع کر دیئے تھے ایک روز پڑوسی دکان دار نے پوچھا۔

''کیسی جا رہی سینڈوچز کی سیل؟''

''ان کی وجہ سے میری ان ڈائریکٹ سیل بڑھ گئی ہے۔'' میڈیکل اسٹور والے نے بتایا۔

''ان ڈائریکٹ سیل! کیا مطلب؟''

''جب سے سینڈوچز رکھنے شروع کیے ہیں، ہاضمے کی گولیوں کی فروخت بہت بڑھ گئی ہے۔'' جواب ملا۔

دانیا سحر، ملتان

طریقہ اپنا اپنا

ایک شخص مریخ کی سیر کو گیا، وہاں اسے ایک ایسی فیکٹری میں لے جایا گیا جہاں چھوٹے چھوٹے کان، ناک، آنکھیں اور بے شمار اعضاء رکھے تھے بعد میں انہیں جوڑ کر بچے بنائے جاتے تھے۔

اس شخص نے مریخی سے کہا۔

''ہم زمین پر اس طرح بچے نہیں بناتے ہیں۔'' پھر اس شخص نے پیدائشی عمل کی وضاحت کی، یہ سن کر مریخی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''مضحکہ خیز اس طرح تو ہم کاریں بناتے ہیں۔''

حیدر رضا، جھنگ

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

فاخرہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل

جو غم ملا جبیں کے شکن میں چھپا لیا
دل سی گداز چیز کو پتھر بنا لیا
جو آہ تھی شکستہ شکستہ ساتھ لے گئی
جو اشک تھا ہوائے سحر نے اڑا لیا
کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات
نکلی برون شہر تو بارش نے آ لیا
اک میں ہی طرہ نہیں، تو بھی فریب ہے
اپنی ہی ذات سے ترا بھی پتا کیا
اک عمر جس کی مار پہ رہ کر بچے رہے
پہنچے تھے اوٹ میں کہ وہی تیر کھا لیا
ہم بھی شکست شوق پہ نالاں رہے مگر
دل نے آسمان ہی سر پہ اٹھا لیا
ہم نے کہ بخت خفتہ نہ جاگ اٹھے اے ظفر
معمورۂ ازل سے دل بے صدا لیا

عتیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب و روز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس دوستاں
تو یہ کون ہیں؟

یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس جسم و جاں
تو یہ کس لئے؟

یہ جو کان ہیں میرے آہٹوں پہ لگے ہوئے
تو یہ کیوں بھلا؟

یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لئے؟

یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟

یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے جمود میں
تو یہ کس لئے؟

یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے؟

یہ جو پتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟

یہ جو آنکھ میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟

یہ جو دوستوں میں نئی نئی ہے کمی ہوئی
تو یہ کیوں بھلا؟

یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل

وحشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں تھا
یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں تھا
خلعت کے لئے قیمت جاں یوں بھی بہت تھی
پھر اتنا دلآویز لبادہ بھی نہیں تھا
ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیر ستم پر
سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا
ہم خون میں نہلائے گئے تیری گلی میں
اور تو کہ سر بام ستارہ بھی نہیں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یارو کوئی تدبیر کرو تم کہ وہ ہم سے
نا خوش تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا
آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے مسافر
اور میں تو چراغ سر جادہ بھی نہیں تھا
پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو
جب اس سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں تھا

نازیہ جمال: کی ڈائری سے نوشی گیلانی کی غزل

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں
صدائے گل کی طرح ، موجۂ صبا کی طرح
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں
امیر شہر سلامت ، مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے مکرنا چاہتے ہیں

سمن رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

لمحے لگتے ہیں دل دکھانے میں
وقت لگتا ہے پھر منانے میں
گھاؤ لفظوں کا پھر بھر نہیں سکتا
بات بنتی ہیں بنانے میں
گلشن دل کو تباہ مت کرنا
صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں
فصل گل نے جو بے قرار کیا
ہم لگے گھر کو پھر سجانے میں
دم آخر بھی منتظر تھا ولی
آپ نے دیر کر دی آنے میں

سمن رضا: کی ڈائری سے فیض احمد فیض کی نظم

"جو میرا تمہارا رشتہ ہے"

میں کیا لکھوں کہ جو میرا تمہارا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زبان میں کہیں بھی درج نہیں
لکھا گیا ہے بہت لطف وصل و درد فراق
مگر یہ کیفیت اپنی رقم نہیں ہے کہیں
یہ اپنا عشق ہے آغوش جس میں ہجر و وصال
یہ اپنا درد کہ ہے کب سے ہمدم مہ و سال
اس عشق خاص کو ہر ایک سے چھپائے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ گلے لگائے ہوئے

شاہین سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

گلے ملا نہ کبھی چاند ، بخت ایسا تھا
ہرا بھرا بدن اپنا درخت ایسا تھا
ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانۂ جگر لخت لخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا
کہاں کی سیر نہ کی تو سن تخیل پر
ہمیں تو یہ بھی سلیماں کے تخت ایسا تھا
ادھر سے گزرا تھا ملک سخن کا شہزادہ
کوئی نہ جان سکا ساز و رخت ایسا تھا

ایمن عزیز: کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی نظم

مجھے پتا ہے کہ ایک جگنو کے جاگنے سے
یہ تیرگی کی ذمیز چادر نہیں ہٹے گی
مجھے خبر ہے کہ میری بے رونکروں سے
فصیل دشت نہیں ہٹے گی
میں جانتا ہوں کہ میرا شعلہ چمک کے ذوق غبار ہوگا
تو بے خبر یہ دیار ہوگا
میں جانتا ہوں کہ میری کم تاب روشنی کی سحر نہ ہو

گی
مگر میں پھر بھی
سیاہ شب کا غبار بن کر نہیں جیوں گا

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے ایک غزل

درد ہوتے ہیں کئی دل میں چھپانے کے لئے
سب کے سب آنسو نہیں ہوتے بہانے کے لئے
عمر تنہا کاٹ دی وعدہ نبھانے کے لئے
عہد باندھا تھا کسی نے آزمانے کے لئے
کچھ دیے دیوار پہ رکھنے ہیں وقت انتظار
کچھ دیے لایا ہوں پلکوں پہ جلانے کے لئے
وہ بظاہر تو ملا تھا ایک لمحے کو عدیم
عمر ساری چاہیے اس کو بھلانے کے لئے
لوگ زیر خاک بھی تو ڈوب جاتے ہیں عدیم
اک سمندر ہی نہیں ہے ڈوب جانے کے لئے
تو پس خندہ ہی آہوں کی آوازیں تو سن
یہ ہنسی تو آئی ہے آنسو چھپانے کے لئے
کوئی غم ہو کوئی دکھ ہو درد کوئی ہو عدیم
مسکرانا پڑ ہی جاتا ہے زمانے کے لئے

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک نظم

کچھ خواب ہیں جن کو لکھنا ہے
تعبیر کی صورت دینی ہے
کچھ لوگ ہیں اجڑے دل والے
جنہیں اپنی محبت دینی ہے
کچھ پھول ہیں جن کو چننا ہے
اور ہار کی صورت دینی ہے
کچھ اپنی نیندیں باقی ہیں
جنہیں بانٹنا ہے کچھ لوگوں میں
ان کو بھی تو راحت دینی ہے
اے عمر رواں
آہستہ چل
ابھی خاصا قرض چکانا ہے

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

جانتا ہوں کہ میرا دل مرے پہلو میں نہیں
پھر کہاں ہے جو ترے حلقہ گیسو میں نہیں
ایک تم ہو کہ تمہارے ہیں پرائے دل بھی
ایک میں ہوں کہ مرا دل مرے قابو میں نہیں
دور صیاد چمن پاس قفس سے باہر
ہائے وہ طاقت پرواز کہ بازو میں نہیں
دیکھتے ہیں تمہیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں
تم بھی قابو میں نہیں موت بھی قابو میں نہیں
حیف جس کے لئے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ فانی وہی پہلو میں نہیں

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک نظم

ہر کسی کے چہرے میں
اک ضیاء سی ہوتی ہے
رخ کے ایک حصے میں
حسن کے علاقے میں
اک اداسی ہوتی ہے
اس کو میں نے دیکھا تھا
گرم خوبینوں میں
اک خوشی کی محفل میں
شہر کے مکینوں میں
اک طرف کھڑے تنہا
جس طرف کو رستے تھے
جن کے ساتھ گلیاں تھیں
جن میں لوگ بستے تھے
بے کشش مکانوں میں
جیسے چاند راتیں تھیں
اس کے سرد چہرے پر
خوشگوار آنکھیں تھیں

ماروخ آصف: کی ڈائری سے قتیل شفائی کی غزل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ دیا اس نے میرے ہاتھ میں
میں تو ولی بن گیا اک رات میں
عشق کرو گے تو کماؤ گے نام
تمہیں بٹتی نہیں خیرات میں
عشق بری شے سہی پر دوستو
دخل نہ دو تم میری ہر بات میں
مجھ پہ توجہ ہے آفات کی
کوئی کشش تو ہے مری ذات میں
راہنما تھا میرا اک سامری
کھو گیا میں شہر طلسمات میں
شام کی گل رنگ ہوا میں چلی
درد مہکنے لگا جذبات میں
ہاتھ میں کاغذ کی لئے چھتریاں
گھر سے نہ نکلا کرو برسات میں
ربط بڑھایا نہ قتیل اس لئے
فرق تھا دونوں کے خیالات میں

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک نظم

ان ترختے نحیف کاندھوں پر
اپنے کنبے کا بوجھ دھوتا ہوں
اور جب دل کا بوجھ بڑھتا ہے
بیوی بچوں سے چھپ کے روتا ہوں
ضبط غم کی نہیں کوئی معیاد
بجھتی آنکھیں سستا ہوا چہرہ
یہی انجام سخت کوشی ہے
جوڑتا ہوں رقم کفن کے لئے
یہی اصل سفید پوشی ہے
ہر تگ و دو کی ہے یہی بنیاد
کہہ رہی ہے زبان حال مری
میں نے کی ہے ترقی معکوس
روز چھپتا ہوں قرض خواہوں سے
کیسے بنواؤں خوش نما ملبوس
ہر فرصت سے بانجھ بے ایجاد
اک پتھر ہے میرے سینے میں
یا دل ناصبور رکھتا ہوں
عید پر خوش لباس بچوں سے
اپنے بچوں کو دور رکھتا ہوں
آپ ہی صید آپ ہی صیاد
عید کے دن کہیں نکلتے نہیں
میں میری اہلیہ میری اولاد
اس لئے دوستوں کی خدمت میں
خوش رہیں سب بقدر استعداد

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک غزل

میں بھی جھوٹا تم بھی جھوٹے
آؤ چلو تنہا ہو جائیں
کون مریض اور کون مسیحا
اس دکھ سے چھٹکارا پائیں
آنکھیں اپنی خواب بھی اپنے
اپنے خواب کسے دکھائیں
اپنی اپنی سوچوں میں سب
اپنے اپنے خواب سجائیں
اپنے اپنے کاندھوں پہ سب
اپنی اپنی لاش اٹھائیں
شاید لمحہ آئندہ میں
لوگ ہمیں سچا ٹھہرائیں

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم

کبھی یاد آئے تو پوچھنا ذرا اپنی خلوت شام سے
کہ عشق تھا تیری ذات سے
کہ پیار تھا تیرے نام سے
ذرا یاد کرنا کہ وہ کون تھا جو تجھے بھی عزیز تھا
وہ جو جی اٹھا تیرے نام سے
وہ جو مر مٹا تیرے نام پہ

☆☆☆

حنا کی بزم محفل

عین غین

فوزیہ غزل ---- رسالہ شیخوپورہ

س: محسوس نہ ہو رہی ہو محفل میں کمی ہماری
سوچ کر ہم آ گئے ہیں دوبارہ

ج: صبح کا بھولا شام کو لوٹ ہی آتا ہے!

س: سچ سچ بتائیں ہماری کمی محسوس ہوئی کہ نہیں؟

ج: کبھی؟

س: اجنبی آشنا کب لگتے ہیں؟

ج: جب دوبارہ ملتے ہیں شاپنگ مال میں۔

س: محبت کا بھی ایک موسم ہوتا ہے بھلا کون سا؟

ج: پت جھڑ، ساون، بسنت، بہار ایک برس کے موسم چار۔ پانچواں موسم پیار کا اور اقرار کا۔

س: محبت میں زور ہمیشہ دل کا چلتا ہے دماغ کا کیوں نہیں؟

ج: یہ دل کا معاملہ جو ٹھہرا، دماغ کا یہاں کیا کام۔

س: ساون کے اندھے کو ہرا ہرا سوجھتا ہے۔ لال، پیلا یا کالا کیوں نہیں؟

ج: پھر تم پوچھو گی کہ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب ہی کیوں آتے ہیں۔

س: حنا کی ایڈیٹر شپ ہمارے ہاتھ لگ جائے تو آپ کہاں ہوں گے سوچیئے ذرا؟

ج: پہلے تو یہ سوچ کہ ایڈیٹر شپ کوئی زیور ہے تو تمہارے ہاتھ لگ جائے گی۔

چاند پری ---- سورج نگر

س: سنائیں کیا حال ہے؟

ج: ٹھیک ہے۔

س: عین غین جی جب اس ''محبت'' کا آغاز کائنات کے آغاز سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔ تو اب تک اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس کے مخالفین ختم کیوں نہ ہوئے؟

ج: یہ ''کس محبت'' کا آغاز کا کائنات کہ آغاز سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔ پہلے واضح کرو۔

س: جب کوئی آپ کا اعتماد، آپ کا مان توڑ دے اور اسے اس بات کا احساس تک نہ ہو کہ وہ ایسا کر چکا ہے۔ تو ایسے میں کیا کریں گے آپ؟

ج: احساس دلا دو۔

س: کوئی ایسا جس کو آپ اپنا سب کچھ مانتے ہوں۔ اسے بھلانے کی کوشش کرنا بھی کیا وعدہ خلافی میں نہیں آتا؟

ج: کس وعدے کی وعدہ خلافی کر رہی ہو۔

س: جب دل ایک ہے تو کیا اس میں یہ دو چاہتیں رکھی جا سکتی ہیں؟ ایک ہمیشہ یاد رکھنے کی چاہ اور دوسری ''بھلانے کی کوشش'' کرنے کی چاہ.....؟

ج: بھلانے کی کوشش کون سی ہوتی ہے؟

س: سوالات کے جوابات تو آپ بہت مزے کے دیتے ہو۔ لیکن کبھی کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔ کسی کا بھلا ہو جائے گا۔ ٹھیک؟؟؟

ج: میری سنجیدگی سے کس کا بھلا ہو گا بتاؤں تو سہی۔

طیبہ روز ---- گھکوٹی

س: ویسے اتنے ''سیدھے'' آپ ہیں نہیں جتنا شو کرتے ہیں؟

ج: میں ''کتا'' سیدھا شو کرتا ہوں؟

س: پچھلے ماہ میرے سوالات کا جو فالودہ کیا ہے اس کی وجہ؟

ج: گرمی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

س: ڈیٹ آف برتھ جناب کی پوچھی تھی میں، بتا دیں آخری دفعہ آئی ہوں اس محفل میں؟

ج: چھوڑو تم نے کونسا تحفہ بھیجنا ہے۔

س: ''کاغذاتی نام'' اسے کہتے ہیں جس سے پڑھ لکھ کر ڈگریاں حاصل کر کے آپ حنا کی محفل تک آئے ہو دوسروں کو پاگل بنانے وہ بتا دیں؟

ج: اب پاگلوں کو نام بتانے کا فائدہ۔

س: اور مطلب بھی ''عین غین'' کا پوچھا تھا۔ آخر عین غین ہی کیوں؟ ''اون'' بھی ہو سکتا تھا؟

ج: ''اون'' تو گاڑیوں کا ہوتا ہے۔

س: بڑا مزہ ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے ہمارے سوالوں کا جو حشر کرتے ہو ناں آپ، محشر کے روز جواب لیں گے۔ تب تو سیدھا جواب دو گے ناں آپ؟

ج: ایسا نہ ہو کہ روز محشر تم کو سوالوں کے جواب دینے سے ہی فرصت نے ملے۔ پھر کیا کرو گی۔

س: جناب! استاد بننے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہیرو بننے کے لئے حسن کی ضرورت ہوتی ہے، سیاست دان بننے کے لئے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟

ج: پاکستان میں پیدا ہونے کی کہ ہر پاکستان پیدائشی سیاستدان ہے۔

س: ایک بچہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟ اس نے جواب دیا، باپ! اگر یہی سوال آپ سے پوچھا جائے تو؟

ج: پہلے یہ بتاؤ کیا وہ بچہ گھڑمنڈی کا تھا۔

س: خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دلوں کی دوا ہے لیکن اگر وہ خوش مزاج ٹوٹ جائے تو کیا دوا تجویز کریں گے آپ؟

ج: وہ کھکھو سے باہر نکل آئے۔

س: پہلی پہلی بار شرکت کی تھی، کچھ نہ سمجھ میں آیا میں کیا پوچھوں؟

ج: ابھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر سمجھ میں آ گیا تو پتہ نہیں کیا کرو گے۔

س: زندہ رہنے کے لئے تیری قسم.....؟

ج: بہت کچھ ضروری ہے۔

س: او کے پھر اللہ حافظ، بشرط زندگی پھر کبھی بات ہو گی تب تک؟؟؟ جانا۔

ج: یار زندہ محبت باقی۔

عدیل احمد رضا ---- گکھڑ سٹی

س: جی عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے۔

س: حنا کی محفل پہلی دفعہ شرکت کر رہا ہوں، جگہ ملے گی یا نہیں؟

ج: مل تو گئی۔

س: آپ سے ایک سوال پوچوں؟ شرط یہ ہے کہ جواب ہاں یا نہیں میں دینا ہو گا؟

ج: ہاں یا نہ میں جواب تو صرف ایک موقع پر دیا جاتا ہے۔ آپ کیا قبول کروا رہے ہیں۔

☆☆☆

مبارک باد

ہماری پیاری مصنفہ کنول ریاض اور عقیلہ ہاشمی کو اللہ تعالیٰ نے ماہ فروری میں اپنی نعمت سے نوازا ہے اور دونوں نے پیارے سے بیٹوں کی والدہ بننے کے رتبے پر فائز ہوئی ادارہ حنا دونوں مصنفین کو بے حد مبارک باد پیش کرتا ہے۔

خبر نامہ

عبداللہ

تین نہیں ایک سال بعد

پہلے ''خدا کے لئے'' اور اس کے تین سال بعد ''بول'' فلم میں کام کر کے ایمان علی نے خوب شہرت کمائی، ایمان علی کا شمار ان فنکاروں میں ہوتا ہے جن کا ایمان ہے کہ کم کام کرو مگر اچھا کرو، لیکن اب ایمان مزید تین کا انتظار کرنے کے موڈ میں نہیں کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ عمر کی جس اسٹیج پر وہ آج کھڑی ہے اس میں مزید انتظار کی گنجائش نہیں تین سال بعد تو اس کے بالوں میں اترتی چاندی اسے سونے کے بھاؤ کی قیمت حاصل کرنے نہیں دے گی، چنانچہ ایمان نے اگلی فلم فوری طور پر کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے فیورٹ ہیرو شان کی ڈائریکشن میں کام کرنے کی حامی بھر لی ہے، شان کو فلم انڈسٹری میں ان رہنے کے لئے شان دار واپسی کے لئے ایمان علی جیسی با صلاحیت خوبصورت اور کام سے کام رکھنے والی اداکارہ کی ضرورت ہے یوں دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے (فلم کی حد تک) کا فیصلہ کرتے ہوئے فلم میں کام کرنے کا اعلان کیا ہے یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جلد ہی لالی ووڈ میں ایک اور شان دار فلم ضرور بنے گی۔

یہ بھی محبت ہے

کرپشن کے خلاف جن لوک بل میں ہیرا پھیری کا الزام لگا کر ایکٹوسٹ انا ہزارے نے سنٹرل گورنمنٹ کے خلاف بھوک ہڑتال کی کال تو ممبئی کے آزاد میدان میں دی مگر اس شہ کام سے پہلے سلمان خان کو وش کرنا نہیں بھولے کیونکہ بھوک ہڑتال سے پہلے انہیں جو ہو چوپاٹی پر مہاتما گاندھی کے مجسمے سے آشیرواد لینا تھا اور سلمان خان کا گھر، راستے میں پڑتا تھا، انا ہزارے، اپنے سلمان خان کا احترام اس کے لئے کرتے ہیں کہ ویک ہیومن کے تحت سلمان خان کے بہت سے فلاحی کاموں سے انہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگاہی ہے، اپنی سالگرہ والے دن یعنی 27 دسمبر کو سلمان خان، ہمیشہ کی طرح پان ول فارم ہاؤس جارہا تھا لیکن جیسے ہی انا ہزارے کے پروگرام کا پتہ چلا، سلمان خان نے ارادہ کینسل کر دیا تاہم انا جی کے پروٹوکول کالحاظ کرتے ہوئے انہیں فون پر کہا کہ زحمت نہ کریں بلکہ سلمان خان، خود آزاد میدان آجاتا ہے مگر انا جی نے سلمان خان کی بات نہیں مانی اور یوں اس کے گھر آکر سالگرہ کی مبارک باد دی اور سلمان خان سے یہ وعدہ بھی لیا کہ عوامی خدمت کے کاموں میں وہ ان کے ساتھ ہے انا جی کی گرانڈ انٹری کی وجہ سے سلمان خان 27 دسمبر کو شام میں پان ول فارم ہاؤس پہنچ سکا جہاں ساری فیملی اپنے سلمان خان کا انتظار ایک بڑے سے کیک کے ساتھ کر رہی تھی۔

دھوم مچا دے دھوم

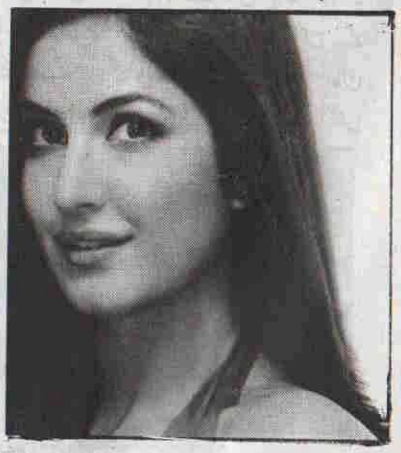

کترینا کیف نے پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ کام بہت ہوگیا، اب تھوڑا آرام ہوگا اور اسی لئے کرسمس و نیوائیر پر وہ اپنی بہنوں اور ممی کے پاس لندن جا پہنچی، ادھر جنوری ریلیز ''اگنی پتھ'' کے

لئے شوٹ کرائے مس کیف کے آئٹم نمبر چکنی چمیلی ...... کی دھوم دن بہ دن بڑھ رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ میڈیا، سات سمندر پار لندن میں بیٹھی مس کیف سے رابطہ کررہا ہے جو صرف اس لئے بے زار ہوئی جارہی ہے کہ تھکادینے والے کام کے بعد جب چھٹیاں گزارنے فیملی میں گئی تھی تو یہ سوچ کر گئی تھی کہ ان تمام دنوں میں فلم اور فلم والوں کی کوئی بات نہیں ہوگی مگر ''اگنی پتھ'' کی چکنی چمیلی ...... نے اس ساری سوچ پر پانی پھیر دیا اور اب لندن میں بیٹھی ہوئی کیف کو بھی بنا کیف اس بارے میں بات کرنا پڑ رہی ہے۔

نام نہیں کام ہی کافی ہے

ہماری اداکارائیں میچور عمر میں پہنچ کر بجائے اس کے وہ اپنے اندر ڈیسنٹ پن لائیں مزید بچپنے پر اتر آتی ہیں بے بی، ببلی بننے کی شوقین اداکاراؤں کی بھارت یاترا بڑی چٹ پٹی اور چٹخارے دار رہتی ہے جیسا کہ میرا اور وینا جب بھی بھارت گئیں گوسپ کے حوالے سے جھنڈے گاڑ آئیں ان کی چٹ پٹی حرکات کی وجہ سے پاکستانی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو مہینوں کے لئے میٹر مل گیا، اس پر یہ دونوں بھی ہر قیمت پر شہرت حاصل کرنے کے لئے بیتاب رہتی ہیں اس کے برعکس ثناء ان کے مقابلے میں بالکل ہٹ کر ہے، پچھلے دنوں وہ جس خاموشی سے بھارت یاترا کے لئے گئی بلکہ وہاں ایک فلم کے لئے کام بھی شوٹ کروایا ظاہر سی بات ہے اس عرصے میں کئی ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے جن کی بدولت ثناء نیوز آئٹم بن سکتی تھی، مگر وہ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا اور واپس آکر بھی خاموشی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

ثمینہ احتشام

بار بی کیو چکن

اشیاء

مرغی کے سینے	چار عدد (آدھے آدھے)
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
لیمن جوس	تہائی کپ
لہسن	ایک جوا (کش شدہ ادرک)
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تازہ لال یا ہری مرچ	ایک یا دو عدد
نمک و سیاہ مرچ	حسب ضرورت
ہری پیاز (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد

ترکیب

لکڑی کے ہتھوڑے کے ساتھ مرغی کے سینوں کو کوٹ کر ہموار کرلیں، میرینیٹ کے تمام اجزا ایک پیالے میں ملا کر گوشت میں ڈالیں اور ڈھانپ کر فریج میں رکھ دیں، (رات بھر یا چند گھنٹے) خاص قسم کا بار بی کیو پین اگر ہے تو درست ورنہ عام پین میں ہلکا سا چکنائی لگا کر گوشت کو پلیٹ سے نکال کر رکھیں یا کوئلوں پر جالی رکھ کر بار بی کیو کرلیں یا پھر Grill کرلیں، دونوں جانب سے ہلکا کر سرخ اور نرم کرلیں، ہرا دھنیا چھڑک کر لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں۔

ہاٹ چکن جنجر ود سپر رائس

اشیاء

چکن (بون لیس)	ڈیڑھ کپ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک	دو چائے کے چمچے
ٹماٹو پیسٹ	ڈیڑھ کپ
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچے
تیل	تہائی کپ
کلونجی	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
یخنی	ایک کپ

ترکیب

تیل گرم کرلیں، اس میں چکن اور ادرک ڈال کر ہلکا سا فرائی کرلیں، دو منٹ بعد اس میں ٹماٹر پیسٹ اور کلونجی ڈالیں، تین چار منٹ پکائیں، پھر نمک، کالی مرچ، لال مرچ، سویا ساس اور ٹماٹو کیچپ ڈال دیں اور تھوڑی دیر بھونیں پھر ایک کپ مرغی کی یخنی یعنی چکن اسٹاک ڈال کر پکائیں، جب تیل اوپر آجائے تو اتارلیں اور سپر رائس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

سپر رائس

اشیاء

چاول	دو کپ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
چلی سوس	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل	ایک کپ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
گاجر	دو عدد
ہری پیاز	چوتھائی کپ
ہری مرچ (لمبائی میں کاٹ لیں)	تین عدد

ترکیب

چاولوں کو نمک اور سرکہ ڈال کر ابال لیں، ایک پین میں تیل ڈالیں گرم ہو تو لہسن پیسٹ ڈالیں، ہلکا بھون کر سویا ساس، چلی سوس، کیچپ، نمک، چینی ملا کر تھوڑا بھونیں، ساتھ ہی سبزیاں ملا کر ہلکا فرائی کریں پھر چاول ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ہاٹ چکن جنجر کے ساتھ سرو کریں، دعوت کے لئے بہترین ڈش ہے۔

کنٹکی فرائیڈ چکن

اشیاء

چکن (بریسٹ پیسز)	چار عدد
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
کالی مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

کڑاہی میں تیل گرم کریں اور زیرہ ڈال دیں پھر چکن کے پیسز ڈال کر دو سے تین منٹ چمچہ چلائیں اس کے بعد لہسن، ادرک پیسٹ، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں، ٹرے میں نکال کر دو سے تین گھنٹے فریزر میں رکھ دیں۔

کوٹنگ کے لئے

اشیاء

میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
دودھ	1/3 کپ
دہی	1/3 کپ
نمک	حسب ضرورت
بیکنگ پاؤڈر	چٹکی بھر
تیل (تلنے کے لئے)	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، انڈا، دودھ، دہی، نمک اور بیکنگ پاؤڈر اچھی طرح مکس کر لیں، فریزر سے چکن نکال لیں، کڑاہی میں تیل گرم کریں، چکن کے پیسز آمیزہ سے اچھی طرح کوٹ کر لیں اور باری باری کڑاہی میں ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تل لیں، فرنچ فرائیز اور کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ینگ چاؤ چکن

اشیاء

مرغی	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
لال مرچ	دو عدد کشمیری
نمک	حسب ذائقہ
دکنی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
اجینوموتو	آدھا چائے کا چمچہ
آسٹر سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
چلی گارلک سوس	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
تیل	چوتھائی کپ

ترکیب

ایک سوس پین میں تیل گرم کریں، کشمیری لال مرچ اور پیاز کے چوکور ٹکڑے کاٹ کر تیل میں ڈالیں اور مرغی بھی ساتھ ڈال کر ہلکا سا بھون لیں، تقریباً دو منٹ تک پکانے کے بعد تمام اجزا شامل کر لیں اور سب سے آخر میں کارن فلور پانی میں گھول کر ملا دیں، ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

چکن موذ

اشیاء

چکن	ایک پاؤ
پارسلے (کٹے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچہ
مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ (گرم)
سفید مرچ (پاؤڈر)	چوتھائی چائے کا چمچہ
جیلاٹن	ایک کھانے کا چمچہ
کشمش	چوتھائی کپ
مایونیز	ایک کپ
مسٹرڈ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ابلا ہوا چکن، قیمہ، کشمش، پارسلے، مایونیز، مسٹرڈ پاؤڈر، نمک و سیاہ مرچ ملائیں، جیلاٹن کو گرم یخنی میں گھول لیں، (پہلے آدھا کپ ٹھنڈی یخنی میں گھول کر پھر ایک کپ گرم یخنی میں ملا لیں) اس یخنی کو مرغی اور مایونیز والے مرکب میں ملا دیں، چکنائی لگی ٹیوب کیک کے سانچے میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں (چار گھنٹے) ایک بڑی ڈش میں سانچے کو پلٹ لیں اور اطراف میں سلاد کے پتے سجا دیں اور ٹماٹر کے پھول بنا کر اوپر رکھ دیں۔

مرغ مسلم چائنیز

اشیاء

مرغی ثابت	ایک کلو
سویا ساس	دو بڑے چمچے
گاڑھی یخنی	دو بڑے چمچے
پیاز	ایک عدد بڑا
سرکہ	دو چھوٹے چمچے
لہسن	آدھا چھوٹا چمچہ
چلی آئل	ایک چھوٹا چمچہ
کالی مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب

صاف شدہ چکن کو لمبے کٹ لگا کر سویا ساس اور سرکہ لگائیں اور پڑا رہنے دیں کہ وہ اس میں جذب ہو جائے کڑاہی میں آئل گرم کریں چکن اس میں ڈال دیں اور اتنا فرائی کریں کہ رنگت بادامی ہو جائے اسے کسی ڈش میں نکال لیں، اب فرائی پین میں ایک چمچہ گھی ڈال کر پیاز اور لہسن کو بادامی کر لیں پھر یخنی، کالی مرچ، نمک، چلی آئل ڈال دیں، پکنے دیں اور ذرا گاڑھا ہونے پر اتار کر فرائیڈ چکن پر ڈال کر پیش کریں۔

چائنیز ڈرم اسٹکس

اشیاء

مرغیوں کی رانیں	آٹھ عدد
پیاز	ایک عدد
سادہ نمک	ایک چائے کا چمچہ
سفید سرکہ	دو چائے کے چمچے
انڈا	ایک عدد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفید مرچ	ایک چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
میدہ	آدھا کپ
ہری مرچ (باریک کاٹ لیں)	چھ عدد

ترکیب

رانوں کو ایک سرے سے پکڑ کر گوشت کو تیزی چھری سے اس طرح کاٹیں کہ وہ ہڈی سے علیحدہ ہو جائے مگر ہڈی کے سرے پر جڑا رہا، اس علیحدہ شدہ گوشت پر بھی چھری سے ہلکے ہلکے کٹ لگائیں، تقریباً ایک گھنٹے کے لئے اس پر سرکہ اور اجینو موتو (چائنیز نمک) لگا کر رکھ دیں، ایک پیالے میں پیاز کو آملیٹ کی طرح کاٹ لیں، ہری مرچیں بھی ملا دیں پھر نمک، سفید مرچ، کارن فلور، انڈا اور میدہ بھی ملا دیں، اس مرکب کو مرغی پر اندر اور باہر اچھی طرح لگا دیں، ہاتھ کو پانی لگا کر اچھی طرح شیپ دے کر ایک بڑی پلیٹ میں رکھ دیں، جتنی دیر فریج میں رکھیں گی۔

تلنے کے بعد اتنی ہی زیادہ مزے دار ہوں گی کیونکہ تمام مسالے اور خوشبو خوب رچ چکی ہو گی، کڑاہی میں کافی سارا تیل گرم کر کے ان کو تل لیں، آنچ تیز اور تیل زیادہ گرم نہ ہو ورنہ اندر سے کچی رہیں گی، تلتے ہوئے بھی کانٹے سے کچوکے لگاتے جائیں تا کہ اندر تک پک جائیں، گولڈن براؤن ہونے پر نکال لیں اور ڈش میں سجا کر گرما گرم پیش کریں۔

بیکڈ چکن اینڈ رائس

اشیاء

لارج چکن ڈرم اسٹکس	آٹھ عدد
اولیو آئل	ایک چمچہ
کینولا آئل	ایک چمچہ
پیاز	ایک عدد
گاجر (گول کاٹ لیں)	دو عدد
سیم	آٹھ عدد
مشروم (گول کاٹ لیں)	چھ عدد
شملہ مرچ (ابلی ہوئی)	چھ عدد
بروکلی (گول کاٹ لیں)	آدھا کپ
مٹر یا کارن، لوبیا	آدھا کپ
پیتا کچا	ایک انچ کا ٹکڑا
ادرک، لہسن کا پیسٹ	ایک چمچہ
چاول (نمک ڈال کر ابال لیں)	ڈیڑھ کپ

ترکیب

اوون کو 210 سے 200 سینٹی گریڈ پر گرم کریں اور روسٹنڈ بڑے باؤل میں آئل ڈالیں کٹی ہوئی گاجریں اور پیاز ڈال کر مکس کریں اب تمام اشیا ادرک، لہسن کا پیسٹ، سبزیاں، مشروم وغیرہ باؤل میں مکس کریں پھر چاول ڈال کر چمچہ سے تمام اشیاء کو مکس کریں کہ یہ سب یکجان ہو جائیں، مکس کرنے کے لئے کانٹا استعمال کریں تا کہ چاول ٹوٹے نہ اب اوپر سے چکن ڈرم اسٹکس کی تہ لگائیں اولیو آئل ڈالیں اور دس سے پانچ منٹ کے لئے بیک کریں اگر اشیاء ابالی نہ ہوں تو ساٹھ سے پچاس منٹ بیک کریں انتہائی مزے دار ڈش ہو گی۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم آپ کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں۔

شام و سحر کی گردش کے ساتھ موسم نے پھر کروٹ بدلی ہے زرد رتوں کے بعد سبز موسموں کی آمد سے نئے رنگ کھل اٹھے ہیں، مرجھائے ہوئے پودوں اور پیڑوں پر نئی کونپلیں سر اٹھا رہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بہت محبت سے تخلیق کی ہے اور اسے خوبصورت رنگوں سے سجایا ہے، اس کائنات کا حسن اسی صورت برقرار رہ سکتا ہے جب اس پر خیر غالب رہے، خیر اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی محبت، خلوص، انسان اور انسانیت کے احترام میں ہی ہم سب کی بقاء ہے، آپ سب اپنا خیال رکھیے گا اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا، آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں ثناء سبط کا شجاع آباد سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں، دو سال بعد اب آپ کی اس محفل میں حاضری لگا رہے ہیں آپ جلدی سے ہمیں خوش آمدید کہیں، کہہ دیا نا؟ شکریہ، فروری کا حنا اس مرتبہ سات کو ہی مل گیا، سرورق اس بار بہت دلکش تھا، کھلا کھلا بہار کی آمد کا پیغام دیتا، ''کچھ باتیں ہماریاں'' کے بعد، حمد و نعت پڑھیں بے حد روح پرور تھیں، ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' بہت اچھی لگیں کاش ہم سب اس پر عمل کریں، انشاء جی کی حلیم سے لطف اندوز ہوئے، عبداللہ بھائی نے شمعون عباسی سے ملاقات کروائی، ان سے گزارش ہے کہ وہ فواد خاں اور حمائمہ ملک سے بھی ملاقات کروا دیں، سلسلے وار ناول دونوں ہی بہترین ہیں، فوزیہ غزل کے قلم کی رفتار کی تو کیا ہی بات ہے، بڑی تیزی سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہے، اُم مریم کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' بھی اب بے حد دلچسپ ہو گیا اتنے زیادہ کرداروں کو ایک ساتھ لے کر چلنا، اُم مریم کا ہی کام ہے، مکمل ناول میں ''ستم گزیدہ'' سدرہ سحر کی تحریر متاثر کن ہے ایک عرصے بعد کشمیر کے موضوع پر تحریر نظر آئی اللہ تعالیٰ وہ وقت جلد لائے کہ اہل کشمیر بھی آزاد وطن میں سر اٹھا کر جئیں۔

''شہر تمنا کی خبر لانا'' سیما انصار کی تحریر تھی اگر ہم غلطی پر نہیں تو یہ نئی رائٹر ہیں اگر یہ ان کی پہلی کاوش ہے تو بے حد اچھی ہے، کہیں کہیں کہانی جمود کا شکار ہوئی ہے لیکن پھر بھی دلچسپی برقرار رہی، افسانوں میں تینوں مصنفین کی تحریریں پسند آئیں خصوصاً تسکین زاہد کی تحریر نے زیادہ متاثر کیا، ناولٹ میں شہناز رانا کے ناولٹ کی کیا ہی تعریف کریں بہت خوب شہناز اگرچہ یہ ایک افسردہ تحریر تھی لیکن بے حد پسند آئی، مبشرہ ناز نے بھی اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں ''ستاروں کے آئینے میں'' ایک نیا سلسلہ آپ نے شروع کیا ہے جو کہ بہت اچھا ہے، ہمیں اپنے اپنے ستارے کے متعلق اچھی معلومات فراہم کی جاتی ہیں خصوصاً یہ جن کی کاوش ہے ''درشجر'' ان کا نام بہت منفرد سا ہے، بے ساختہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہوا، باقی تمام سلسلے بھی اپنی اپنی جگہ بے حد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھے ہیں ہر سلسلہ آپ سب کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اس محفل یعنی قیامت کے یہ نامے جس میں ہم سب اپنی اپنی رائے دیتے اور فوزیہ آپی جس طرح ہر ایک کو مطمئن کرتی ہیں اس کی کیا ہی بات ہے ہمیں اس محفل میں آ کر بڑی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔

فوزیہ آپی ہماری کچھ مصنفین جن میں شازیہ رفیق، سعدیہ کاشف، سعدیہ عالم، صاعقہ ملک وغیرہ بہت عرصے سے غائب ہیں آپ پلیز ان سب کو بھی آواز دیں۔

ثناء سبط خوش آمدید، کہاں رہیں آپ اتنا عرصہ؟ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ تحریروں کے متعلق آپ کی رائے جان کر ہمیں خوشی ہوئی، آپ کے ساتھ ساتھ ہم بھی اپنی مصنفین کی تحریروں کے منتظر ہیں، یقیناً جب بھی ان کو وقت ملا آپ کی طرح حنا میں لوٹ آئیں گیں، آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے لیکن جلدی جلدی ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

سیما انصار: مظفر گڑھ سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میرے ناول کو اپنے ڈائجسٹ میں جگہ دی بلکہ میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن سے میں آپ کے ظرف و محبت کا شکریہ ادا کر سکوں، سجا سنورا، کھلتا ہوا سا سرورق دل میں اتر گیا۔

اس کے بعد ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھیں جو کہ بالکل حقیقت پر مبنی تھیں، خدا کرے اس ملک کا ہر شہری، ہر فرد نئی جمہوری طرز حکومت بنانے کی کوششوں میں کوشاں ہو جائے (آمین)۔

پھر حمد باری تعالیٰ اور نعت مصطفیٰ سے فیض یاب ہوئی، ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' حسب معمول مشعل راہ ثابت ہوئیں۔

''ہماری حلیم کھائی ہے'' میں انشاء جی کی ہلکی پھلکی نوک جونک کو خوب انجوائے کیا۔

''وہ ستارہ صبح امید کا'' فوزیہ غزل صاحبہ کے بارے میں اتنا ہی کہوں گی کہ ''بات خوبصورت اور دلیل کے ساتھ ہو تو گفتگو کے حسن میں اضافے کا باعث بنتی ہے'' بہت عمدہ طریقے سے ناول آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، ویلڈن غزل جی۔

''ستم گزیدہ'' بہت ہی اثر پذیر تحریر ہے، ''سدرمہ سحر عمران'' نے کشمیریوں پر جو کچھ گزر رہی ہے، اسے بہت عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے، مکمل تبصرہ ناول کے اختتام پر۔

''شائستہ ساجد'' کا ''محبت، صبر اور وفا'' میں صلہ کو اس کے صبر و وفا کا صلہ بہت شاندار ملا، اس طرح یہ افسانہ اپنے خوبصورت انجام کے ساتھ بہت پسند آیا۔

''تسکین جاوید خان'' کا افسانہ ''آس یقین اور محبت'' منفرد اور بہترین افسانہ تھا، ''آس و یقین'' کے فلسفے کی منظر کشی شاندار طریقے سے کی گئی ہے اور آخر میں ''محبت'' کو ''امر'' کر کے اختتام پسندیدہ بنا دیا۔

''سباس گل صاحبہ'' کا افسانہ ''اللہ کے نام پہ'' بہت ہی روح پرور افسانہ تھا، فیض بی بی اپنا سب کچھ اللہ کے نام پر تیاگ آئی تھی پھر بھی مطمئن تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ اللہ کے نام پر دی گئی یہ قربانی رائیگاں نہ جائے گی۔

''تازہ گلاب'' بھی ایک اچھی تحریر تھی اور بڑے دلچسپ انداز میں لکھی گئی تھی۔

''تم آخری جزیرہ ہو'' اُم مریم کا ناول جو سارے شمارے کی جان ہے، اُم مریم بہت سارے کرداروں کو نہایت انصاف کے ساتھ لے کر چل رہی ہیں اور بڑے پیارے انداز سے ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں۔

''او کھے پینڈے عشق دے'' شہناز رانا کا ناولٹ طربیہ انداز انجام و اختتام کے ساتھ پسند آیا، حنا کے مستقل سلسلے بھی حسب معمول اچھے تھے، حنا کے دسترخوان سے مستفید ہوئے۔

''آمنہ گوریجہ'' کی ڈائری سے ایک نظم بہت ہی پیاری لگی، اس نظم میں بنت آدم کی زندگی کی بالکل صحیح منظر کشی کی گئی ہے۔

''کس قیامت کے یہ نامے'' میں سبھی کے خطوط بے حد اچھے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ پوری امت مسلمہ کے استحکام اور پاکستان کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

سیما انصار کیسی ہیں آپ؟ آپ کی محبتوں اور چاہتوں کا بے حد شکریہ فروری کا حنا آپ کو پسند آیا یہ جان کر خوشی ہوئی، بس اب آپ نے لکھنے کا سفر جاری رکھنا ہے، قلم چھوڑنا نہیں، ہمارے ساتھ ساتھ قارئین کو بھی اب آپ کی تحریر کا انتظار رہے گا، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں، ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

صوبیہ: دجکوٹ سے لکھتی ہیں۔

فوزیہ آپی! فروری کا شمارہ چھ تاریخ کو ملا، ٹائٹل گرل بہت اچھی تھی، حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف پڑھ کر آگے بڑھے تو اُم مریم کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' پڑھی، اُم مریم بہت اچھا لکھتی ہے، یقیناً اُم مریم کی پچھلی تحریروں کی طرح یہ ناول بھی بہت اچھا ہو گا، فوزیہ غزل کا ''وہ ستارہ صبح امید کا'' بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔

افسانوں میں ابھی تک شائستہ ساجد کا ''محبت صبر اور وفا'' ہی پڑھا ہے، بچ میں اس کہانی کی ہیروئن میں بہت صبر ہے اور باقی افسانے میں نے ابھی نہیں پڑھے، یقیناً یہ بھی بہت اچھے ہوں گے، حنا کی سبھی لکھاری بہت اچھا لکھتی ہے، آپی یہ میرا کسی بھی رسالے میں پہلا خط ہے، امید کرتی ہوں آپ اسے شائع کر کے میری حوصلہ افزائی کریں گیں، آپی میں بھی آپ کے رسالے میں لکھنا چاہتی ہوں آپ پلیز مجھے بتا دیں کہ کاغذ کون سا استعمال کرنا ہے اور کس چیز سے لکھنا ہے یعنی پن سے یا پنسل سے۔

صوبیہ اس محفل میں خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ ضرور لکھیں، بس لکھتے وقت ایک بات کا دھیان رکھیئے گا صفحے کے ایک طرف لکھیں اور ایک لائن چھوڑ کر لکھیں، لکھنے کے لئے رف پنسل کے سوا کچھ بھی استعمال کر سکتی ہیں آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں شکریہ۔

وشمہ کریم: سیالکوٹ سے لکھتی ہیں۔

نو تاریخ کو خوبصورت سے ٹائٹل کے ساتھ حنا ہمارے ہاتھوں کی زینت بنا، سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے دل کے نگر کو منور کیا اور پھر انشاء جی کے کالم کی طرف بڑھے اور حلیم کھائی اور پھر شمعون عباسی سے ہیلو ہائے کی اداکاری سے زیادہ موصوف شادیاں کرنے میں شہرت رکھتے ہیں خیر جلدی سے فوزیہ غزل کے ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' کی طرف بڑھے اچھا جا رہا ہے بلکہ بہت اچھا جا رہا ہے، فوزیہ غزل کا لکھنے کا انداز اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ ناول حقیقت کے قریب لگتا ہے، دوسرا سلسلے وار ناول اُم مریم کا ''تم آخری جزیرہ ہو'' تو حنا کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے اس مرتبہ کی قسط پڑھ کر جہاں ہمیں معاذ پر بے پناہ غصہ آیا وہیں ہمیں زینب کی بے حسی پر دکھ بھی ہوا جہان اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرنیاں سے ہمدردیاں بڑھ گئیں ہاں البتہ ژالے والا حصہ ابھی سمجھ سے باہر ہے یقیناً آگے چل کر یہ بھی ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کروالے گا، اس ماہ حنا کا میں نے اس لئے بھی شدت سے انتظار کیا کہ دیکھیں سدرہ سحر عمران کا مکمل ناول ''ستم گذیزہ'' کیا نیا واقعات لے کر آتا ہے ناول کے پلاٹ پر مصنفہ کی گرفت کافی مضبوط ہے یہ کردار بے حد اچھا ہے اتنی اچھی تحریر لکھنے پر سدرہ مبارک باد کی مستحق ہیں، اس کے بعد ہم نے دوسرا مکمل ناول ''شہر تمنا کی خبر لانا'' پڑھا، سیما انصار نے اچھی کوشش کی، ناولٹ میں ہمیں شہناز رانا نے کافی افسردہ کیا جبکہ مبشرہ ناز ہمیشہ کی طرح ہلکی پھلکی اور متاثر کن ترین کے ساتھ آئیں، افسانوں میں ٹاپ پر ہمیں نسکین زاہدہ نظر آئیں، مستقل سلسلوں میں بھی اچھے تھے، حاصل مطالعہ ہو یا رنگ حنا، بیاض ہو یا میری ڈائری ہر ایک اپنی اپنی جگہ بہت خوب ہے کس کس کی تعریف کروں، نیا سلسلہ ''ستاروں کے آئینے میں'' سے ہمیں بے حد معلومات مل رہی ہیں، یہ ایک بہت اچھا سلسلہ ہے، ہماری طرف سے ''در نجبر'' کو اتنا اچھا سلسلہ شروع کرنے پر مبارک باد۔

وشمہ کریم کیسی ہیں آپ؟ کہاں رہی ہیں اتنا عرصہ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی پسندیدگی مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہیں، آئندہ بھی ہم تمہاری محبتوں اور پر خلوص رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ لکھتی ہیں۔

فلک ارم ذاکر لاہور سے لکھتی ہیں۔

نوزیہ غزل کے دلنشین و مسحور کن انداز تحریر کی داد نہ دینا یقیناً ناانصافی ہوگی ''وہ ستارہ صبح امید کا'' ماشاءاللہ بیسٹ جا رہا ہے اور ہم مدیحہ تبسم کے بے حد مشکور ہیں کہ اس نفسا نفسی کے دور میں اتنا عرصہ ہمیں ''عبدالرحمان کاسٹج'' کے مخلص بے ریا اور محبتوں سے گندھے افراد کے ساتھ گزارنے کا موقع فراہم کیا، ان کی محبتیں ہم کبھی فراموش نہیں کر پائیں گے۔

اور سدرہ سحر! ویلڈن بے حد المناک موضوع پر نہایت محنت و جانفشانی سے لکھ رہی ہیں کئی بار آنکھیں بھیگ گئیں اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے اُم مریم کا تو نام ہی اچھی تحریر کی ضمانت ہے باقی رائٹرز نے بھی اچھا لکھا ہے اور مستقل سلسلے ہمیشہ کی مانند زبردست رہے۔

فلک ارم ذاکر اس محفل میں خوش آمدید آپ کے طویل ترین خط کو پڑھ کر ہمارا دل چاہا کہ ہم اسے مکمل شائع کریں، آپ کا انداز تحریر بے حد شگفتہ ہے جس کو پڑھتے ہوئے ہمارے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی، آپ نے بڑی خوبصورتی سے ہماری غلطی کا احساس دلایا، جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں آئندہ اس بات کا دھیان رکھا جائے گا ہم غلطی سے بھی آپ کے نام کے ساتھ ''ناز'' نہ لگائیں۔

حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کا افسانہ شائع کیا جا رہا ہے باقی تحریر بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں انشاءاللہ جلد شائع کریں گے، آپ کی محبتوں کا ایک بار پھر شکریہ، اگلے ماہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk